طبع بار اوّل

قیمت فی جلد عمر

۷۰۰ جلد چھپی

لایق توجہ گورنمنٹ

چونکہ سکھ صاحبوں کے بعض اخبار نے اپنی غلط فہمی سے ہمارے رسالہ ست بچن کو ایسا خیال کیا ہے کہ گویا ہم نے وہ رسالہ کسی بدنیتی اور دلآزاری کی نیت سے تالیف کیا ہے اسلئے ہم گورنمنٹ کی حضور میں اس بات کو ظاہر کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ یہ رسالہ جو ست بچن کے نام سے موسوم ہے نہایت نیک نیتی اور پوری پوری تحقیق کی پابندی سے لکھا گیا ہے۔ اصل غرض اس رسالہ کی ان بے جا الزاموں کا رفع دفع کرنا ہے جو آریوں کے سرگروہ دیانند پنڈت نے بابا نانک صاحب پر اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں لگائے ہیں۔ اور نہایت نالایق لفظوں اور تحقیر آمیز فقروں میں باوا صاحب موصوف کی توہین اور تحقیر کی ہے۔ پھر اس کے ساتھ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ نہایت قوی اور مضبوط دلایل سے ثابت ہو گیا ہے کہ باوا صاحب اپنے کمال معرفت اور گیان کی وجہ سے ہندوؤں کے ویدوں سے بالکل الگ ہو گئے تھے اور انہوں نے دیکھا کہ جس خدا کی خوبیوں میں کوئی نقص اور کسی عیب کی تاریکی نہیں اور ہر یک جلالی اور قدرت اور تقدس اور کامل الوہیت کی بے انتہا چمکیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ وہ وہی **پاک ذات خدا ہے جس پر اہل اسلام عقیدہ رکھتے ہیں**۔ اس لئے انہوں نے اپنی کمال خدا ترسی کی وجہ سے اپنا عقیدہ اسلام ٹھہرایا چنانچہ یہ تمام وجوہات ہم اس رسالہ میں لکھ چکے ہیں اور ایسے واضح اور بدیہی طور پر یہ ثبوت دے چکے ہیں کہ انکے ماننے کے انسان کو بجز نہیں پڑتا اور ماسوائے اس کے یہ رائے کہ باوا صاحب اپنی باطنی صفائی اور اپنی پاک زندگی کی وجہ سے مذہب اسلام کو قبول کر چکے تھے صرف ہماری ہی رائے نہیں بلکہ ہماری اس کتاب سے پہلے بڑے بڑے **محقق انگریزوں** نے بھی یہی رائے لکھی ہے اور وہ کتابیں مدت دراز پہلے ہماری اس تالیف سے برٹش انڈیا میں تالیف ہو کر شایع بھی ہو چکی ہیں چنانچہ میں نے بطور نمونہ پادری ہیوز کی ڈکشنری کے چند اوراق انگریزی اس رسالہ کے آخر میں شامل کر دیئے ہیں جن میں پادری صاحب موصوف بڑے دعوے سے باوا صاحب کا اسلام ظاہر کرتے ہیں۔ اور یہ ڈکشنری تمام برٹش انڈیا میں خوب شائع ہو چکی ہے سکھ صاحبان بھی اس سے بیخبر نہیں ہیں اس صورت میں یہ خیال کرنا کہ اس رائے میں میں ہی اکیلا ہوں یا میں نے ہی پہلے اس رائے کا اظہار کیا ہے یہ بڑی غلطی ہے ہاں میں نے وہ تمام دلایل بجز دو سو کو نہیں مل سکے اس کتاب میں اکٹھے کر کے لکھ دیئے ہیں جن محقق انگریزوں نے مجھ سے پہلے یہ رائے ظاہر کی کہ باوا صاحب درحقیقت مسلمان تھے اُن کے پاس کامل دلائل کا ذخیرہ نہ تھا مگر میری تحقیق سے یہ امر بدیہی طور پر کھل گیا اور میں امید رکھتا ہوں کہ گورنمنٹ عالیہ پادری ہیوز کی اس رائے پر جو بزبان انگریزی کتاب ہذا کے آخر میں شامل ہے **توجہ فرمائے** اور میں سکھ صاحبوں سے اس بات میں اتفاق رکھتا ہوں کہ بابا نانک صاحب درحقیقت خدا تعالےٰ کے مقبول بندوں میں سے تھے اور ان میں سے تھے جن پر الٰہی برکتیں نازل ہوتی ہیں اور جو خدا تعالےٰ کے ہاتھ سے صاف کئے جاتے ہیں اور میں ان لوگوں کو شریر اور کمینہ طبع سمجھتا ہوں کہ ایسے بابرکت لوگوں کو توہین اور ناپاکی کے الفاظ کے ساتھ یاد کریں ہاں میں نے تحقیق کے بعد وہ پاک مذہب جس سے سچے خدا کا پتہ لگتا ہے اور جو توحید کے بیان میں قانون قدرت کا ہمزبان ہے اسلام کو ہی پایا ہے سو میں خوش ہوں کہ جس دولت اور صاف روشنی کو مجھے دیا گیا مجھ سے پہلے خدا تعالےٰ کے فضل اور عنایت نے باوا صاحب کو بھی وہی دولت دی سو یہ ایک سچائی ہے جس کو میں چھپا نہیں سکتا اور میں اپنا اور باوا صاحب کا اس میں فخر سمجھتا ہوں کہ یہ پاک توحید خدا کے **فضل** نے ہمیں دی۔

خاکسار **غلام احمد قادیانی** ۴ نومبر ۱۸۹۵ء

جاں فدائے آنکہ او جان آفرید
دل نثارِ آں کہ زو شد دل پدید

جاں ازو پیداست زیں مے جویدش
ربنا اللہ ربنا اللہ گویدش

گر وجود جاں نبودی زو عیاں
کی شدی مہر جمالش نقش جان

جسم و جان را کرد پیدا آں یگاں
زیں دود دل سوئے او چوں عاشقاں

او نمک ہا ریخت اندر جانِ ما
جان جان ماست آن جانانِ ما

ہر وجودے نقش ہستی زو گرفت
جان عاشق رنگ مستی زو گرفت

ہر کہ نزدش خود بخود جانے بود
او نہ دانا سخت نادانے بود

گر وجود ما نہ زاں رحمٰن بُدے
جان ما با جان او یکساں بُدے

آنکہ جانِ ما بجانش ہمسر است
جائے ننگ و عار نے پر شر است

سر مفہوم خدائی قدرت است
منکرِ آں لائقِ صد لعنت است

گر ندانی صدق ایں گفتار را
ہم زنانک بشنو ایں اسرار را

گفت ہر نورے ز نور حق بتافت
ہر وجودے نقش خود زاں دست یافت

وید میگوید کہ ہر جاں چون خداست
خود بخود نے کردۂ رب الوریٰ است

لیکن ایں مردِ خدا اہلِ صفا
آنکہ کرد از کذب قومے را رہا

یعنی باوا نانک

گفت ہرجانی زوستش شد پدید — قادر است او جسم وجان را آفرید
فکر کن درگفتۂ ایں عارفاں — روچہ نالی بہر وید آریاں
بود نانک عارف و مرد خدا — رازہائے معرفت را رہ کشا
وید زاں راہ معارف دور تر — سادھ کی مہما نجانے بے ہنر
ایں نصیحت گر زنانک بشنوی — در دو عالم از شقاوت وارہی
او نہ از خود گفت ایں گفتار را — گوش او بشنید ایں اسرار را
وید را از نور حق مہجور یافت — از خدا ترسید و راہِ نور یافت

اے برادر ہم تو سوئے او بیا
دل چہ بندی در جہانِ بیوفا

اما بعد واضح ہو کہ ہمنے عام فائدہ کے لئے یہ رسالہ جس کے مقاصد کا ذیل میں بیان ہے تالیف کیا ہے اور ہماری غرض اس تالیف سے بجز اس کے اور کچھ نہیں۔ کہ آریہ لوگ جو آجکل جلتے ہوئے تنور میں پڑے ہوئے ہیں اور زبان کی ناپاکی اور بیباکی میں اس قدر ترقی کر گئے ہیں۔ کہ کسی وقت بھی اُن کے دلوں کو خدا تعالیٰ کا خوف نہیں پکڑتا۔ وہ اس حقانی انسان کی راست گفتاری اور راست روی کو غور سے دیکھیں۔ جس کا اس رسالہ میں ذکر ہے اور اگر ہو سکے تو اس کے نقش قدم پر چلیں اور وہ انسان وہی ایک بزرگ دیوتا ہے جو بابر کے زمانہ میں پیدا ہو کر خدا تعالیٰ کے دین کی صداقت کا ایک گواہ بن گیا۔ یہ انسان جس کا ابھی ہم ذکر کریں گے۔ عوام ہندوؤں میں سے نہیں ہے۔ بلکہ ایک ایسا شخص ہے جو لاکھوں آریوں نے اس کی نیک بختی اور راست گوئی پر مہر کر دی ہے۔ اور وہ ایک اول درجہ کے ان پیشواؤں میں سے شمار کیا گیا ہے جو ہندوؤں میں گذرے ہیں۔ اور غالباً ستّرہ لاکھ کے قریب پنجاب میں اس کے فداشدہ چیلے موجود ہیں۔ اور وہ وہی مظلوم بزرگ ہے جس کی نسبت ناحق پنڈت دیانند آریوں کے پیشرو نے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ اس کی سوانح کے ضمن میں دیانند کے بیجا اعتراضوں اور سب وشتم کا جواب بھی دے دیں۔ اور وہ یہ ہے۔

باوا نانک صاحب کے کمالات

اور ان کی

ہتک عزت کی غرض سے دیانند کی خرافات

پنجاب میں غالباً ایسا شخص کوئی بھی نہیں ہوگا جو باوا نانک صاحب کے نام سے واقف نہ ہو۔ یا اُن کی خوبیوں سے بیخبر ہو۔ اس لئے کچھ بھی ضرورت نہیں کہ ہم اُن کی سوانح اور طریق زندگی کی نسبت کچھ مفصل تحریر کریں۔ لہٰذا صرف اس قدر لکھنا کافی ہے کہ باوا صاحب موصوف ہندوؤں کے ایک شریف خاندان میں سے تھے۔ سن ۹۰۰ نو سو ہجری کے اخیر میں پیدا ہوئے۔ اور چونکہ اللہ تعالےٰ کی راہ میں اخلاص رکھتے تھے اس لئے بہت جلد زہد اور پرہیزگاری اور ترک دُنیا میں شہرت پا گئے اور ایسی قبولیت کے مرتبہ پر پہنچ گئے کہ درحقیقت ہندوؤں کے تمام گذشتہ اکابر اور کل رشیوں رکھیوں اور دیوتوں میں سے ایک شخص بھی ایسا پیش کرنا مشکل ہے۔ جو اُن کی نظیر ثابت ہو۔ ہمارا انصاف ہمیں اس بات کے لئے مجبور کرتا ہے کہ ہم اقرار کریں کہ بیشک باوا نانک صاحب ان مقبول بندوں میں سے تھے۔ جن کو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے نُور کی طرف کھینچا ہے۔ اس میں کچھ بھی شبہ نہیں۔ کہ ایک سچی تبدیلی خدا تعالےٰ نے ان میں پیدا کر دی تھی۔ اور حق اور راستی کی طرف ان کا دل کھینچا گیا تھا۔ ان کے وقت میں بہت سے جاہل اور شوریدہ مغز ہندو موجود تھے۔ جو اپنے تئیں جوگی یا بیراگی یا سنیاسی وغیرہ ناموں سے موسوم کرتے تھے۔ اور چھپی بدکاریوں کے سہارے سے رہبانیت کا جھنڈا بہت اونچا کیا ہوا تھا۔ سو باوا صاحب نے اپنی قوم کو یہ بھی اچھا نمونہ دیا کہ اُنہوں نے جوگی یا بیراگی یا سنیاسی کہلانے سے نفرت کی۔ وہ اس طور کے برہم چرج سے بکلی بیزار تھے۔ جس میں خدا داد قوتوں کو ناحق ضائع کرکے الٰہی قانون کو توڑ دیا جائے۔ اسی غرض سے انہوں نے باوجود اپنے کمال

فقر اور زہد کے شادی بھی کی تا لوگوں پر ثابت کریں کہ وید کی تعلیم کا یہ مسئلہ ٹھیک نہیں۔
کہ اعلےٰ مرتبہ کا انسان وہی ہے جو برہم چرج یعنی رہبانیت اختیار کرے۔ باوا صاحب
نیوگ✝ کے مسئلہ کے بھی سخت مخالف تھے۔ اور وہ ایسے انسانوں کو جو اپنے جیتے جی
اپنی منکوحہ پاک دامن کو عین نکاح کی حالت میں اولاد کے لئے یا شہوت فرو کرانے کیلئے
دوسروں سے ہمبستر کرا دیں۔ سخت بےحیا اور دیوث اور ناپاک طبع سمجھتے تھے چنانچہ اُن کے پُرحرکت
اشعار ان باتوں پر شہادت دے رہے ہیں جن کو ہم انشاء اللہ تعالیٰ کسی دوسرے رسالہ میں مفصل
تحریر کریں گے۔ اور اس بارے میں تمام عمل اُن کا اسلامی تعلیم کے موافق ہے اور یہ دوسری
دلیل اس بات پر ہے کہ وہ وید کی تعلیموں سے سخت بیزار تھے۔ اور اسی وجہ سے وہ برہمنوں
کے ساتھ ہمیشہ مباحثوں اور مناقشوں میں مصروف رہتے تھے۔ اور کچھ دیانند ہی نے ان کی نسبت
بدزبانی نہیں کی بلکہ اس زمانہ میں بھی اکثر نالائق پنڈت اُن کے دشمن ہو گئے تھے۔ اور اگر اُس
زمانہ میں ایک گروہ کثیر باوا صاحب کے ساتھ بھی ہمخیال ہو جاتا تو کچھ شک نہیں کہ اُن نزاعوں کا
ایک بڑے کُشت و خون تک انجام ہوتا۔ اور گو باوا صاحب نہایت شدت کے ساتھ ایسے
مباحثوں میں مصروف تھے۔ اور وید کی رسموں ہوم وغیرہ کو نہایت ناچیز خیال کرتے تھے مگر تاہم
چونکہ وہ اکیلے تھے لہٰذا شور و شر کے وقت جاہلوں سے کنارہ کرتے تھے۔ اور یہ امر حق
اور واقعی ہے کہ اُن کا دل اس الٰہی محبت سے رنگین ہو گیا تھا جو محض فضل سے ملتی ہے نہ اپنے
کسب سے۔ اُن کو وہ تمام باتیں بُری معلوم ہوتی تھیں۔ جو حق اور حقیقت کے برخلاف ہوں۔ اُن کا

✝ **حاشیہ** وید کی خاص تعلیموں میں سے ایک نیوگ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی ہندو کے گھر میں اولاد نہ ہو۔ اور کسی وجہ سے
مرد ناقابل اولاد ہو مثلاً اس کی منی پتلی ہو یا منی میں کیڑے نہ ہوں یا وہ کیڑے کمزور ہوں یا انزال ہی نہ ہوتا ہو یا کسی
اور طبی وجہ سے مرد عقیمہ کی طرح ہو یا بجرہ ہو یا لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہوں تو ان سب صورتوں میں وید کی یہ تعلیم ہے
کہ مرد اولاد کی خواہش سے اپنی عورت کو دوسرے سے ہمبستر کراوے اور اگر کسی جگہ مرد نوکر ہو اور تین برس تک
گھر میں نہ آوے گو خرچ بھیجتا ہو۔ اور خط بھی بھیجتا ہو۔ تو اس صورت میں بھی اگر عورت کو شہوت غلبہ کرے تو کچھ ضرورت
نہیں کہ وہ اپنے خاوند کے پاس جاوے بلکہ اپنے اختیار سے کسی دوسرے سے ہمبستر ہو جاوے۔ آریہ ستیارتھ پرکاش میں اس کا ثبوت موجود ہے
منہ

دل محض بناوٹی رسموں اور خود تراشیدہ ریتوں پر راضی نہیں ہوتا تھا۔ اور اُس مصفّٰی پانی کے وہ خواہشمند تھے کہ جو حقیقت کے چشمہ سے بہتا اور روحانیت کے رنگ سے رنگین ہوتا ہے اس لئے کبھی وہ اُن بیراگیوں اور جوگیوں اور سنیاسیوں پر راضی نہ ہوئے۔ جو محض رسم پرستی اور ایک باطل قانون کی پیروی سے بیہودہ تخیلات میں دماغ سوزی کر کے اپنی اوقات خراب کیا کرتے تھے۔ باوا صاحب بہت زور لگاتے تھے کہ ہندوؤں میں کوئی روحانی حرکت پیدا ہو اور وہ بیہودہ رسموں اور باطل اعتقادوں سے دستکش ہو جائیں۔ اور اسی لئے وہ ہمیشہ برہمنوں کے مُنہ سے سخت سُست باتیں سُنتے اور برداشت کرتے تھے۔ مگر افسوس کہ اس سخت دل قوم نے ایک ذرہ سی حرکت بھی نہ کی اور باوا صاحب ہندوؤں کی رفاقت سے اس قدر ناامید ہو گئے کہ ان کو اپنے معمولی سفروں کے لئے بھی دو ایسے ہندو خادم نہ مِل سکے۔ کہ ان کے خیالات کے موافق ہوں ✻

پس یہ مقام بھی سوچنے کے لائق ہے کہ کیوں ہندوؤں نے باوا نانک صاحب سے اور باوا نانک صاحب نے ہندوؤں سے اُنس نہ کیا اور تمام عمر مسلمانوں سے ہی مانوس رہے اور اسلامی ملکوں کی طرف ہی سفر کرتے رہے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ باوا صاحب ہندوؤں سے قطع تعلق کر چکے تھے۔ کیا ہندوؤں میں اس کی کوئی نظیر مل سکتی ہے۔ کہ کوئی شخص ہندو ہو کر اپنے تمام تعلقات مسلمانوں سے قائم کرلے۔

یہ کہنا بھی دشنام دہی سے کچھ کم نہیں کہ باوا نانک صاحب نے اسلامی سلطنت کا عروج دیکھ کر مسلمانوں کے ساتھ مداہنہ کے طور پر میل ملاپ کر لیا تھا۔ کیونکہ مداہنہ ایک نفاق کی قسم ہے۔ اور نفاق نیک انسانوں کا کام نہیں۔ مگر باوا صاحب کی یکرنگی ایسے دلوں پر واضح ہے جس سے ایک فرد بھی انکار نہیں کر سکتا۔ باوا صاحب ایک سیدھے سادے اور صاف دل آدمی تھے۔ اور ایک سچے مسلمان کی طرح ان کے عقاید تھے۔ وید کی تعلیم کی طرح ان کا یہ مذہب نہ تھا کہ تمام روحیں اور اجسام خود بخود چلی آتی ہیں۔ بلکہ انہوں نے اس عقیدہ کا بہت زور سے رد کیا ہے

✻ نوٹ۔ ایک بالا بظاہر ہندو خاندان میں سے تھا مگر درحقیقت وہ باوا صاحب کی برکت صحبت سے مسلمان ہو چکا تھا۔ منہ

اوراُن کے گرنتھ کو غور سے پڑھنے والے اس بات کو جانتے ہیں۔ کہ اُن کا یہ مذہب ہرگز نہیں تھا جو آج کل آریہ لوگ پیش کر رہے ہیں۔ یعنی یہ کہ کُل جیو قدیم اور خود بخود چلے آتے ہیں ان کا کوئی خالق نہیں بلکہ باوا صاحب اپنے گرنتھ کے کئی مقام میں بتلا چکے ہیں۔ کہ جو آپ ہی آپ بغیر کسی موجد کی ایجاد کے موجود ہے وہ صرف پرمیشر ہے اور دوسری سب چیزیں اس کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ ایک چیز بھی ایسی نہیں جو اس نے پیدا نہیں کی۔ اس سے صاف کھُل گیا۔ کہ باوا صاحب اپنی سچی معرفت کے زور سے ہندوؤں کے ویدوں سے دست بردار ہو گئے تھے۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے باوا صاحب کو وہ روشنی ملی تھی۔ کہ اگر ویدوں کے رشیوں کی نسبت ثابت کرنا چاہیں تو میں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ یہ امر غیر ممکن ہوگا۔ جب ہم سوچتے ہیں۔ کہ باوا صاحب کے گرنتھ میں کیسی کیسی گیان کی باتیں بھری ہوئی ہیں۔ اور کس قدر باریک معارف کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں۔ تو اس کے مقابل پر دیانند کی کتابیں ایک مکروہ بھوتنے کی طرح نظر آتی ہیں۔ تو پھر ساتھ ہی اس بات کے تصور سے رونا آتا ہے کہ یہ نالائق ہندو وہی شخص ہے۔ جس نے اپنے پنڈت ہونے کی شیخی مار کر باوا صاحب کو نادان اور گنوار کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ کیا کوئی یقین کر سکتا ہے کہ جس شخص کے مونہہ سے ایسے گیان اور معارف کی باتیں نکلیں وہ گنوار یا نادان ہے۔ یہ کیسی ناپاکی طینت ہے کہ پاک دل لوگوں کو جھٹ زبان پھاڑ کر بُرا کہہ دیا جائے۔ آریہ اس بات کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ دیانند صرف ایک جسمانی خیالات کا آدمی تھا۔ اور ان کتابوں کی تاریکی میں مبتلا تھا جن میں ہر طرح کی بُرائیاں ہیں۔ اور ایک ایسے مذہب کی خاطر جس کی آجتک کوئی خوبی بجز نیوگ اور مخلوق پرستی کے ثابت نہیں ہوئی۔ ناحق بزرگوں اور مہاتما لوگوں کی نندیا کر کے گذر گیا۔ لہٰذا کوئی نیک طینت انسان اس کو اچھا نہیں کہتا۔ لیکن باوا نانک صاحب تو وہ شخص تھے جن پر اس وقت بیس لاکھ کے قریب انسان جان فدا کر رہے ہیں۔* یہ بات بالکل سچی ہے۔ کہ باوا صاحب کی ذات میں اس قدر خوبیاں اور نیکیاں جمع تھیں کہ دیانند کی

* نوٹ۔ بیس لاکھ خاص لوگ ہیں ورنہ اُن کے معتقدین کروڑ سے کچھ کم نہیں ہوں گے۔ منہ

ساری زندگی میں اُن کی ایک نظیر بھی تلاش کرنا بیفائدہ ہے۔ جس وقت ہم دیانند اور باوا صاحب
کی زندگی کا باہم مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ تو ہمیں شرم اور انصاف ہاتھ پکڑ کر روک دیتے
ہیں کہ کس کا کس کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا ہے۔ دیانند کی سوانح تو وہی سچی معلوم ہوتی ہے
جو پچھلے سالوں میں برہموں صاحبوں نے شائع کی تھی جس کے لکھنے سے بھی ہمیں شرم آتی ہے
لیکن باوا صاحب تو حق اور سچائی سے بھرپور معلوم ہوتے ہیں۔ پھر نہایت ظلم ہے کہ ایک
تہی باطن شخص اُن کی تحقیر اور توہین میں بڑھتا چلا جائے۔ کیا ہر یک سچے معتقد کو اس مقام
میں غیرت مندی دکھلانا ضروری نہیں۔ کیا اب باوا صاحب باوجود لاکھوں فدا شدہ سکھوں کے
غریب اور اکیلے رہ گئے۔ کیا کسی کو اُن کی پاک عزت کے لئے جوش نہیں۔ بیشک جوش ہوگا
مگر اب تک باوا صاحب کے غلاموں کو اُن ناپاک الفاظ کی خبر ہی نہیں۔ دیانند کا یہ کہنا
کہ باوا صاحب وید کو نہیں مانتے بلکہ جا بجا اس کی نندیا کرتے ہیں عجیب بیوقوفی ہے کیونکہ
جبکہ باوا صاحب نے اپنی روشن ضمیری اور اپنے گیان سے معلوم کر لیا کہ وید کچھ بھی چیز نہیں
تو کیوں وہ ناراستی کی راہ اختیار کرتے۔ وہ نعوذ باللہ دیانند کی طرح جہالت اور بخل کی تاریکی
میں مبتلا نہ تھے اور نہ ہونا چاہتے تھے۔ خدا نے اُن کو اس پاک کلام کی برکت
سے جو **چولا صاحب** پر لکھا ہوا
ابتک پایا جاتا ہے وہ علم عطا کیا تھا جس سے دیانند بے نصیب آیا۔ اور بے نصیب ہی گیا۔
باوا صاحب اپنا پاک چولا وصیت نامہ کے طور پر اپنی یادگار چھوڑ کر ایک سچا اور حقیقی پیغام دنیا
کو پہنچا گئے۔ اب جس کی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں وہ دیکھے اور جس کے کان سُن سکتے ہیں
وہ سُنے۔ باوا صاحب کی تمام باتوں کا مخرج وہی نور تھا۔ جس کو وہ ایک سوتی کپڑے پر قدرتی
حرفوں سے لکھا ہوا حق کے طالبوں کے لئے چھوڑ گئے۔ درحقیقت وہی
آسمانی چولا قدرت کے ہاتھ کا لکھا ہوا **ازلی ہادی** کے فضل سے ان کو ملا تھا جس سے

اُس کمال تک پہنچ گئے۔ جس کو دنیا کی آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں بلکہ دنیا نہیں چاہتی کہ اُس نور کا ایک ذرہ بھی پر تو اُن کے دلوں پر پڑے۔ باوا صاحب ایسے وقت میں ظہور فرما ہوئے تھے کہ جب ہندوؤں کی روحانی حیات بالکل بےحس و حرکت ہو گئی تھی۔ بلکہ اس ملک میں مسلمانوں میں سے بھی بہت سے لوگ صرف نام کے ہی مسلمان تھے اور فقط ظاہر پرستی اور رسوم میں مبتلا تھے پس ایسے وقت میں خدا تعالےٰ نے باوا صاحب کو حق اور حقیقت طلبی کی روح عطا کی جبکہ پنجاب میں روحانیت کم ہو چکی تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بلاشبہ ان عارفوں میں سے تھے جو اندر ہی اندر ذات یکتا کی طرف کھینچے جاتے ہیں۔ اگرچہ ہمیں اُن کی ابتدائی زندگی کے حالات اچھی طرح معلوم نہیں۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ ان کا خاتمہ ایک ایسے صراط مستقیم پر ہوا جس کے رو سے ہر یک مومن متقی پر فرض ہے کہ اُن کو عزت کی نگاہ سے دیکھے اور پاک جماعت کے رشتہ میں ان کو داخل سمجھے افسوس کہ آریوں کے پنڈت دیانند نے اس خدا ترس بزرگ کی نسبت اس گستاخی کے کلمے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں لکھے ہیں جس سے ہمیں ثابت ہو گیا کہ درحقیقت یہ شخص سخت دل سیاہ اور نیک لوگوں کا دشمن تھا۔ کاش اگر وہ باوا صاحب کا چیلہ نہ بن سکا۔ تو بارے یہ تو چاہیئے تھا کہ بلحاظ ایک مقتدائے قوم کے اُن کی عزت کا لحاظ رکھتا۔ مگر ایسے جاہلوں کا ہمیشہ سے یہی اصول ہوتا ہے کہ وہ اپنی بزرگی کی پٹڑی جمنا اسی میں دیکھتے ہیں کہ ایسے بزرگوں کی خواہ نخواہ تحقیر کریں۔ اس ناحق شناس اور ظالم پنڈت نے باوا صاحب کی شان میں ایسے سخت اور نالائق الفاظ استعمال کئے ہیں جن کو پڑھ کر بدن کانپتا ہے۔ اور کلیجہ مُنہ کو آتا ہے۔ اور اگر کوئی باوا صاحب کی پاک عزت کے لئے ایسے جاہل بے ادب کو درست کرنا چاہتا تو تعزیرات ہند کی دفعہ ۵۰۰ اور ۲۹۸ موجود تھی۔ مگر نہ معلوم کہ غیرت مند سکھوں نے ایسے یاوہ گو کی گوشمالی کے لئے کیوں عدالت سے چارہ جوئی نہ کی۔ غالباً اُنہوں نے عمداً حلم اور برداشت کو قرین مصلحت سمجھا یا ابتک دیانند کی بدزبانیوں کی خبر ہی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ دیانند نے باوا صاحب کے حالات کو اپنے نفس پر خیال کر لیا۔ چونکہ برہمن لوگ جو چار حرف سنسکرت

کے بھی پڑھ جاتے ہیں پرلے درجہ کے متکبر اور ریاکار اور خودبین اور نفسانی اغراض سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور نیز بباعث گم گشتہ طریق اور غبی ہونے کے نادان بھی پرلے سرے کے۔ اس لئے اس نے باوا صاحب کے حالات کو اپنے نفس کے حالات پر قیاس کر کے بکواس کرنا شروع کر دیا۔ اور اپنے خبث مادہ کی وجہ سے سخت کلامی اور بدزبانی اور ٹھٹھے اور ہنسی کی طرف مائل ہو گیا۔ اس لئے ہر یک محقق جو باوا صاحب سے محبت رکھتا ہے نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اسی نادان پنڈت کے اشتعال دہی کی وجہ سے یہ حق رکھتا ہے کہ سچے واقعات کے اظہار سے اس کی پردہ دری بھی کرے۔ اور صاحبو ہم اس بات کے کہنے سے ہرگز رک نہیں سکتے کہ جو حقیقی معرفت کا حصہ باوا صاحب کو ملا تھا اس سے یہ خشک دماغ پنڈت بکلی بے نصیب اور بے بہرہ تھا۔ ہر یک کو یہ مان لینا ضروری ہے کہ باوا صاحب کو اُس لطیف عقل میں سے عنایت ازلی نے حصہ دیدیا تھا۔ جس کے ذریعہ سے انسان روحانی عالم کی باریک راہوں کو دیکھ لیتا اور اس حق ذات کی محبت میں ترقی کرتا اور اپنے تئیں ہیچ اور ناچیز سمجھتا ہے مگر کیا اس عقل سے اس پنڈت کو بھی کچھ حصہ ملا تھا۔ ہرگز نہیں۔ اس کی کتابوں کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہایت ہی موٹی سمجھ کا آدمی اور باایں ہمہ اول درجہ کا متکبر بھی تھا۔ باوا نانک کی طرف جو تعلیمیں منسوب کی جاتی ہیں ان میں سے ٹھیک ٹھیک اُن کی تعلیم وہی ہے جو توحید اور ترک دنیا پر مشتمل ہے اور جو مشرکانہ خیالات یا کہانیاں اور خلاف حق باتیں ہیں۔ وہ اُن کی طرف ہرگز منسوب نہیں ہو سکتیں۔ ہم کو اقرار کرنا چاہیئے کہ باوا صاحب نے اُس سچی روشنی پھیلانے میں جس کے لئے ہم خدمت میں لگے ہوئے ہیں وہ مدد کی ہے کہ اگر ہم اُس کا شکر نہ کریں تو بلاشبہ ناسپاس ٹھہرینگے۔ یہ بات ہمیں تخمیناً تیس برس کے عرصہ سے معلوم ہے کہ باوا صاحب الٰہی دین کے ایک **پوشیدہ خادم** تھے اور اُن کے دل میں ایک سچا نور تھا جس کو انہوں نے نااہلوں سے چھپا رکھا تھا۔ ان کے دل میں ان باتوں کا ایک گہرا یقین ہو گیا تھا کہ دنیا میں **ایک اسلام ہی مذہب ہے** جس میں خدائے واحد لاشریک

کی وہ تعظیم اور وہ ثنا ہے کہ جو اس کے افعال کی عظمت پر نگاہ کر کے اس کے لئے واجب ٹھہرتی ہے اور ایسا ہی وہ پاک اور صاف صاف توحید ہے جس پر صحیفہ قدرت گواہی دے رہا ہے اُن کے دل میں یہ بھی یقین ہو گیا تھا کہ قرآنی تعلیم ایسے احکام پر مشتمل ہے جن کا ماننا ایک نیک انسان بن جانے کو لازم پڑا ہوا ہے مثلاً جو شخص شراب خواری سے جو شہوت رانی اور عیاشیوں کی جڑھ ہے رُک جائے قمار بازی سے دست بردار ہو اور عورت مرد کے ناجائز میل جول حتیٰ کہ ایک دوسرے پر نظر ڈالنے سے کنارہ کش ہو اور حرام خوری اور رشوت اور سود خوری سے پرہیز کرے اور ناانصافی اور جھوٹھ اور غرور اور اسراف اور دنیا پرستی اور خود غرضی اور حرامکاری اور ریاکاری سے دور رہے اور عبادت اور محبت الٰہی میں سرگرم ہو اور اپنے دن رات کو ذکر الٰہی سے معمور رکھے اور صلہ رحم اور مروت اور ہمدردی بنی نوع اس کی عادت ہو اور توحید اور لا الٰہ الا اللہ اس کا مذہب ہو اور خدا تعالےٰ کو ہر یک فیض کا مظہر جانے۔ نہ کہ روحوں کو مع اُن کی تمام قوتوں کے اپنے وجود کا آپ خدا سمجھے اور اس غیر مرئی اور غیب الغیب اور غیر محدود طاقتوں والے خدا پر ایمان لاوے جس کے پکڑنے اور مصلوب کرنے کیلئے کسی دشمن کے ہاتھ ملیے نہیں ہو سکتے اور نیز زنا اور بے حیائی اور دیوثی سے مجتنب ہو اور پرہیزگاری اور جوان مردی کے اعلےٰ مراتب پر قائم ہو بلکہ اس کے مذہب میں کسی ناجائز محل شہوت پر دیکھنا بھی حرام ہو کہ تا دل ناجائز خیالات میں مبتلا نہ ہو جائے اور آخرت کو دنیا پر مقدم رکھے اور حق اللہ اور حق العباد میں ایک ذرہ فتور نہ کرے جیسا کہ یہ سب تعلیمیں قرآن میں موجود ہیں۔ تو اس میں کیا شک ہے کہ وہ ایک نیک اور موحد انسان بن جائے گا۔ مگر کیا کسی دوسرے مذہب کی کتاب نے التزام اور تکمیل سے ان تعلیموں کو لکھا ہے۔ ہرگز نہیں۔ پس یہ وہی بات تھی جو باوا صاحب کے حق پسند دل پر کھل گئی اور انہوں نے دیکھ لیا کہ کتاب اللہ صرف قرآن ہی ہے۔ اور باقی سب کتابیں تاریکی میں پڑی ہوئی ہیں۔ لہذا اسلام کی پاک روحانیت اُن کے دل میں گھر کر گئی اور نہ صرف اسی قدر بلکہ انہوں نے اس کے نمونے بھی دیکھے اور اُس پاک نبی سے آسمانی نور حاصل کرنیوالے ستاروں کی طرح

چمکتے ہوئے مشاہدہ بھی کیئے اور درحقیقت یہ سب اسلام کے حقیقی اور روحانی حسن کا نتیجہ تھا کہ جس کی زبردست کششوں نے باوا صاحب جیسے صاف باطن رشی کو اس پاک دین کی طرف جھکا دیا۔ برخلاف اس کے جب باوا صاحب نے ویدوں کی تعلیم اور اُن کے پیرؤں پر نظر ڈالی تو وہاں بالکل اس پاک تعلیم کے برخلاف پایا وہ ویدوں سے کوئی برکت حاصل کرنے سے بکلی نومید ہو گئے ۔ اور صاف طور پر انہوں نے بار بار گواہی دی کہ وید روحانی برکتوں سے خالی ہیں۔ چنانچہ ان گواہوں میں سے ایک یہ شعر بھی ہے جس پر دیانند نے بہت ہی سیاپا کیا۔ اور ناحق ایسے بزرگ کو گالیاں دی ہیں۔ جس کی نظیر اس کے بزرگوں میں ایک بھی نہیں اور وہ شعر جس کے سننے سے دیانند جل گیا یہ ہے۔

"وید پڑھت برہما مرے چاروں وید کہانی"

"سادھ کی مہما وید نجانی"

یعنے برہما بھی ویدوں کو پڑھ کر مرگیا اور حیات جاودانی حاصل نہ کی۔ چاروں وید سراسر کہانی اور محض یاوہ گوئی ہے جن میں کچھ بھی ودیا نہیں ۔ اور وہ اُستت اور مہا پرمیشر کی جو عارف بیان کیا کرتے ہیں ۔ اور وہ خوبیاں ایشر کی جو سچوں کو معلوم ہوتی ہیں ویدوں کو ان کی کچھ بھی خبر نہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ ایسے کلمات باوا صاحب کیوں مُنہہ پر لائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ باوا صاحب نے وید کو اس کی واقعی رنگت میں دیکھ لیا تھا اور انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ ویدوں میں بجز آفتاب پرستی اور عناصر پرستی اور ناپاک رسموں کے اور کچھ بھی نہیں ۔ اور وہ خوب جانتے تھے کہ جو کچھ اس ملک میں اس قسم کی شرک پائی جاتی ہیں ۔ ان تمام گندی تالیوں کا اصل مبدا وید ہی ہے ۔ اور وہ حق گوئی کی راہ میں ایسے دلیر تھے کہ سچ کہنے کے وقت کسی سے نہیں ڈرتے تھے ۔ اس لئے ایسے شعر اُن کے مُنہ سے نکل گئے ۔ اور بلا شبہ یہ بات صحیح ہے کہ اُن کو دیانند کی نسبت زیادہ اور وسیع تجربہ ویدوں کے بارے میں حاصل تھا۔ اور سچے گیان سے اُن کا دل بھر گیا تھا۔ کیونکہ دینی امور میں سچا اور پاک تجربہ اسی کو حاصل ہوتا ہے جو سچے دل سے خدا تعالےٰ کو ڈھونڈھتا ہے اور ہر یک پکش پات کا پلید چولہ اپنے پر سے اوتار کر ایک پاک چولہ

انصاف اور حق گوئی کا پہن لیتا ہے تب باوا صاحب کی طرح آسمانی چولا اس کے لئے اترتا ہے جس پر پاک کلام قدرت سے لکھا ہوا ہوتا ہے۔ مگر دیانند نے نہ چاہا کہ اس پلید چولے بخل اور تعصب کو اپنے بدن پر سے دفع کرے۔ اس لئے پاک چولا اُس کو نہ ملا اور سچے گیان اور سچی ودّیا سے بے نصیب گیا۔ باوا صاحب نے جوانمردی سے سفلی زندگی کا چولا پھینک دیا۔ اس لئے وہ آسمانی چولا اُن کو پہنایا گیا۔ جس پر قدرت کے ہاتھ نے گیان اور معرفت کی باتیں لکھی ہوئی تھیں اور وہ خدا کے منہ سے نکلی تھیں۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ جس زبان میں باوا صاحب نے پرورش پائی تھی۔ وہ زبان ویدک سنسکرت سے بہت ہی ملتی تھی۔ اور دراصل وہ تھوڑے تغیر کے بعد ویدک سنسکرت ہی تھی۔ جیسا کہ ہم نے کتاب **منن الرحمٰن** میں تحقیق السنہ کے تقریب میں بہت وضاحت کے ساتھ اس مطلب کو لکھا ہے۔ لہذا باوا صاحب کو وید کے پڑھنے میں بہت ہی آسانی تھی گویا انہیں کی زبان میں وید تھا۔ اس لئے جو کچھ اُن کو وید کی اصل حقیقت جاننے میں بہت کچھ موقعہ ملا اور ساتھ اس کے عارفانہ طبیعت کی زیرکی نے بھی مدد دی۔ یہ موقعہ ایسے پنڈت کو کہاں مل سکتا تھا جو ناحق کے تعصب اور فطرتی غباوت میں غرق تھا۔ اور دیانند کا نربھو کے لفظ کو پیش کرنا کہ دراصل یہ نربھے ہے اور اس سے باوا صاحب کی جہالت ثابت کرنا نہایت سفلہ پن کا خیال ہے کیونکہ باوا صاحب کا اس کتاب میں ویدک سنسکرت پیش کرنا ارادہ نہ تھا۔ افسوس کہ اس زود رنج پنڈت نے ایک ادنیٰ لفظی تغیر پر اس قدر احمقانہ جوش دکھلایا حالانکہ جائز تھا کہ باوا صاحب نے دراصل نربھے ہی لکھا ہو اور پھر سہو کاتب سے نربھو ہو گیا ہو۔ اگر اس قدر سہو کاتب ماننے کے لائق نہیں اور خواہ نخواہ باوا صاحب کو ہی ملزم کرنا ہے تو پھر دیانند کے پاس اس بات کا کیا جواب ہے جو اس نے اپنی پہلی ستیارتھ پرکاش میں بہت سے امور کو اپنے مذہب کی تعلیم قرار دیا اور جب چاروں طرف سے اعتراض اُٹھے۔ اور جواب بن نہ پڑا تو یہ بہانہ بنایا کہ یہ میرا مذہب نہیں یہ کاتب نے آپ لکھ دیا ہوگا۔ اب کوئی سوچے کہ کاتب تو صرف ایک لفظ یا دو لفظ کو کم و بیش کر سکتا ہے۔ نہ یہ کہ کئی ورق کاتب اپنی طرف سے لکھے اور

وہ چھپ بھی جائیں اور دیانند کو خبر نہ ہو۔ پس یہ بھی ایک باوا صاحب کی کرامت ہے کہ دیانند نے ایک لفظ کا ان پر الزام دینا چاہا اور خود اس پر کئی ورقوں کا الزام آگیا۔ علاوہ اس کے باوا صاحب کو حقایق سے بحث اور غرض تھی وہ ناچیز برہمنوں اور کم ظرف پنڈتوں کی طرح صرف الفاظ پرست نہیں تھے۔ اور غالباً وہ ان لفظی نزاعوں میں جو برہمنوں کے فرقوں میں ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں ہوا کرتی ہیں کبھی نہیں پڑے۔ اور نہ اس جنس کے سفلی خیالات کی اُن کے رُوح میں استعداد تھی۔ دیانند کو باوا صاحب کی تحقیر کے وقت شرم کرنی چاہیئے تھی۔ کیونکہ وہ خود ایسے موٹے خیالات اور غلطیوں میں گرفتار تھا کہ دیہات کے گنوار بھی اس سے بمشکل سبقت لے جاسکتے تھے۔ دیانند نے باوا صاحب کی باتوں پر انصاف کی نظر سے غور نہیں کی۔ اور اپنے نہایت درجہ کے بخل سے ان کے معارف کو چھپانا چاہا۔ اس کی بات بات سے یہ ٹپکتا ہے کہ اس نے نہ صرف بخل اور حق پوشی کی راہ سے بلکہ شرارت سے بھی ایک ناجایز حملہ باوا صاحب پر کیا ہے۔ ہم مناسب دیکھتے ہیں کہ مختصر طور پر اس پرچہ میں اس حملہ کا جواب دیدیں چنانچہ ذیل میں بطور قولہ و اقول کے لکھا جاتا ہے۔

منقول از صفحہ ۸۶ ۷ ستیارتھ پرکاش

قولہ۔ نانک جی کا آُشے تو اچھا تھا۔ پر ودّیا[1] کچھ بھی نہیں تھی۔ یعنی نانک جی جو خدا طلبی اور فقر کے خیال میں لگ گئے یہ خیال تو اچھا تھا۔ مگر علم سے بالکل بے بہرہ تھے۔ **اقول**۔ دیانند کے اس حملہ سے اصل غرض یہ ہے کہ فقر اور جوگ پوری ودّیا کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور نانک جی علم سے بکلی بے نصیب تھے۔ اس لئے خداشناسی کا دعویٰ بھی صحیح نہیں تھا لیکن یقیناً سمجھنا چاہیئے کہ باوا صاحب پر جہالت کا الزام دینے سے خود دیانند نے اپنی پردہ دری کرائی ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ دینی علم اور آسمانی معارف جن کا جاننا فقرا کے لئے ضروری ہے وہ اس طور سے حاصل نہیں ہوا کرتے جس طور سے دنیوی علم حاصل ہوتے ہیں۔ دنیوی علموں میں کچھ بھی ضروری نہیں کہ انسان ان کی تحصیل کے وقت ہر قسم کے فریب اور جعل اور چالاکی

[1] شریر انسانوں کا طریق ہے کہ ہجو کرنے کے وقت پہلے ایک تعریف کا لفظ لے آتے ہیں گویا وہ منصف مزاج ہیں۔ منہ

اور ناپاکی کی راہوں کو چھوڑ دے۔ لیکن دینی علم اور پاک معارف کے سمجھنے اور حاصل کرنے کیلئے پہلے سچی پاکیزگی کا حاصل کر لینا اور ناپاکی کی راہوں کا چھوڑ دینا ازبس ضروری ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے **لا یمسہ الا المطہرون**[1] یعنے خدا کی پاک کتاب کے اسرار کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو پاک دل ہیں اور پاک فطرت اور پاک عمل رکھتے ہیں۔ دنیوی چالاکیوں سے آسمانی علم ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے پس اگر علوم سے یہی فریب اور تزویر اور انسانی منصوبہ بازیاں اور بخل اور باطل پرستی مراد ہے تو ہم بھی دیانند صاحب سے اتفاق کرتے ہیں کہ یہ سب علوم انہیں کو نصیب ہوئے اور باوا صاحب کو حاصل نہ تھے اور اگر علوم سے وہ علوم مراد ہیں جو تقویٰ اور ریاضت اور جوگ اور پاک دلی سے حاصل ہوتے ہیں اور پرہیزگار انسانوں پر ہی کھلتے ہیں تو اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ باوا صاحب ان علوم کی روشنی سے منور کئے گئے تھے۔ مگر دیانند ان پاک معارف سے بالکل بےخبر تھا اور بےخبر ہی مر گیا۔

قولہ۔ وید آدی شاستر اور سنسکرت کچھ بھی نہیں جانتے تھے جو جانتے ہوتے۔ تو نربھی شبد کو نربھو کیوں لکھتے۔ **اقول**۔ یہ صرف تکبر اور خود پسندی کی وجہ سے ایک بدگمانی ہے۔ اگر یہ بات سچی ہوتی تو یہ الزام دینا اُن پنڈتوں کا حق تھا۔ جو باوا صاحب کے زمانہ میں موجود تھے ہم نے تو سُنا ہے کہ باوا صاحب جس پنڈت سے بحث کرتے تھے اس کو لاجواب اور ساکت کر دیتے تھے باوا صاحب کے گرنتھ پر غور کرنے والوں پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ویدوں کے اُن اصولوں سے باوا صاحب نے صاف انکار کر دیا ہے جن کو سچائی کے مطابق نہیں پایا۔ مثلاً ویدوں کے رُو سے تمام ارواح اور ذرات غیر مخلوق اور انادی ہیں۔ لیکن باوا صاحب کے نزدیک تمام ذرات اور ارواح مخلوق ہیں۔ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں۔

اول اللہ نور اُپایا قدرت کے سب بندے — اک نور سے سب جگ اُجپا کون بھلے کون مندے

یعنے خدا تعالیٰ نے ایک نور پیدا کر کے اس نور سے تمام کائنات کو پیدا کیا۔ پس پیدائش کی رُو سے تمام ارواح نوری ہیں یعنے نیک و بد کا اعمال سے فرق پیدا ہوتا ہے ورنہ باعتبار خلقت ظلمت

[1] الواقعہ: ۸۰

محض کوئی بھی پیدا نہیں کیا گیا۔ ہر یک میں نور کا ذرہ مخفی ہے۔ اس میں باوا صاحب نے آیت

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [۱]

سے اقتباس کیا ہے۔ اسی لئے اللہ اور نور کا لفظ شعر میں قائم رہنے دیا۔ تا اقتباس پر دلالت کرے۔ اور نیز حدیث اول ما خلق اللہ نوری کی طرف بھی اس شعر میں اشارہ کیا ہے اور یہی باوا صاحب کی عادت تھی کہ قرآن شریف کے بعض معارف ہندی زبان میں ترجمہ کر کے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے چنانچہ ان کے اشعار میں صدہا قرآنی آیتوں کا ترجمہ موجود ہے۔ اسی طرح باوا صاحب کا ایک شعر یہ ہے۔

جنہاں درشن اِت ہی اُنہاں درشن اُت جنہاں درشن اِت نا اُنہاں اِت نہ اُت

ترجمہ یہ ہے کہ جو لوگ اِس جہان میں خدا کا درشن پا لیتے ہیں وہ اس جہان میں بھی پا لیتے ہیں۔ اور جو نہیں پاتے وہ دونوں جہانوں میں اس کے درشن سے بے نصیب رہتے ہیں۔ اور یہ شعر بھی اس آیت قرآن کا ترجمہ ہے۔

مَن کَانَ فِی ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی [۲]

قولہ چاہتے تھے کہ میں سنسکرت میں بھی پگ اڑاؤں۔ پر تو بنا پڑھے سنسکرت کیسے آ سکتا ہے۔ یعنے باوا نانک صاحب سنسکرت میں خواہ نخواہ پاؤں اڑاتے تھے بھلا سنسکرت پڑھنے کے بغیر کیسے آ سکتا ہے۔ **اقول** یہ کلمہ بھی متکبرانہ ہے۔ دیانند نے چار حرف سنسکرت کے تو پڑھ لئے مگر تکبر کی زہر نے اس کو روحانی زندگی سے محروم کر دیا جو نیک دلوں کو حاصل ہوتی ہے۔

قولہ۔ اِن ان گراہمیوں کے سامنے جنہوں نے سنسکرت کبھی سُنا بھی نہیں تھا سنسکرتی بنا کر سنسکرت کے بھی پنڈت بن گئے ہوں گے یعنی ان گاؤں والوں کے سامنے جنہوں نے کبھی سنسکرت سنی بھی نہ تھی ایسی ایسی عبارتیں سنسکرت کی بنا کر پنڈت بن گئے ہوں گے۔ **اقول**۔ اس نا اہل پنڈت کا ارادہ یہ ہے کہ باوا صاحب کو نہ صرف نادان اور جاہل کہے۔ بلکہ اُن کو فریبی اور مکار بھی بنا دے۔ اسی لئے لکھتا ہے کہ جو لیاقتیں ان میں موجود نہیں تھیں۔ عوام کو دھوکہ دینے کے لئے

[۱] النور: ۳۶ [۲] بنی اسرائیل: ۷۳

ان کا دعوے کر دیا۔ مگر یہ سب شرارت ہے باوا صاحب ایک خاکسار آدمی تھے۔ پنڈت بننے کا اُن کو شوق نہیں تھا۔ یہ ریاکاریاں وہ لوگ کیا کرتے ہیں جو دنیا پر نظر رکھتے ہیں۔ مگر افسوس کہ نادان انسان ہر ایک آدمی کو اپنے نفس پر قیاس کر لیتا ہے اس لئے یہ مرض اس کا لاعلاج ہے۔

قولہ۔ جب کچھ ابھمان تھا تو مان پرتشٹھا لئے کچھ دنبہ بھی کیا ہوگا۔ یعنی کچھ لالچ اور دل کی خواہش تھی۔ اس پر کچھ غرور بھی کیا ہوگا۔ **اقول** اس فقرہ میں دیانند نے یہ ظاہر کیا ہے۔ کہ نانک ایک لالچی اور مغرور آدمی تھا۔ اور تمام فقیری اس کی اسی غرض سے تھی۔ اب ناظرین خیال کریں کہ اس سے زیادہ تر سخت الفاظ اور کیا ہوں گے۔ ایسے سکھ صاحبوں پر نہایت افسوس ہے کہ اُن کے گرو کی نسبت ایسے ایسے سخت کلمے کہے جائیں اور پھر بھی وہ آریوں سے محبت کے تعلقات رکھیں بھلا وہ ذرہ انہیں الفاظ سے دیانند کو یاد کر کے کوئی اشتہار دے دیں پھر دیکھیں کہ کیونکر آریہ صبر کرتے ہیں۔ اگر باوا صاحب سے سچی محبت اور اُن کے لئے سچی غیرت ہے تو اُس کا نمونہ دکھلانا چاہیئے۔

قولہ۔ اُن سے کوئی وید کا ارتھ پوچھتا جب نہ آتا تب پرتشٹھا نشٹ ہوتی۔ یعنی اگر کوئی اُن سے کوئی وید کا مطلب پوچھتا اور اُن سے کچھ بن نہ آتا تو سب کاریگری برباد جاتی اور تمام قلعی کھل جاتی۔ **اقول** یہ تمام گالیاں ہیں اس کا ہم کیا جواب دیں۔ مگر دیانند سے کوئی پوچھے کہ کیا تیری قلعی کھلی یا نہیں۔ کیا ایسے عقیدوں کے شایع کرنے سے کہ ہر یک جان کا پرمیشر سہارا نہیں اور نجات جاودانی نہیں اور ہر یک فیض کا پرمیشر مبدء نہیں۔ اور خاوند والی عورت دوسرے سے ہمبستر ہو۔ کیا اس سے تیری تمام کاریگری برباد ہو چکی یا اب تک کچھ باقی ہے۔ دیانند کو اس بات پر سارا غصہ ہے کہ باوا صاحب وید کے ان عقاید کو قبول نہیں کرتے تھے اور انہوں نے بہت زور سے ان باتوں کا ردّ لکھا ہے۔

قولہ۔ اپنے ششوں کے سامنے کہیں کہیں ویدوں کے وروده بولتے تھے اور کہیں اچھا بھی کہا ہے کیونکہ جو کہیں اچھا نہ کہتے تو لوگ اُن کو ناستک بنانے جیسے کہ ہے۔ وید پڑھت برہما مرے

چاروں وید کہانی۔ سادھ کی مہا وید نجانی ۔ نانک برھم گیانی آپ پرمیشر۔
کیا وید پڑھنے والے مر گئے۔ اور نانک جی آدی اپنے کو امر سمجھتے تھے۔ کیا وے نہیں مر گئے
وید تو سب ودّیاؤں کا بھنڈار ہے پرنتو جو چاروں ویدوں کو کہانی کہے۔ اس کی سب باتیں
کہانی ہوتی ہیں۔ جن مورکھوں کا نام سنت ہوتا ہے وہ بیچارے ویدوں کی مہما کبھی نہیں
جان سکتے۔ نانک جی اگر ویدوں پر بھروسہ کرتے تو اُن کا سمپرڈائی نہ چلتا نہ دے گورو بن سکتے
تھے کیونکہ سنسکرت ودّیا تو پڑھی ہی نہیں تھی تو دوسرے کو پڑھا کر شش کیسے بنا سکتے۔
باقی ترجمہ یہ ہے کہ نانک جی اپنے سکھوں کے روبرو وید کے مخالف باتیں کیا کرتے تھے۔
یعنی ایسی تعلیم دیتے تھے جو وید کی تعلیم کے برعکس ہوتی۔ اور کبھی کوئی موافق بات بھی کہتے
مگر دل سے نہیں بلکہ اس خوف سے کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ خدا کا قایل نہیں یعنے نانک ایک منافق
آدمی تھا۔ وہ درحقیقت ویدوں کی تعلیم سے دل سے بیزار تھا کبھی ویدوں کے موافق کوئی بات
اس لئے کہتا تھا کہ تا ہندوؤں کو دھوکہ دیوے اور وہ لوگ سمجھیں کہ یہ شخص ہندو مذہب سے
بکلی دست بردار نہیں سو یہ کاروائی لوگوں کے ڈر سے تھی نہ سچے دل سے اور پھر دیانند اپنی
اس رائے کی تائید کے لئے کہ نانک درحقیقت ہندو مذہب اور ویدوں سے الگ ہو گیا تھا۔
باوا نانک صاحب کا مندرجہ ذیل شعر اسی غرض سے پیش کرتا ہے اور وہ شعر یہ ہے۔
وید پڑھت برہما مرے چاروں وید کہانی۔ سادھ کی مہا وید نجانی ۔ نانک برہم گیانی آپ پرمیشر
یعنے وید پڑھتے پڑھتے برہما مر گیا اور حیات جاودانی حاصل نہ ہوئی۔ چاروں وید کہانی یعنی یاوہ
گوئی ہے اور خدا تعالےٰ کی وہ تعریف جو راستباز کیا کرتے ہیں ویدوں کو معلوم نہیں یعنی وہ حمد و ثنا
اللہ جلشانہٗ کی جو صادق کے مُنہہ سے نکلتی ہے اور وہ سچی تعریف اس کی اور سچی شناخت اُس کی
جو عارفوں کو حاصل ہوتی ہے چاروں وید اُس سے محروم اور بے نصیب ہیں۔ کیونکہ اے نانک
یہ پرمیشر کا خاصہ ہے جو صحیح اور پاک علم سے خاص ہے یعنی ویدوں نے جو صراط مستقیم کو چھوڑ دیا
اور گمراہی کی راہیں بتلائیں اس میں وید معذور ہیں کیونکہ وہ اس ایشر برہم گیانی کی طرف سے نہیں ہیں۔

جس کا بیان غلط باتوں سے پاک ہوتا ہے۔ باقی ترجمہ دیانند کی کلام کا یہ ہے۔ کیا وید پڑھنے والے
مر گئے اور نانک جی وغیرہ گرنتھ والے آپ کو زندہ سمجھتے ہیں یا وہ نہیں مرے۔ وید تو جملہ علوم
کا خزانہ ہے جو ویدوں کو کہانی بتائے اس کی سب باتیں کہانی ہیں یعنی وہ خود یاوہ گو ہے
(پھر دیانند اشارہ کے طور پر باوا صاحب کو ایک گالی دے کر کہتا ہے) جن گنواروں کا نام سنت
اور ہادی رکھا گیا یعنے باوا نانک صاحب وہ بیچارے ویدوں کی تعریف کیا جانیں۔ نانک جی
اگر ویدوں پر بھروسہ کرتے تو اُن کی مکاری کیونکر چل سکتی اور کیونکر گرو بن سکتے۔ کیونکہ آپ تو وہ
سنسکرت کے علم سے ناواقف تھے تو پھر دوسرے کو وید پڑھا کر کیونکر اپنا سکھ بناتے۔

اقول۔ جس قدر دیانند نے باوا صاحب کے نام نادان اور جاہل اور فریبی اور گنوار اور مکار
اور دنیا پرست اور لالچی وغیرہ وغیرہ اپنی اس کتاب میں رکھے ہیں۔ درحقیقت وہ تمام غصہ
باوا صاحب کے اس شعر کی وجہ سے اور نیز ان اسلامی عقاید کی وجہ سے ہے جو باوا صاحب کے
اشعار میں بکثرت پائے جاتے ہیں لیکن اگر یہ متعصب پنڈت خدا ترس ہوتا۔ تو یہ تمام وجوہ
باوا صاحب کی عظمت اور بزرگی اور نیک بختی پر دلالت کرتی تھیں۔ باوا صاحب ایک
راست باز آدمی تھے۔ وہ نادان پنڈتوں کی طرح تعصب اور بخل کے کیچڑ میں مبتلا نہیں تھے۔
اور ان کو وہ روشنی دی گئی تھی جو اُن لوگوں کو دی جاتی ہے جو سچے دل سے خدا تعالےٰ
کو ڈھونڈھتے ہیں اور انہوں نے حق الیقین کی طرح سمجھ لیا تھا کہ ہندوؤں کے وید ضلالت
اور گمراہی سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس لئے انہوں نے فرمایا کہ چاروں وید کہانی
اور یاوہ گوئی ہے۔ کوئی ودیا ان میں نہیں۔ اور اسی لئے علانیہ طور پر گواہی دے دی کہ خدا تعالےٰ
کی وہ تعریفیں جو راست باز اور عارف اور واصلان درگاہ الٰہی کرتے ہیں۔ وید نے اس پاک ذات
کی وہ تعریفیں نہیں کیں۔ پس باوا صاحب کا یہ قول سراسر سچ ہے۔ اور آب زر سے لکھنے کے
لائق ہے۔ باوا صاحب کے زمانہ پر قریباً چار سَو برس گذر گیا۔ اور اب جا بجا وید ترجمہ ہو کر
مشتہر ہوئے اور معلوم ہوا کہ ان میں بجز عناصر پرستی اور ستارہ پرستی کے اور کچھ نہیں پس درحقیقت

یہ باوا صاحب کی بڑی کرامت ہے کہ اس زمانہ میں انہوں نے ویدوں کی حقیقت معلوم کرلی جبکہ وید ایسے گم تھے کہ گویا نابود تھے۔ لیکن دیانند ایسے زمانہ میں بھی نابینا رہا جبکہ انگلستان اور جرمن وغیرہ میں ویدوں کے ترجمے ہو چکے تھے۔ اور پھر دیانند نے جو طعن کے طور پر لکھا یعنی کہ اگر وید کے جاننے والے مر گئے تو کیا باوا نانک ہمیشہ کے لئے زندہ رہ گئے* یہ بھی اس کی کمال نادانی تھی جو باوا صاحب کی باریک اور پر معرفت بات کو نہ سمجھ سکا۔ باوا صاحب کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ وید کے جاننے والے جسمانی موت سے مرے تا باوا صاحب کی موت کا ذکر کرنا اس کو زیبا ہوتا۔ اس بات کو کون نہیں جانتا کہ جسمانی موت ہر یک کو درپیش ہے بلکہ باوا صاحب کا تو یہ مطلب تھا کہ وہ روحانی زندگی جو سچے مذہب کے پیرو ہونے کی حالت میں اور سچی کتاب کے ماننے کی صورت میں انسان کو ملتی ہے وہ زندگی وید کے ماننے والوں کو نہیں ملی اور سب کے سب گمراہی کی موت میں مر گئے۔ اب باوا صاحب پر ان کی موت کی وجہ سے اعتراض کرنا حماقت ہے۔ کیونکہ بلاشبہ وہ پاک توحید اور پاک کلمہ کی برکت سے ہمیشہ کے لئے زندہ ہے بھلا انصافاً سوچو کہ باوا صاحب کو فوت ہونے پر قریباً چار سو برس گذر گئے اور ابتک ان کا چولا جس پر

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

لکھا ہوا ہے جس کو وہ نہایت صدق اور اخلاص سے پہنتے تھے۔ جس کا ہر یک لفظ ان کی دلی حالت کا ترجمان تھا ان کی اولاد کے پاس موجود ہے۔ پس یہ بھی ایک قسم زندگی کی ہے کہ خدا تعالےٰ نیک لوگوں کے کپڑوں کو بھی ضائع ہونے نہیں دیتا۔ دیکھو آریوں کا دیانند ابھی مرا ہے گویا کل فوت ہوا ہے کیا اس کی ایک لنگوٹی بھی جو باندھا کرتا تھا۔ آریوں کے پاس موجود ہے؟ اُس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین کی خدا نے اس کو ذلیل کیا اور باوا نانک صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر عزت کی نگاہ سے دیکھا کہ کلمہ طیبہ کا کپڑا اپنا چولا بنا لیا اس لئے

* نوٹ۔ دیانند اس قول کے بعد بہت جلد مر گیا پس یہ بھی باوا صاحب کی ایک کرامت ہے۔ منہ

خدا نے بھی ان کو وہ عزت دی کہ کروڑہا آدمی اعتقاد کے ساتھ اُن کے پاؤں پر گرے اور حیات روحانی اُن کو حاصل ہوئی سو ہمیشہ کی زندگی پانے کی یہی راہ ہے جس نے سوچنا ہو سوچ لے ۔

آنانکہ گشت کوچۂ جاناں مقام شاں | ثبت است بر جریدۂ عالم دوام شاں
ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق | میرد کسیکہ نیست مرامش مرام شاں
اے مردہ دل مکوش پئے ہجو اہلِ دل | جہل و قصور تست نفہمی کلام شاں

قولہ۔ نانک جی کے سامنے کچھ اُن کا سمپرداے وبہت سے شش نہیں ہوئے تھے۔ کیونکہ اودہ واسوں میں یہ حال ہے کہ مرے پیچھے ان کو سدھ بنا لیتے ہیں۔ پشچات بہت سا مہاتم کرکے ایشر کے سمان مان لیتے ہیں یعنے نانک جی کا کچھ پورا پورا تسلط نہیں ہوا تھا۔ اور نہ سکھ ہی بنے تھے۔ کیونکہ جاہلوں کا دستور ہے کہ مرنے کے بعد مُردوں کو سادھ اور بھگت قرار دیدیتے ہیں۔ **اقول** پنڈت صاحب کا اس تقریر سے یہ مطلب ہے کہ نانک درحقیقت کوئی اچھا آدمی نہیں تھا۔ مرنے کے بعد خواہ نخواہ اس کو بھگت بنایا گیا۔ مگر درحقیقت دیانند کی یہ تمام باتیں ایک ہی کینہ کی وجہ سے ہیں یعنے یہ کہ باوا صاحب وید کو ایک فضول کتاب گمراہ کرنے والی کہانی کہتے تھے اور یہی جابجا نصیحت کرتے تھے اور ان کی زندگی کے مقاصد میں سے اعلیٰ مقصد یہی تھا کہ وہ لوگوں کو وید سے چھوڑا کر خدا تعالیٰ کے پاک کلام کی جو قرآن شریف ہے مصدق بنادیں اور درحقیقت ان کا وجود خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا ایک عظیم الشان نمونہ تھا جس کی تمام مسلمانوں کو قدر کرنی چاہیئے۔ اس خدا نے جو اپنے پاک نبی کے لئے پتھروں اور درختوں اور درندوں سے گواہی دلائی اس آخری زمانہ میں اُن کے لئے جو تاریکی میں بیٹھے تھے انہیں میں سے ایک چمکتا ہوا ستارہ نکالا اُس نے **اُس نور کی گواہی دی** جو دنیا کو روشن کرنے کے لئے آیا تھا۔ نور کو تاریکی شناخت نہ کرسکی آخر اُس نے شناخت کیا جس کو نور میں سے حصہ دیا گیا تھا۔ **پاک ہے وہ خدا جس نے اسلام کے لئے یہ گواہیاں پیدا کیں۔** اُس صادق انسان نے ویدوں کو گمراہی کی تعلیم کہہ کر نااہل پنڈتوں سے گالیاں کھائیں اگر وہ ویدوں سے

بیزار نہ ہو جاتے تو کوئی بھی پنڈت اُن کو بُرا نہ کہتا۔ اب تو باوا صاحب اِن پنڈتوں کی نظر میں کچھ بھی نہیں وید کے مکذب جو ہوئے۔

قولہ۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُنہوں نے ویدوں کو نہ سُنا نہ دیکھا۔ کیا کریں جو سنے اور دیکھنے میں آوے تو بُدھ مان لوگ جو کہ ہٹی درہ گرہے نہیں وے سب سمپردای والے بیدمت میں آجاتے ہیں۔ یعنی نانک وغیرہ اس کے سکھوں نے نہ ویدوں کو سُنا نہ دیکھا کیا کریں جو سُننے یا دیکھنے میں آویں تو جو عقلمند متعصب نہیں وہ فوراً اپنی ٹھگ بدیا چھوڑ کر وید کی ہدایت میں آجاتے ہیں۔ **اقول** اس تمام تقریر سے پنڈت صاحب کا مطلب صرف اتنا ہے کہ باوا نانک صاحب اور اُن کے پیرو ٹھگ ہیں اُنہوں نے دنیا کے لئے دین کو بیچ دیا۔ مگر ہرچند یہ تو سچ ہے کہ باوا نانک صاحب نے وید کو چھوڑ دیا اور اس کو گمراہ کرنے والا طومار سمجھا لیکن پنڈت صاحب پر لازم تھا کہ یوں ہی باوا صاحب کے گردنہ ہو جاتے اور ٹھگ اور مکار اُن کا نام نہ رکھتے بلکہ اُن کے وہ تمام عقیدے جو گرنتھ میں درج ہیں اور مخالف وید ہیں اپنی کتاب کے کسی صفحہ کے ایک کالم میں لکھ کر دوسرے کالم میں اس کے مقابل پر وید کی تعلیمیں درج کرتے تا عقلمند خود مقابلہ کر کے دیکھ لیتے کہ ان دو تعلیموں سے سچی تعلیم کونسی معلوم ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ صرف گالیاں دینے سے کام نہیں نکلتا۔ ہر یک حقیقت مقابلہ کے وقت معلوم ہوتی ہے اور ناحق گالیاں دینا سفلوں اور کمینوں کا کام ہے۔

قولہ۔ نانک جی بڑے دھناڈ اور رئیس بھی نہ تھے۔ پرنتو اُن کے چیلوں نے نانک چندودے اور جنم ساکھی وغیرہ میں بڑے سدھ اور بڑے ایشرج والے لکھے ہیں۔ نانک جی برہما ادی سے ملے بڑی بات چیت کی سب نے ان کا مان کیا۔ نانک جی کے دواہ میں گھوڑے۔ رتھ ہاتھی سونا چاندی موتی پنا ادی رتنوں سے جڑے ہوئے پار اوار تھا لکھا ہے۔ بھلا یہ گپوڑے نہیں تو کیا ہے۔ یعنے نانک جی کہیں کے مالدار اور رئیس نہیں تھے۔ مگر اُن کے چیلوں نے پوتھی نانک چندودی اور جنم ساکھی وغیرہ میں بڑے دولتمند اور بھگت کر کے لکھا ہے

یہ بھی لکھا ہے کہ نانک جی کی برہما سے ملاقات ہوئی بڑی بحث کی۔ سب دیوتوں نے اُن کی تعظیم کی۔ نانک جی کے بیاہ میں گھوڑے ہاتھی رتھ سونا چاندی پنا موتی وغیرہ رتنوں سے جڑے ہوئے تھے اور اُن کا کچھ حد و حساب نہ تھا۔ بھلا یہ گپ نہیں تو اور کیا ہے۔

اقول یہ آخری قول پنڈت دیانند کا ہمارے نزدیک کسی قدر صحیح* ہے مگر اس کو باوا نانک صاحب سے کچھ تعلق نہیں۔ ہاں اس میں کچھ شک نہیں کہ بعض نادان دوستوں نے کئی طور سے ایسے افترا کئے ہیں جن میں شاید اُن کی یہ غرض تھی کہ باوا صاحب کی اس سے تعریف اور بزرگی ثابت ہوگی مگر اُن کو یہ خبر نہیں تھی کہ نامعقول اور بیہودہ افتراؤں سے کسی کی بزرگی ثابت نہیں ہو سکتی بلکہ آخر کار یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسے مفتری اور یاوہ گو لوگوں پر اس بزرگ کی برکات کا کچھ بھی اثر نہ پڑا۔ سو بعض ایسے لوگوں کی نسبت جنہوں نے بے تحقیق باوا صاحب کی سوانح میں غلط باتیں ملا دیں ضرور یہ کہنا پڑتا ہے جو اُنہوں نے احتیاط اور دیانت سے کام نہیں لیا۔ اور ایسی باتیں جو شرم اور حیا سے بھی بعید ہیں مُنہہ سے نکالیں۔ جیسا کہ یہ ایک **جھوٹا قصہ** کہ باوا صاحب جب مکہ میں گئے تو جس طرف پاؤں کرتے تھے مکہ اسی طرف آجاتا تھا کیا یہ قصہ مہادیو کی **لٹوں** سے گنگا نکلنے سے کچھ کم ہے۔ اس قدر تو سچ ہے کہ چونکہ باوا صاحب ملت اور مذہب کی رُو سے اہل اسلام تھے اس لئے حج کرنے کے لئے بھی گئے لیکن واقعات صحیحہ پر ایسے حاشیئے چڑھا دینا جو سراسر عقل اور قرائن صحیحہ کے مخالف ہیں کسی متدین کا کام نہیں جس شہر کی ایک لاکھ سے زیادہ آبادی ہے وہ کیسے باوا صاحب کے پیروں کی طرف معہ تمام باشندوں کے بار بار آتا رہا۔ اور اگر مکہ سے مراد خانہ کعبہ ہے تو پھر ایسا قصہ بجز اس کے کہ مسلمانوں کا دل دکھایا جاوے اور ایک بیہودہ اور بے ثبوت یاوہ گوئی سے اُن کو ستایا جاوے کوئی اور ماحصل نہیں رکھتا مگر جن لوگوں نے باوا صاحب کو خدا کے برابر بنا رکھا ہے۔ اگر وہ بیت اللہ کی تحقیر کریں تو ہم اُن پر کیا افسوس کریں ایسے زمانہ میں جو اکثر لوگ تربیت یافتہ ہو گئے ہیں اور صدق اور کذب میں تمیز کرنے کا مادہ بہتوں میں پیدا ہو گیا ہے۔ ایسے لغو قصے مشہور کرنا ایک طور سے

* **نوٹ**۔ اگر نانک جی رئیس نہیں تھے اور نہ رئیس زادے تھے تو بھلا شکر ہے کہ دیانند تو کسی ملک کا بڑا رئیس تھا جس کی معمولی حسب و نسب کا بھی اب تک کوئی صحیح صحیح پتہ نہیں ملا۔ منہ

۷۱

اپنے مذہب کی آپ ہجو کرنا ہے۔ اگر باوا صاحب مکہ میں حج کی نیت سے نہیں گئے تھے بلکہ کرامت دکھلانے گئے تھے تو چاہیئے تھا کہ کعبہ کو اسی جگہ چھوڑ آتے جس طرف پیر تھے۔ اگر زیادہ نہیں تو اپنے مقام مخصوص سے دس بیس قدم ہی کم وبیش اِدھر اودھر کر آتے یا اپنے پیچھے پیچھے کعبہ کو اپنے گھر تک لے آتے تا اس کرامت کو دوسرے سکھ بھی دیکھ لیتے۔ مگر چونکہ اب تک کعبہ اُسی جگہ ہے جس جگہ پر وہ قدیم سے چلا آتا ہے اور مکہ والے باوا نانک صاحب کے نام سے بھی ناواقف ہیں قطع نظر اس جو کوئی ایسا اعجوبہ یاد رکھتے ہوں۔ تو صاف ظاہر ہے کہ یہ نہایت مکروہ جھوٹ کسی شریر انسان کا افترا ہے۔ باوا صاحب نے ہرگز ایسا دعوےٰ نہیں کیا۔ مکہ اسلام کا مرکز ہے۔ اور لاکھوں صلحا اور علماء اور اولیاء اس میں جمع ہوتے ہیں۔ اور ایک ادنیٰ امر بھی جو مکہ میں واقع ہو فی الفور اسلامی دنیا میں مشہور ہو جاتا ہے پھر ایسا عظیم الشان واقعہ جس نے اسلام اور قانون قدرت دونو کو زیر و زبر کر دیا اور پھر ایسے نزدیک زمانہ کا کہ جس پر ابھی پورے چار سو برس بھی نہیں گذرے۔ وہ لاکھوں آدمیوں کو فراموش ہو جائے اور صرف سکھوں کی جنم ساکھیوں میں پایا جائے کیا اس سے بڑھ کر اور کوئی بھی قابل شرم جھوٹ ہوگا۔ عجیب تر یہ کہ ان قصوں میں یہ بیان ہوا ہے کہ باوا صاحب نے مکہ میں پنجابی بھاشا میں باتیں کیں اور مکہ کے رہنے والوں نے بھی پنجابی میں باتیں کیں۔ پھر باوا صاحب مدینہ میں پہنچے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا روضہ بھی اُن کی پیروں کی طرف آیا۔ اور وہاں باوا صاحب نے پنجابی بھاشا میں شعر بنائے اور لوگوں نے پنجابی میں جواب دیئے۔ اب فرمائیے کہ یہ کس قدر جھوٹھ ہے ظاہر ہے کہ عرب کے باشندے ہندی زبان کو نہیں سمجھ سکتے۔ پھر انہوں نے باوا صاحب کی بھاشا کو کیا سمجھا ہوگا۔ اگر یہ قصہ صحیح تھا تو باوا صاحب کی پہلی کرامت یہ چاہیئے تھی کہ وہ عربی زبان والوں سے عربی میں ہی بات کرتے اور اُن کے سُنانے کیلئے عربی میں شعر بناتے نہ کہ پنجابی میں۔ اور وہ عربی تقریر جو باوا صاحب عربوں کے ساتھ کرتے اور وہ عربی اشعار جو اُن کو سُناتے وہ سب جنم ساکھی یا گرنتھ میں لکھنے چاہیئے تھے۔ اگر ایسا کرتے تو بیشک کسی قدر بات بن جاتی۔ مگر اب تو بجز مضحکہ عقلاء کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ پھر مکہ مدینہ پہنچنے کے واقعات بھی

خوب صحیح لکھے ہیں جیسا کہ جنم ساکھی میں بیان کیا ہے کہ کعبہ میں ایک پتھر رکھا ہوا ہے۔ اُس کو دھوتے ہیں اور نالیوں سے اس کا پانی بہتا ہے اسی پانی کو آب زمزم کہتے ہیں۔ اب کہو کہ اگر ایسے خلاف واقعہ اور سراسر جھوٹ بات کو باوا نانک صاحب کی طرف منسوب کیا جائے تو کیا یہ ماننا نہیں پڑے گا کہ نعوذ باللہ باوا صاحب کو جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔ تمام لوگ جانتے ہیں کہ آب زمزم ایک کوئیں میں سے نکلتا ہے۔ اور وہ کنوٰاں حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے مکہ میں موجود ہے اس کو خانہ کعبہ اور سنگ اسود سے کچھ تعلق نہیں۔ پھر لکھا ہے کہ باوا صاحب کی امام اعظم سے مکہ میں ملاقات ہوئی حالانکہ امام اعظم صاحب باوا نانک صاحب کی پیدائش سے سات سو برس پہلے فوت ہو چکے تھے۔ مکہ میں تو ان کی قبر بھی نہیں۔ غرض ایسی قابل شرم باتیں اور نہایت مکروہ جھوٹھ جنم ساکھیوں میں پائے جاتے ہیں۔ کہ جو نہ صرف منقول کے مخالف بلکہ عقل اور نقل دونوں کے مخالف ہیں۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ باوا صاحب کی وفات کے بعد بہت افترا اُن پر کئے گئے ہیں۔ اور ان افتراؤں کا وہی زمانہ تھا جبکہ باوا صاحب کے بعد بعض نا فہموں کے دلوں میں اسلام کے ساتھ کچھ تعصب پیدا ہو گئے تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جو باوا صاحب کے نقش قدم پر قائم نہ رہے اس لئے ان کو یہ مشکلیں پیش آئیں کہ وہ تمام امور جو باوا صاحب کے اسلام پر دلالت کرتے تھے اُن سب کی اُن کو تاویلیں کرنی پڑیں۔ مگر چونکہ علم تاریخ اور علم بلاد سے بکلی محروم تھے۔ اس لئے جس قدر انہوں نے جھوٹی تاویلیں کیں اسی قدر اُن کی دروغگوئی نہایت فضیحت کے ساتھ ثابت ہوئی اور وہ جھوٹھ مخفی نہ رہ سکا۔ بلکہ تاریخ دانوں اور جغرافیہ دانوں نے ان پر ٹھٹھا اڑایا اور اب تک اُڑاتے ہیں۔ اگر وہی جاہلیت کا زمانہ رہتا جو آج سے پچاس برس پہلے تھا۔ تو شاید یہ تمام نامعقول باتیں بعض سادہ لوحوں کی نظر میں قبول کے لائق ہوتیں۔ مگر اب زمانہ اُس طرز کا نہیں رہا اور معقولیت کی طرف بہت پلٹا کھا گیا ہے اور لوگوں کی نظریں باریک اور حقیقت شناس ہو گئی ہیں۔ اب ایسی باتوں کے ماننے کا وقت گذر گیا کہ باوا صاحب نے مدینہ میں بیٹھ کر بالا کی آنکھیں بند کرائیں تو وہ آنکھ بند کرتے ہی کیا دیکھتا ہے کہ پنجاب میں اپنے گاؤں میں بیٹھا ہے ان جنم ساکھیوں کے

اکثر بیانات صرف غیر معقول ہی نہیں بلکہ ان میں اس قدر تناقض ہے اور اس قدر بعض بیانات بعض سے متناقض پائی جاتی ہیں کہ ایک عقلمند کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ نہیں۔ کہ اس حصہ کو جو غیر معقول اور قریب قیاس باتوں سے متضاد ہے۔ پایہ اعتبار سے ساقط کرے۔ ہاں یہ بھی کہیں گے کہ جس قدر ان میں ایسا حصہ محفوظ ہے کہ نہ تو اس میں کوئی تناقض اور نہ غیر معقول باتیں ہیں اور نہ لاف وگزاف اور گپ کے طور پر کسی مبالغہ کی اس میں سے بُو آتی ہے وہ بیشک سوانح کی مد میں قبول کرنے کے لایق ہے اور یاد رہے کہ یہ تناقض اور اختلاف بیانات جیساکہ جنم ساکھیوں میں پایا جاتا ہے۔ یہی تناقض باوا صاحب کے ان اشعار میں بھی ہے جو آدگرنتھ میں موجود ہیں۔ جیساکہ پڑھنے والوں اور غور کرنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ اکثر حصہ باوا صاحب کے اشعار کا جو گرنتھ‡ میں موجود ہے قرآن شریف کی آیتوں کا

‡حاشیہ بعض کا یہ اعتراض ہے کہ باوا نانک صاحب گرنتھ میں تناسخ کے قایل ہیں۔ پھر کیوں کر ان کا مذہب اسلام ہو سکتا ہے۔ سو واضح ہو کہ ہمیں باوا صاحب کے کلمات کا بخوبی علم ہے اور ہم نے قریباً تیس برس تک یہ شغل رکھا ہے۔ باوا صاحب اس تناسخ کے ہرگز قایل نہیں جس کے آریہ قایل ہیں۔ جیساکہ وہ آپ فرماتے ہیں۔

اول اللہ نور اُپایا قدرت کے سب بندے ۔ اک نور سے سب جگ اُپجا کون بھلے کون مندے

یعنی خدا نے پہلے نور پیدا کیا اور پھر اسی نور سے تمام دنیا کو پیدا کیا پس یہ تفرقہ کیونکر ہو۔ کہ پیدایش کی رُو سے کوئی بھلا اور کوئی بُرا ہے۔ یعنے یہ کہنا کہ کوئی جزا کے طور پر پیدا ہوا۔ اور کوئی سزا کے طور پر یہ سراسر غلطی ہے کیونکہ سب نور سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ شعر باوا صاحب کا اواگون یعنے تناسخ کے رد میں ہے کیونکہ تناسخ میں یہ کہنا پڑتا ہے کہ نیک عمل والوں کو اچھا جنم ملا اور بدعملوں والوں کو بُرا جنم ملا لیکن حق بات یہ ہے جو باوا صاحب نے فرمائی کہ روحوں میں پیدائش کی رو سے نیک وبد کی تقسیم نہیں ہو سکتی ہاں اعلیٰ اور ادنیٰ کی تقسیم ہو سکتی ہے جیسے مثلاً کپڑے ایک ہی رنگ سے رنگے جائیں کوئی ہلکا رنگ اور کوئی

ترجمہ ہے یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ بجز چند اشعار کے جو الحاق اور جعلسازی کے طور پر باوا صاحب
کی طرف منسوب کئے گئے ہیں باقی کل اشعار جو باوا صاحب کے مُنہہ سے نکلے ہیں وہ قرآن مجید کی
متفرق آیتوں کے ترجمے ہیں ہم نے بہت فکر اور غور سے گرنتھ کو پڑھا ہے اور جہانتک انسانی
طاقت ہے خوب ہی سوچا ہے آخر نہایت صفائی سے یہ فیصلہ ہوا کہ باوا نانک صاحب نے قرآن

بقیہ حاشیہ بہت شوخ تو یہ غلطی ہوگی کہ رنگ کے لحاظ سے ان میں وہ مقابلہ ثابت کریں جو ضدوں میں ہوتا
ہے لیکن مراتب کے لحاظ سے ان میں باہم تفاوت ہو سکتا ہے یعنی ایک بہت شوخ رنگ ہے
اور ایک کم اور ایک اُس سے کم یہاں تک کہ ایک اس ادنیٰ مرتبہ پر ہے جس نے رنگ میں
سے بہت ہی کم حصہ لیا ہے سو ایسا شخص جو روحانی فیض کے رنگ سے کم حصہ رکھتا ہے اسی کو قرآنی اصطلاح
میں **شقی** کہتے ہیں اور جس نے کافی حصہ لیا اس کا نام **سعید** ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی پاک
کلام میں مخلوقات کو سعادت اور شقاوت کے دو حصوں پر تقسیم کر دیا ہے۔ مگر اُن کو حُسن
اور قبح کے دو حصوں پر تقسیم نہیں کیا اس میں حکمت یہ ہے کہ جو خدا تعالیٰ سے صادر ہوا اُس کو
بُرا تو نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس نے جو کچھ بنایا وہ سب اچھا ہے ہاں اچھوں میں مراتب ہیں پس
جو شخص اچھا ہونے کے رنگ میں نہایت ہی کم حصہ رکھتا ہے وہ حکمی طور پر بُرا ہے اور حقیقی طور پر
کوئی بھی بُرا نہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ میری مخلوق کو دیکھ کیا تو اس میں کوئی بدی پاتا ہے سو کوئی تاریکی
خدا تعالیٰ سے صادر نہیں ہوئی بلکہ جو نور سے دُور جا پڑا وہ مجازاً تاریکی کے حکم میں ہو گیا۔
باوا صاحب کے گرنتھ میں اس کا بہت بیان ہے اور ہر ایک بیان قرآن سے لیا گیا ہے۔ مگر
اس طرح نہیں کہ خشک تقلید کے لوگ لیتے ہیں۔ بلکہ سچی باتوں کو سُن کر باوا صاحب کی روح بول
اُٹھی کہ یہ سچ ہے پھر اس تحریک سے فطرت نے جوش مارا اور کسی پیرایہ میں بیان کر دیا۔ غرض باوا صاحب
تناسخ کے ہرگز قائل نہ تھے اور اگر قائل ہوتے تو ہرگز نہ کہتے کہ ہر ایک چیز خدا سے پیدا ہوئی
اور کوئی بھی چیز نہیں جو اس کے نور سے پیدا نہیں ہوئی۔ اور یاد رہے کہ باوا صاحب نے اپنے
اس قول میں بھی قرآنی آیت کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ یہ ہے اللہ نور السمٰوٰت والارض [۱]

[۱] النور: ۳۶

شریف کی آیتوں سے اپنے گرنتھ کو جمع کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن شریف کی بہت تلاوت کرتے تھے۔ اکثر مساجد میں جاتے اور صلحاء وقت سے قرآن سُنتے اور پھر قرآنی مضامین کو نظم میں لکھتے تا قوم کو ایک حکمت عملی کے ساتھ کلام الٰہی سے فائدہ پہنچا دیں۔ ہمارا ارادہ تھا کہ ہم اس رسالہ میں دکھلا دیں کہ کس عمدہ طور سے باوا صاحب نے جا بجا قرآنی آیات کا

بقیہ حاشیہ یعنی خدا ہی کے نور سے زمین و آسمان نکلے ہیں اور اسی کے نور کے ساتھ قایم ہیں۔ یہی مذہب حق ہے جس سے توحید کامل ہوتی ہے اور خداشناسی کے وسایل میں خلل نہیں ہوتا مگر جو شخص کہتا ہے کہ خدا خالق نہیں وہ گویا یہ کہتا ہے کہ خدا نہیں کیونکہ عام عقلیں خدا کو خدا کے کاموں سے پہچانتی ہیں پھر اگر خدا ارواح اور ذرات عالم کا خالق نہیں تو وسایل معرفت مفقود ہو جائیں گے یا ناقص ہو کر بے فائدہ ٹھہریں گے لیکن جس نے خدا کا خالق الارواح ہونا مان لیا وہ تناسخ کے مسئلہ کو کسی طرح مان نہیں سکتا کیونکہ جس خدا نے خالق ہونے کی حیثیت سے پہلی دنیا کو کمی بیشی کے ساتھ پیدا کیا یعنی کسی کو انسان بنایا کسی کو گھوڑا وغیرہ اور اس وقت یعنی ابتدا میں گذشتہ اعمال کا وجود نہ تھا کیونکہ خود روحیں نہ تھیں تو پھر اعمال کہاں سے ہوتے تو اس صورت میں وہ خدا جو اپنے اختیار سے برابر مخلوقات میں کمی بیشی کرتا آیا اب کیونکر وہ اعمال کے سوا کمی بیشی نہیں کر سکتا لہذا جو لوگ تناسخ یعنی اواگون کو مانتے ہیں۔ وہ جب تک تمام روحوں کو انادی اور غیر مخلوق قرار نہ دیں تب تک ممکن نہیں کہ تناسخ کا خیال بھی اُن کے دلوں میں آسکے کیونکہ جبکہ اُن کا یہ مذہب ہے کہ ہر یک روح اور ہر یک جسم مخلوق ہے تو اس صورت میں انہوں نے مان لیا کہ کمی بیشی خدا کے ارادہ سے ہے نہ کہ کسی گذشتہ عمل کی وجہ سے تو تناسخ جاتا رہا اور یہ بھی یاد رہے کہ تناسخ ماننے والے کسی طرح موحد نہیں ہو سکتے کیونکہ اُن کا تناسخ کا مسئلہ تبھی چلتا ہے جب ذرہ ذرہ کو قدیم اور غیر مخلوق اور انادی اور اپنے وجود کا آپ ہی خدا قرار دیدیں مگر کیا ایسا مذہب اس شخص کی طرف منسوب کر سکتے ہیں جو توحید کے دریا میں بڑے زور سے تیر رہا ہے اور کسی چیز کا وجود بجز وسیلہ قدرت کے خود بخود نہیں سمجھتا کیا وہ بزرگ جس کے چولے پر لکھا ہوا ہے کہ خدا تمام ارواح اور تمام موجودات

ترجمہ اپنے اشعار میں کیا ہے۔ مگر چونکہ یہ رسالہ مختصر ہے اس لئے ہم انشاء اللہ ایک مبسوط رسالہ میں اس کا مفصل بیان کریں گے بالفعل جس ذکر کو ہم نے ابھی چھیڑا تھا وہ یہ ہے کہ باوا صاحب کے اشعار میں کیوں اختلاف پایا جاتا ہے اور کیونکر فیصلہ کریں کہ متناقض اشعار میں سے بعض ان کی طرف سے اور بعض دوسروں کی طرف سے ہیں۔ سو ہم بیان کر چکے ہیں کہ اختلاف محض اس وجہ سے

بقیہ حاشیہ کا خالق ہے اس کی نسبت ایک سیکنڈ کیلئے بھی ہم گمان کر سکتے ہیں کہ نعوذ باللہ وہ اس گندے اعتقاد کو پسند کرتا تھا۔ دوسری یہ کہ اواگون کے لئے شرط ہے کہ کسی کو کبھی جاودانی مکتی نہ ہو اور ہمیشہ خواہ نخواہ مقدس لوگ بھی جونوں میں پھنسے رہیں یہانتک کہ ایک ایسا شخص بھی جو مثلاً ایک زمانہ میں ایک بڑا اوتار ہو چکا ہے اس اعتقاد کے رُو سے ممکن ہے کہ وہ کسی دوسرے زمانہ میں اواگون کے چکر میں آ کر نجاست کا کیڑا بن جائے اور یہ اعتقاد باوا نانک صاحب کا ہرگز نہیں بلکہ وہ تو **جاودانی مکتی** کے قایل ہیں۔ اور ان کا اعتقاد ایسا نہیں کہ پرمیشر ایک شخص کو قرب کی عزت دے کر اور اسی پر اس کی وفات کر کے پھر اس کو ذلیل کرے۔ تیسری یہ کہ باوا صاحب اِس بات کے قایل ہیں کہ خدا کریم اور رحیم ہے۔ اور توبہ قبول کرنے والا اور گنہ بخشنے والا اور **پروردگار** ہے اور یہ سب باتیں اواگون کے عقیدہ کے مخالف ہیں اور باوا صاحب نے صرف ان کو اپنے گرنتھ میں ہی بیان نہیں کیا بلکہ چولا صاحب میں قرآنی آیات کے حوالہ سے بار بار لکھ دیا ہے کہ خدا **غفور** اور **رحیم** اور **توّاب** اور اپنے **بندوں کو بخشنے والا** ہے۔ اور ہم باوا صاحب کے گرنتھ میں یہ مقامات نہ ایک جگہ بلکہ صد ہا جگہ پیش کر سکتے ہیں اور تمام عقلمند جانتے ہیں۔ اور آریوں کو بھی اس بات کا اقرار ہے کہ جو شخص یہ تینوں اسلامی عقیدے رکھتا ہو وہ ہرگز اواگون کا قائل نہیں ہو سکتا مگر اس صورت میں کہ دیوانہ یا پرلے درجہ کا جاہل ہو۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی بے ادبی نہیں ہوگی کہ نعوذ باللہ اواگون کو باوا صاحب کا عقیدہ ٹھہرا دیا جائے کیونکہ خدا کو خالق مان کر اور نجات کو ابدی سمجھ کر اور یہ اعتقاد رکھ کر کہ خدا گناہ

ہے کہ جو لوگ باوا صاحب سے بہت پیچھے آئے انہوں نے باوا صاحب کے قدم پر قدم نہیں رکھا اور انہوں نے مخلوق پرستی کی طرف دوبارہ رجوع کر دیا اور لوگوں کو دیویوں اور دیوتوں کی پرستش کے لئے رغبت دلائی اور نیز اسلام سے اُن کو تعصب ہو گیا اور دوسری طرف اُنہوں نے یہ دیکھا کہ باوا صاحب سراسر اسلام کی تائید کئے جاتے ہیں اور تمام باتیں اُن کی مسلمانوں کے

بقیہ حاشیہ بخش دیتا ہے پھر تناسخ کا قایل ہونا اسی شخص کا کام ہے جو پرلے درجہ کا جاہل ہو۔ جو اپنے کلام میں متناقض بیانوں کو جمع کرے اور اس پر اطلاع نہ رکھے۔ اس وقت گرنتھ ہمارے پاس موجود ہے اور نہ آج سے بلکہ تیس برس سے ہم باوا صاحب کے اصل عقاید کا پتہ لگانے کیلئے جہاں تک انسانی طاقت ہے خوض کر رہے ہیں اور ہماری کامل تحقیقات نے یہی فیصلہ دیا کہ باوا صاحب رحمۃ اللہ سچے مسلمان اور ایسے صادق تھے کہ اسلام کے انوار حاصل کرنے کے لئے ساری زندگی بسر کر دی ہر یک شخص اپنے منہ سے تو کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ باوا صاحب جیسا نمونہ دکھلانا مشکل ہے وہ اُن میں سے تھے جن کو خدا کا ہاتھ صاف کرتا رہا ہے خدا اُن کو دُور سے کھینچ لایا اور پھر دور تک آگے لے گیا۔ تیس برس کا عرصہ ہوا کہ مجھے صاف صاف مکاشفات کے ذریعہ سے اُن کے حالات دریافت ہوئے تھے۔ اگر میں جزماً کہوں تو شاید غلطی ہو مگر میں نے اُسی زمانہ میں ایک دفعہ عالم کشف میں اُن سے ملاقات کی یا کوئی ایسی صورتیں تھیں جو ملاقات سے مشابہ تھیں چونکہ زمانہ بہت گذر گیا ہے اس لئے اصل صورت اس کشف کی میرے ذہن سے فرو ہو گئی ہے۔ غرض باوا صاحب تناسخ کے قایل ہرگز نہیں تھے اور کوئی اس بات سے دھوکا نہ کھاوے کہ اُن کے بعض اشعار میں ایسے اشارات پائے جاتے ہیں کیونکہ اگر فرض کے طور پر چند اشعار پائے جائیں جن کی ہم تاویل نہ کر سکیں تو پھر ہم اُن کے اُن بہت سے اشعار کو جو قریباً اُن کا سارا گرنتھ ہے کہاں پھینک دیں جو تناسخ کے اصولوں کے مخالف ہیں اس لئے یا تو ہم اُن کی تاویلیں کریں گے اور یا الحاقی ماننا پڑے گا کیونکہ بزرگوں کی کلام میں تناقض روا نہیں ہم نے بہت دیکھا ہے اور تحقیق سے

کے رنگ میں ہیں اس لئے اُنہوں نے باوا صاحب کے اشعار میں اپنی طرف سے اشعار ملا دیئے جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان اشعار میں تناقض پیدا ہو گیا۔ مگر صاف ظاہر ہے کہ کسی سچیار اور عقلمند اور صاف دل انسان کی کلام میں ہرگز تناقض نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کوئی پاگل اور مجنوں یا ایسا منافق ہو کہ خوشامد کے طور پر ہاں میں ہاں ملا دیتا ہو۔ اسکا کلام بیشک متناقض ہو جاتا ہے۔ رہا یہ فیصلہ کہ ہم کیونکر ان تمام اشعار میں سے کھرے کھوٹے میں فرق کرسکیں اور کیونکر سمجھیں کہ ان میں سے یہ یہ اشعار باوا صاحب کے مُنہہ سے نکلے ہیں اور یہ یہ اشعار جو ان پہلے شعروں کی نقیض پڑے ہیں وہ کسی اور نے باوا صاحب کی طرف منسوب کر دیئے ہیں۔ تو واضح رہے کہ یہ فیصلہ نہایت آسان ہے چنانچہ طریق فیصلہ یہ ہے کہ ان تمام دلایل پر غور اور انصاف سے نظر ڈالی جاوے جو باوا صاحب کے مسلمان ہو جانے پر ناطق ہیں سو بعد غور اگر یہ ثابت ہو کہ وہ دلائل صحیح نہیں ہیں اور دراصل باوا صاحب ہندو ہی تھے اور وید کو مانتے تھے۔ اور اپنی عملی صورت میں اُنہوں نے اپنا اسلام ظاہر نہیں کیا بلکہ اسلام کی عداوت ظاہر کی تو اس صورت میں ہمیں اقرار کرنا پڑے گا۔ کہ جو کچھ باوا صاحب کی نسبت مسلمانوں کا یہ پورانا خیال چلا آتا ہے کہ درحقیقت وہ مسلمان ہی تھے اور پانچ وقت نماز بھی پڑھتے تھے اور حج بھی کیا تھا۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ اور اس صورت میں وہ تمام اشعار الحاقی مانے جائیں گے جو باوا صاحب کے اسلام پر دلالت

بقیہ حاشیہ

یہ فیصلہ لکھا ہے چاہیئے کہ کوئی جلدی سے انکار نہ کرے یہی سچ ہے اور ماننا پڑے گا۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ صوفی لوگ اسی زندگی میں ایک قسم کے اواگون کے قایل ہیں۔ اور ہر یک آن کو وہ ایک عالم سمجھتے ہیں اور نیز کہتے ہیں کہ انسان جب تک کمال تک نہیں پہنچتا وہ طرح طرح کے حیوانوں سے مشابہ ہوتا ہے اسی لئے اہل کشف کبھی انسان کو کتے کی صورت میں دیکھتے ہیں اور پھر دوسرے وقت میں بیل کی صورت پر اس کو پاتے ہیں۔ ایسا ہی صدہا صورتیں بدلتی رہتی ہیں اور مدت کے بعد انسان بنتا ہے تب جنموں کی پھانسی ٹوٹتی ہے۔ پس کیا تعجب کہ باوا صاحب کی بھی یہی مراد ہو ورنہ آریوں کے تناسخ سے باوا صاحب بھی منکر ہیں۔ ت

۹ کرتے ہیں اور ہم تسلیم کرلیں گے کہ شاید کسی مسلمان نے موقعہ پا کر گرنتھ میں داخل کر دیئے ہیں لیکن اگر دلایل قاطعہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ باوا صاحب نے اسلام کے عقاید قبول کر لئے تھے اور وید پر اُن کا ایمان نہیں رہا تھا تو پھر وہ چند اشعار جو باوا صاحب کے اکثر حصہ کلام سے مخالف پڑے ہیں جعلی اور الحاقی تسلیم کرنے پڑیں گے یا اُن کے ایسے معنے کرنے پڑیں گے جن سے تناقض دور ہو جائے اور ظاہر ہے کہ ایک دل سے دو متناقض باتیں نکل نہیں سکتیں۔ کیونکہ ایسے طریق سے یا انسان پاگل کہلاتا ہے یا منافق۔ پس بڑی بے ادبی ہوگی کہ متناقض باتوں کا مجموعہ باوا صاحب کی طرف منسوب کیا جائے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ باوا صاحب نے ایسے مسلمانوں اور قاضیوں مفتیوں کو بھی اپنے اشعار میں سرزنش کی ہو جنہوں نے اس حق اور حقیقت کو چھوڑ دیا جس کی طرف خدا تعالے کا کلام بلاتا ہے اور محض رسم اور عادت کے پابند ہو گئے چنانچہ قرآن شریف اور حدیث میں بھی ہے کہ ایسے نمازیوں پر لعنتیں ہیں جن میں صدق اور اخلاص نہیں اور ایسے روزے نری فاقہ کشی ہے جن میں گناہ ترک کرنے کا روزہ نہیں۔ سو تعجب نہیں کہ غافل مسلمانوں کے سمجھانے کے لئے اور اس غرض سے کہ وہ رسم اور عادت سے آگے قدم بڑھا دیں باوا صاحب نے بعض بے عمل مولویوں اور قاضیوں کو نصیحت کی ہو۔

اب ہم کھول کر لکھتے ہیں کہ ہماری رائے باوا نانک صاحب کی نسبت یہ ہے۔ کہ بلاشبہ وہ سچے مسلمان تھے اور یقیناً وہ وید سے بیزار ہو کر اور کلمہ طیبہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** سے مشرف ہو کر اُس نئی زندگی کو پا چکے تھے۔ جو بغیر خدا تعالےٰ کے پاک رسول کی پیروی کے کسی کو نہیں مل سکتی۔ وہ

ہندوؤں کی آنکھوں سے پوشیدہ رہے

اور پوشیدہ ہی چلے گئے اور اس کے

دلایل ہم ذیل میں لکھتے ہیں۔

دلیل اوّل۔ باوا نانک صاحب کا وصیّت نامہ جو سکھوں میں چولا صاحب کر کے مشہور ہے

یہ وصیت نامہ جس کو سکھ لوگ چولا صاحب کے نام سے موسوم کرتے ہیں بمقام ڈیرہ نانک جو ضلع گورداسپور پنجاب میں واقع ہے اس مکان گوردوارہ میں نہایت اعزاز اور اکرام سے رکھا ہوا ہے۔ جس کو کابلی مل کی اولاد نے جو باوا صاحب کے نسل میں سے تھا۔ خاص اس تبرک کے لئے بنوایا ہے۔ اور پہلا مکان جو چولا صاحب کے لئے بنوایا گیا تھا کہتے ہیں کہ اس پر کئی ہزار روپیہ سے کچھ زیادہ خرچ آیا تھا۔ غرض یہ چولا صاحب اس قدر عزت سے رکھا گیا ہے کہ دنیا میں بڑھکر اس سے متصور نہیں اور یہ ایک سوتی کپڑا ہے جو کچھ خاکی رنگ اور بعض بعض کناروں پر کچھ سرخی نما بھی ہے۔* سکھوں کی جنم ساکھی* کا یہ بیان ہے کہ اس میں تیس۳۰ سیپارہ قرآن شریف کے لکھے ہوئے ہیں۔ اور نیز وہ تمام اسماء الٰہی بھی اس میں مکتوب ہیں جو قرآن کریم میں ہیں۔ اور سکھوں میں یہ امر ایک متفق علیہ واقعہ کی طرح مانا گیا ہے کہ یہ چولا صاحب جس پر قرآن شریف لکھا ہوا ہے۔ آسمان سے باوا صاحب کے لئے اُترا تھا اور قدرت کے ہاتھ سے لکھا گیا اور قدرت کے ہاتھ سے سیا گیا اور قدرت کے ہاتھ سے باوا صاحب کو پہنایا گیا۔ یہ اشارہ اس بات کی طرف بھی تھا کہ اس چولا پر آسمانی کلام لکھا ہوا ہے۔ جس سے باوا صاحب نے ہدایت پائی۔ اور ہم نے ان بیانات پر پورا بھروسہ نہ کر کے خود اپنے خاص دوستوں کو اس کی پوری پوری تحقیقات کے لئے موقعہ پر بھیجا اور اُن کو تاکید سے کہا کہ کسی کے کہنے پر ہرگز اعتبار نہ کریں اور خود توجہ سے اپنے آنکھ سے اس کپڑے کو دیکھیں کہ اس پر کیا لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ قادیان سے روانہ ہو کر ڈیرہ نانک میں پہنچے اور اس موقعہ پر گئے۔ جہاں چولا کی زیارت کے لئے ایک مندر بنایا گیا ہے اور کابلی مل کی اولاد کو ملے۔ اور وہ لوگ خاطرداری اور تواضع سے پیش آئے

۳۲ * نوٹ۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ سُرخی اس زمانہ میں ڈالی گئی ہے کہ جب کچھ تعصب پیدا ہو گیا تھا غرض یہ تھی کہ وہ حروف مٹ جائیں مگر وہ حروف بھی ابتک پڑھنے کے لائق ہیں منہ * دیکھو اگلا صفحہ ضمیمہ

حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۴۴ و طبع اول ص۳۲

جنم ساکھی بھائی بالے والی

جو انگد کی جنم ساکھی کر کے مشہور ہے

صفحہ (۴۱۸)

ساکھی عرب دیش دے بادشاہ نال ہوئی

عرب کے بادشاہ کے ساتھ جو قصہ گذرا

ایک سمے مردانے سری گورو جی اگے متھا
ترجمہ - ایک زمانہ میں مردانہ نے گورو جی کے سامنے
ٹیکیا ارداس کیتی ہے سچے پادشاہ جی عرب دیش
ادب سے عرض کی اے سچے بادشاہ عرب کا ملک
کیسا ہے جی تاں سری گورو جی کہیا مردانیا توں
کیسا ہے سری گورو جی نے کہا مردانہ تو
ویکھنا ہے تاں تینوں دکھا لیاواں گے تاں پھر
دیکھنا چاہتا ہے تو تجھے دکھا دیں گے. تب پھر
گورو انگد جی سری گورو جی نے میرے تائیں آکھیا
گورو جی نے مجھے فرمایا
کیوں بھائی بالا مردانہ کی آکھدا ہے تاں میں آکھیا
کیوں بھئی مردانہ کیا مرضی ہے - میں نے عرض کی
گورو جی جو تساڈی رجائے تاں سری نانک بھی
جو آپ کی رضا ہو تب سری نانک صاحب

ਜਨਮਸਾਖੀ ਭਾਈ ਬਾਲੇ ਵਾਲੀ

ਪੰਨਾ ੪੧੮

ਸਾਖੀ ਅਰਬ ਦੇਸ਼ ਦੇ ਪਾਤਿਸਾਹ ਨਾਲ ਹੋਈ।

ਇਕ ਸਮੇਂ ਮਰਦਾਨੇ ਸ੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ ਅੱਗੇ ਮੱਥਾ ਟੇਕਿਆ ਅਰਦਾਸ ਕੀਤੀ ਹੇ ਸਚੇ ਪਾਤਸਾਹ ਜੀ ਅਰਬ ਦੇਸ਼ ਕੈਸਾ ਹੈ ਜੀ ਤਾਂ ਸ੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ ਕਹਿਆ ਮਰਦਾਨਿਆ ਤੂੰ ਦੇਖਦਾ ਹੈਂ ਤਾਂ ਤੈਨੂੰ ਦਿਖਾਇ ਲਿਆਵੀਏ ਗੇ ਤਾਂ ਫੇਰ ਗੁਰੂ ਅੰਗਦ ਜੀ ਸ੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ ਨੇ ਮੇਰੇ ਤਾਈਂ ਆਖਿਆ ਕਿਉਂ ਭਾਈ ਬਾਲਾ ਮਰਦਾਨਾ ਕੀ ਆਖਦਾ ਹੈ ਤਾਂ ਮੈਂ ਆਖਿਆ ਗੁਰੂ ਜੀ ਜੇ ਤੁਸਾਡੀ ਰਜ਼ਾਇ ਤਾਂ ਸ੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਨਾਨਕ ਜੀ ਉਥੋਂ ਜਾਂਦੇ ਅਰਬ ਦੇਸ ਵਿਚ ਜਾਇ

ਪ੍ਰਾਪਤ ਹੋਏ ਅੱਗੇ ਉਸੀ
ਦੇਸ ਦਾ ਪਾਤਿਸ਼ਾਹ ਲਾਜਬਰਦ
ਨਾਮ ਕਰਕੇ ਆਖੀਦਾ ਸੀ
ਅਤੇ ਬਹੁਤ ਜ਼ੁਲਮੀ ਕਰਦਾ
ਸੀ । ਪਰਜਾ ਦੇ ਲੋਕ ਵਡੇ
ਦੁਖੀ ਹੈਸਨ ਅਤੇ ਜੋ ਕੋਈ
ਹਿੰਦੁਸਤਾਨ ਦਾ ਉਸ ਮੁਲਕ
ਵਿਚ ਜਾਂਦਾ ਸੀ ਤਿਸ ਨੂੰ
ਗਰਦਨ ਮਰਵਾਉਂਦਾ ਸੀ
ਇਹ ਧੂੰਮ ਉਸ ਮੁਲਕ
ਵਿਚ ਪੈ ਰਹੀ ਸੀ ਜਦ
ਲੋਕ ਬਹੁਤ ਦੁਖੀ ਹੋਏ
ਤਾਂ ਸੱਚੇ
ਪਰਮੇਸ਼ਰ ਅੱਗੇ ਉਨ੍ਹਾਂ
ਪ੍ਰਾਰਥਨਾ ਕੀਤੀ, ਤਾਂ ਉਨ੍ਹਾਂ ਦੀ
ਬੇਨਤੀ ਸੱਚੇ ਦਰ ਕਬੂਲ ਹੋਈ
ਤਾਂ ਉਸ ਵਾਹਿਗੁਰੂ ਦੀ
ਦਰਗਾਹੋਂ ਸ੍ਰੀ ਬਾਬੇ ਨਾਨਕ
ਜੀ ਪ੍ਰਤੀ ਆਕਾਸ਼
ਬਾਣੀ ਹੋਈ ਹੇ ਨਾਨਕ ਤੇਰੇ
ਉਪਰ ਮੈਂ ਬਹੁਤ

اوتھوں جاندے جاندے عرب دیش وچ جائے
وہاں سے چل کر عرب کے ملک میں پہنچے
پراپت ہوئے اگے اسی دیش دا پادشاہ للج برد
اس ملک کے بادشاہ کا نام لاجورد
نام کرکے آکھی داسی اُتے بہت ظلمی کردا سی
مشہور تھا اور بہت ظلم کرتا تھا
پرجا دے لوگ وڈے دکھی ہیسن اُتے جو کوئی
رعیت بڑی تنگ تھی اور جو کوئی
ہندوستان دا اس ملک وچ جاندا سی تسنوں
ہندوستان سے اس ملک میں جاتا اُس کو
گردن مرواوندا سی ایہ دُھم اوس ملک وچ پے رہی
قتل کر دیا کرتا تھا۔ اس ملک میں یہی دھوم مچ رہی
سی جد لوک بہت دکھی ہوئے تاں سچے
تھی جب تمام لوگ بہت تنگ ہوئے تو
پرمیشر اگے اوہناں پرارتھنا کیتی تاں اوہناں دی
پرمیشر کے آگے عاجزی سے دعا کی تو ان کی عاجزی
بینتی سچے در کبول ہوئی تاں اوس واہگورو دی
کی دعا بارگاہ میں قبول ہوئی تب خدا کی بارگاہ سے
درگاہوں سری بابے نانک جی پرتی اکاش
بابے نانک جی کو آسمانی
بانی ہوئی ۔ ہے نانک تیرے اوپر میں بہت
ندا ہوئی اے نانک میں تجھ سے بہت

ਪ੍ਰਸੰਨ ਹਾਂ ਅਤੇ ਇਕ ਖਿਲਤ
ਤੇਰੇ ਤਾਈਂ
ਮਿਲਦੀ ਹੈ ਤਾਂ ਸ੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ
ਕਹਿਆ ਹੈ
ਨਿਰੰਕਾਰ ਜੀ ਜੋ ਆਪ ਦੀ
ਰਜ਼ਾਇ ਤਾਂ ਸ੍ਰੀ ਮਹਾਰਾਜ
ਅੰਤਰ ਧਿਆਨ ਹੋਇ ਕੇ ਸ੍ਰੀ
ਠਾਕੁਰ ਜੀ ਪਾਸ ਅਰਦਾਸ
ਕੀਤੀ ਤਾਂ ਇਕ ਖਿਲਤ ਹੱਥ
ਲਗਾ ਤਾਂ ਉਸ ਖਿਲਤੇ
ਉਪਰ ਕੁਦਰਤ ਦੇ ਅਖਰ ਲਿਖੇ
ਹੋਏ ਹੈਨ ਅਰਬੀ ਤੁਰਕੀ ਫਾਰਸੀ
ਹਿੰਦਵੀ ਸੰਸਕਿਰਤੀ ਇਹ ਪੰਜ
ਤਰਾਂ ਦੇ ਅਖਰ ਲਿਖੇ ਹੋਏ ਹੈਨ
ਤਾਂ ਸ੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ ਉਹ ਖਿਲਤਾ
ਪਹਿਨਕਰ ਉਸ ਸ਼ਹਿਰ ਦੇ ਦਰਵਾਜ਼ੇ
ਦੇ ਬਾਹਰ ਜਾਇ ਬੈਠੇ ਤਾਂ ਸਤ
ਦਿਨ ਗੁਜ਼ਰ ਗਏ ਤਾਂ ਲੋਕਾਂ
ਆਖਿਆ ਦੇਖੋ ਭਾਈ ਇਹ
ਕੈਸਾ ਦਰਵੇਸ਼ ਹੈ ਜਿਸ ਦੇ ਖਿਲਤੇ
ਉਪਰ ਕੁਦਰਤੀ ਕੁਰਾਨ ਦੇ ਤੀਹ
ਸਪਾਰੇ ਲਿਖੇ ਹੋਏ ਹੈਨ ਜਾਂ ਉਹ

پرسن ہاں استے ایک کھلت تیرے تائیں
خوش ہوں اور ایک خلعت تجھ کو عطا
ملدی ہے تاں سری گورو جی کہیا ہے
ہوتا ہے تب گورو جی نے عرض کیا کہ اے
نرنکار جی جو آپ دی رضائے تاں سری مہاراج
وحدہ لاشریک جو تیری رضا ہو تب گورو جی نے
انتردھیان ہوئیکے سری ٹھاکر جی پاس اسرداس کیتی تاں اک کھلت ہتھ
مراقب ہوکر خدا تعالےٰ کا شکریہ ادا کیا
لگاتاں اس کھلتے اوپر قدرت دے اکھر لکھے ہوئے ہیں عربی ترکی فارسی
تب ایک خلعت مرحمت ہوا - اور اُس خلعت
ہندی سنسکرتی ایہ پنج طرحدے اکھر لکھے ہوئے ہیں تاں سری
پہ قدرت کے حرف عربی ترکی فارسی ہندی سنسکرت
گوروجی اوکھلتا پہن کر اوس شہر دے دروازہ
لکھے ہوئے پانچوں قسم کے موجود تھے تب سری گوروجی وہ خلعت
دے باہر جائے بیٹھے - ست دن گجر گئے -
پہن کر اُس شہر کے دروازہ کے باہر جا بیٹھے ستّا دن گذرنے کے بعد
تاں لوکاں آکھیا دیکھو بھائی ایہ کیسا درویش
لوگوں نے کہا کہ بھائیو ایک ایسا درویش
ہے جو جسدے کھلتے اوپر قدرتی قرآن دے
بیٹھا ہے کہ جس کی خلعت پہ قدرتی قرآن کے
تیہ سپارے لکھے ہوئے ہین - جاں اونہاں
تیس سیپارے لکھے ہوئے ہیں جب اُن

ਲੋਕਾਂ ਚੰਗੀ ਤਰਾਂ ਦੇਖਿਆ
ਤਾਂ ਬਾਦਸ਼ਾਹ ਨੂੰ
ਜਾਇ ਕਰ ਖਬਰ ਦਿਤੀ ਕੇ
ਬਾਦਸ਼ਾਹ ਹਮਾਰੇ ਸ਼ਹਿਰ ਦੇ ਬਾਹਰ
ਇਕ ਦਰਵੇਸ਼ ਆਇ ਬੈਠਾ ਹੈ
ਉਸ ਦੇ ਗਲ ਵਿਚ ਇਕ
ਖਿਲਤਾ ਪਿਆ ਹੈ ਉਸ ਉਪਰ
ਤੀਹ ਸਪਾਰੇ ਕੁਰਾਨ ਦੇ ਲਿਖੇ
ਹੋਏ ਹੈਨ ਤਾਂ ਬਾਦਸ਼ਾਹ ਨੇ
ਵਜ਼ੀਰ ਨੂੰ ਆਖਿਆ
ਜਾਹ ਵਜ਼ੀਰ ਉਸ ਦਰਵੇਸ਼
ਦੇ ਗਲੋਂ ਖਿਲਤਾ ਉਤਾਰ
ਲਿਆ, ਤਾਂ ਵਜ਼ੀਰ ਨੇ ਜਾਇਕਰ
ਆਖਿਆ ਹੇ ਦਰਵੇਸ਼ ਇਹ ਖਿਲਤਾ
ਗਲੋਂ ਉਤਾਰ ਦੇਹ ਬਾਦਸ਼ਾਹ
ਮੰਗਦਾ ਹੈ ਬਾਦਸ਼ਾਹ ਦਾ ਹੁਕਮ
ਨਹੀਂ ਮੋੜਨਾ ਨਹੀਂ ਤਾਂ ਆਪ
ਕਉ ਦੁਖ ਦੇਵੇਗਾ। ਤਾਂ ਏਹ
ਬਾਤ ਸੁਣਕਰ ਸ੍ਰੀ ਬਾਬੇ ਜੀ
ਆਖਿਆ ਭਾਈ ਜੇ ਤੁਸਾਡੇ
ਪਾਸੋਂ ਉਤਰਦਾ ਹੈ ਤਾਂ ਉਤਾਰ
ਲੇਵੋ ਜਦ ਸ੍ਰੀ ਬਾਬੇ ਜੀ

لوکاں اچھی طرح دیکھیا تاں پادشاہ نوں
لوگوں نے غور سے دیکھا تو بادشاہ کو
جائیکر خبر دتی ہے پادشاہ ہمارے شہر دے باہر
خبر دی کہ اے بادشاہ ہمارے شہر کے باہر
اک درویش آئے بیٹھا ہے اوسدے گل وچ اک
ایک درویش ایسا بیٹھا ہے کہ جس کے گلے میں ایک
کھلتا پیا ہے اوس اپر تیہہ سپارہ قرآن دے لکھے
خلعت ہے اس خلعت پر تیس سپارے قرآن کے لکھے
ہوئے ہَن۔ تاں پادشاہ نے وزیر نوں آکھیا
ہوئے ہیں تب بادشاہ نے وزیر سے کہا
جا وزیر اوس درویش دے گلوں کھلتا اوتار لیا
کہ اس درویش کے جسم سے وہ خلعت اتار لاؤ
تاں وزیر نے جائیکر آکھیا ہے درویش ایہہ کھلتا
تب وزیر نے جا کر کہا کہ اے درویش یہ خلعت
گلوں اوتار دے بادشاہ منگدا ئے پادشاہ کا حکم
اتار کر ہمیں دے کہ ہمارا بادشاہ طلب کرتا ہے بادشاہ کی
نہیں موڑنا نہیں تاں آپ کو دکھ دلویگا۔ تاں ایہ
عدول حکمی نہیں چاہیئے ورنہ آپ کو سزا دیگا۔ تب یہ
بات سُن کر سری بابے جی آکھیا بھائی جی تساڈے
بات سُن کر سری باباجی نے کہا کہ اگر بھائیو تم سے
پاسوں اُتردا ہے تاں اوتار لیؤ جد سری بابے جی
اُتر سکتا ہے تو اوتار لو جب سری بابے نے

ਏਹ ਬਚਨ ਕੀਤਾ ਤਾਂ ਜਿਤਨੇ
ਵਜੀਰ ਨਾਲ ਨਫਰ ਸਨ ਸਭ
ਸ੍ਰੀ ਬਾਬੇ ਜੀ ਵਲ ਦੌੜੇ ਪਰ
ਓਹ ਕੁਦਰਤ ਦਾ ਖਿਲਤਾ
ਫੇਰ ਕੁਦਰਤ ਦਾ ਕਪੜਾ ਤੇ
ਕੁਦਰਤ ਨਾਲ ਸ੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ ਦੇ
ਗਲ ਪਾਇਆ ਹੈ ਨਿਰੰਕਾਰ
ਦੀ ਆਗਿਆ ਨਾਲ ਓਹ ਖਿਲਤਾ
ਕਿਸਤਰਾਂ ਏਨਾਂ ਜੀਵਾਂ ਝੁਠਿਆਂ
ਪਾਸੋਂ ਉਤਰੇ ਬਥੇਰਾ ਜਤਨ
ਕਰ ਰਹੇ ਨਾ ਖਿਚਿਆਂ ਲਹਿੰਦਾ
ਹੈ ਨਾ ਪਾੜਿਆਂ ਹੀ
ਲਹਿੰਦਾ ਹੈ ਤਾਂ ਸਭ ਲੋਕ
ਅਚਰਜ ਹੋਇ ਗਏ ਬਾਦਸ਼ਾਹ
ਦੇ ਪਾਸ ਸੁਨੇਹਾ ਭੇਜਿਆ ਕਿ
ਹੇ ਬਾਦਸ਼ਾਹ ਜੀ ਉਸ ਫਕੀਰ
ਦੇ ਗਲੋਂ ਖਿਲਤਾ ਨਹੀਂ ਉਤਰ
ਦਾ ਤਾਂ ਬਾਦਸ਼ਾਹ ਨੇ ਸੁਨਕਰ
ਬੜਾ ਕ੍ਰੋਧ ਕਰਕੇ ਆਖਿਆ
ਅਰੇ ਤੁਮ ਹਿੰਦੂ ਫਕੀਰ ਕੋ
ਦਰੀਆਉ ਮੇਂ ਡੋਬ ਦੇਹੁ ਤਾਂ
ਫੇਰ ਹੁਕਮ ਵਜ਼ੀਰ ਨੂੰ ਆਇਆ

ایہ بچن کیتا تاں جتنے وزیر نال نفرسن سب سری
ایہ فرمایا تو جس قدر لوگ وزیر کے ساتھ تھے سب کے سب
بابے جی ول دوڑے پر اوہو قدرت دا کھلتا
سری بابے جی کی طرف دوڑے لیکن وہ قدرتی خلعت
پھیر قدرت دا کپڑا تے قدرت نال سری گورو جی دے
اور قدرتی کپڑا اور قدرتی پہنایا ہوا
گل پایا ہے نرنکاروی آگیا نال او کھلتا کس طرح
وحدہٗ لاشریک کا عطیہ اُن
اہناں جیواں جھوٹھیاں پاسوں اُترے۔ بہتیرا
جھوٹے لوگوں سے کیونکر اُتر سکتا تھا بہت کچھ
جتن کر رہے نا کھینچیا لہندا ہے نا پاڑیاں ہی
جتن کیا نہ کھینچنے سے اُترا نہ پھاڑے سے پھٹ کر
لہندا ہے تاں سب لوک اچرج ہوئے گئے پادشاہ
اُترا تو سب لوگ حیران رہ گئے ۔ بادشاہ
دے پاس سنیہا بھیجا کہ ہے پادشاہ جی اوس فقیر
کے پاس اطلاع دی گئی کہ اے بادشاہ اوس فقیر
دے گلوں کھلتا نہیں اُتردا۔ تاں پادشاہ نے
کے گلے سے وہ خلعت نہیں اُترتا ہے۔ تب بادشاہ نے
سُنکر بڑا کرودھ کرکے آکھیا۔ ارے تم ہندو فقیر کو
سُنکر بہت سخت ناراض ہوکر کہا کہ تم اس فقیر کو دریا میں
دریا میں ڈوب دیو تاں پھیر حکم وزیر نوں آیا
ڈبو دو جب یہ حکم وزیر کے پاس آیا

ਗੁਰਮੁਖੀ	شاہمکھی / اردو
ਤਾਂ ਵਜ਼ੀਰ ਨੇ ਨਫਰਾਂ ਤਾਈਂ	تاں وزیر نے نفراں تائیں کہیا اس فقیر نوں
ਕਹਿਆ ਇਸ ਫਕੀਰ ਨੂੰ	تب وزیر نے لوگوں سے کہا کہ اس فقیر کو
ਦਰੀਆਉ ਮੇਂ ਡੋਬ ਦੇਹੋ ਤਾਂ	دریاؤمیں ڈوب دیہو تاں اوہناں لوکاں نے
ਉਨਾਂ ਲੋਕਾਂ ਨੇ	دریا میں غرق کر دو تب اُن لوگوں نے
ਸ੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ ਕਉ ਦਰੀਆਉ	سری گوروجی کو دریا میں ڈوب دیا اتے ہور سب لوک
ਮੇਂ ਡੋਬ ਦੀਆ ਅਤੇ ਸਭੀ	سری گوروجی کو دریا میں دھکیل دیا اور سب لوگ
ਲੋਕ ਤਮਾਸ਼ਾ ਦੇਖ ਰਹੇ ਥੇ ਤਾਂ ਸ੍ਰੀ	تماشا دیکھ رہے تھے تاں سری بابے جی دا گل دا کھلتا
ਬਾਬੇ ਜੀ ਦੇ ਗਲ ਦਾ ਖਿਲਕਾ	تماشا دیکھ رہے تھے۔ تو سری بابے جی کا گلے کا خلعت
ਭਿੱਜਾ ਭੀ ਨਾਹੀਂ ਤੇ ਮਹਾਰਾਜ ਦੇ	بِھجا بھی ناہیں تے مہاراج کو جل نے سپرش وی نہیں کیا
ਜਲ ਨੇ ਸਪਰਸ਼ ਵੀ ਨਹੀਂ ਕੀਆ	بھیگا بھی نہ تھا اور پانی کا اثر بھی نہ پہنچا تھا جو پانی کے
ਅਤੇ ਵਰਨ ਦੇਵਤਾ ਸ੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ	اور برن دیوتا سری گوروجی کو دوہاں ہتھاں اوپر اُٹھا لیا
ਕਉ ਦੋਨਾਂ ਹਥਾਂ ਉਪਰ ਉਠਾਇ	موکل لینے فرشتہ نے سری گوروجی کو دونو ہاتھوں پر تھام لیا
ਲੀਆ ਅਤੇ ਸ੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਨੂੰ ਚਰਨ	اتے سری گورو نوں چرن بندنا کیتی اتے کنارے اوپر
ਬੰਦਨਾ ਕੀਤੀ ਅਤੇ ਕਿਨਾਰੇ ਉਪਰ	اور سری گوروجی کے قدم چوم کر صحیح و سلامت کنارہ پر
ਬੈਠਾਇ ਦਿੱਤਾ ਤਾਂ ਉਹ ਲੋਕ ਦੇਖ	بٹھائے دتا۔ تاں اوہ لوک دیکھ کر سری بابے جی کو
ਕਰ ਸ੍ਰੀ ਬਾਬੇ ਜੀ ਕਉ	بٹھائے دیا۔ تب وہ لوگ سری باباجی کو دیکھ کر متعجب
ਅਚਰਜ ਹੋਇ ਗਏ ਤਾਂ	اچرج ہوئے گئے تاں پادشاہ نوں خبر گئی کہ درویش
ਬਾਦਸ਼ਾਹ ਨੂੰ ਖਬਰ ਗਈ ਕੇ ਦਰ-	ہوئے پھر بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ وہ درویش
ਵੇਸ਼ ਤਾਂ ਦਰੀਆਉ ਵਿਚ ਡੁਬਾ	تاں دریاؤ وچ ڈبا نہیں تاں پھیر پادشاہ کرودھ کر کے
ਨਾਹੀਂ ਤਾਂ ਫੇਰ ਬਾਦਸ਼ਾਹ ਕ੍ਰੋਧਵਾਨ	دریا میں نہیں ڈوبا پھر بادشاہ نے غضب ناک ہو کر
ਨੇ ਕਹਿਆ ਇਸ ਫਕੀਰ ਕਉ	کہیا اس فقیر کو اگن میں جلائے دیو تاں وزیر نے
ਅਗਨਿ ਮੇਂ ਜਲਾਇ ਦੇਵੋ ਤਾਂ ਵਜ਼ੀਰ ਨੇ	کہا کہ اس فقیر کو آگ میں جلا دو تب وزیر نے

ਗੁਰਮੁਖੀ	اردو
ਵਡੇ ਵਡੇ ਲੱਕੜ ਇਕੱਠੇ ਕਰਕੇ	بڑے بڑے لکڑے اکٹھے کر کے سری گورو جی دے
ਸ੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ ਦੇ	بڑے بڑے لکڑے جمع کر کے سری گورو جی کے
ਦਵਾਲੇ ਜੋੜ ਉੱਤੇ ਅਤੇ ਅੱਗ	دوالے جوڑ دتے اتے اگ لگائے دتی تان
ਲਗਾਇ ਦਿੱਤੀ, ਤਾਂ	اردگرد چنے پھر آگ لگا دی تب
ਬਸੰਤਰ ਦੇਵਤੇ ਸ੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ ਦੇ	بسنتر دیوتے سری گورو جی کے چرنا پر نمشکار آئے
ਚਰਣਾਂ ਪਰ ਨਮਸਕਾਰ ਆਇ	موکل آتش یعنی فرشتہ نے سری گورو جی کے قدموں پر
ਕੀਤੀ ਅਤੇ ਕਹਿਓਸੁ ਮਹਾਰਾਜ	کیتی اتے کیہوس مہاراج دے سریر کا ایک لون
ਦੇ ਸਰੀਰ ਦਾ ਇਕ ਲੂੰ	جھک کر یہ عرض کی کہ آپ کے جسم کا ایک بال بھی
ਭੀ ਨਾਹੀ ਸੜਿਆ ਪਰ ਸਭ	بھی ناہی سڑیا پر سب لکڑیاں جل کر راکھ ہو گئیان
ਲਕੜੀਆਂ ਜਲਕਰ ਰਾਖ ਹੋਇ	نہیں جلا لیکن سب لکڑیاں جل کر راکھ ہو گئیں
ਗਈਆਂ ਤਾਂ ਲੋਕ ਦੇਖ ਕਰ ਹੈਰਾਨ	تاں لوک دیکھ کر حیران ہوئے گئے تاں ایہ بات
ਹੋਇ ਗਏ ਤਾਂ ਇਹ ਬਾਤ	تب لوگ دیکھ کر حیران ہو گئے پھر ایہ خبر
ਪਾਤਸ਼ਾਹ ਨੇ ਸੁਣੀ ਤਾਂ ਲਗਾ	بادشاہ نے سنی تاں لگا کہن کہ ایہ فقیر کوئی چیٹکی ہے
ਕਹਿਣ ਇਹ ਫ਼ਕੀਰ ਕੋਈ ਚੇਟਕੀ	بادشاہ نے سنی اور کہنے لگا کہ یہ فقیر کوئی چٹکلے دکھانیوالا ہے
ਹੈ ਪਰ ਇਸ ਨੂੰ ਕਿਸੇ ਵਡੇ ਅਸ-	پر اس نوں کسے وڈے استان اوتے ڈیگ دیوو تاں پھیر وزیر نے
ਥਾਨ ਉੱਤੋਂ ਡੇਗ ਦੇਵੋ ਤਾਂ ਫੇਰ	لیکن اس کو کسی بڑی اونچی جگہ سے گرا دو تب وزیر نے
ਵਜ਼ੀਰ ਨੇ ਸ੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ ਨੂੰ ਵਡੇ	سری گورو جی کو بڑے اوچے پربت اوتوں بابے جی کو
ਉਚੇ ਪਰਬਤ ਉੱਤੋਂ ਬਾਬੇ ਜੀ ਨੂੰ	سری گورو جی کو بڑے اونچے پہاڑ سے نیچے گرا دیا
ਡੇਗ ਦਿਤਾ ਜਦ ਸ੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ	ڈیگ دتا جد سری گورو جی ڈگے تاں پون دیوتا نے
ਡਿੱਗੇ ਤਾਂ ਪਉਣ ਦੇਵਤੇ ਨੇ	جب سری گورو جی نیچے گرے تو موکل ہوا یعنی فرشتے نے
ਸ੍ਰੀ ਬਾਬੇ ਜੀ ਨੂੰ ਆਪਣੇ ਹੱਥਾਂ	سری بابے جی کو اپنے ہتھاں اوپر بہان وچ بٹھائیکے
ਉਪਰ ਬਿਠਾਇ ਇਕ ਬੰਗਲੇ ਦੇ	سری بابا جی کو اپنے ہاتھوں پر بٹھا کر ایک ہنڈولے میں بٹھا کر

ਜ਼ਮੀਨ ਉਪਰ ਲਿਆਇ ਕਰ ਬੈਠਾਇ	زمین اوپر لیائے کر بٹھا دتا پر اوتھے بڑی سُندر پھولوں
ਦਿਤਾ ਪਰ ਉਥੇ ਬੜੀ ਸੁੰਦਰ	زمین پر لا اوتارا پھر وہاں بہت خوبصورت پھولوں کی
ਫੁਲੋਂ ਦੀ ਸਿਜਾ ਤੇ ਆਇ	کی سجا تے آئے بیٹھے تاں اس ملک دے سب لوک
ਬੈਠੇ ਤਾਂ ਉਸ ਮੁਲਖ ਦੇ ਸਭ ਲੋਕ	سیج پر آ بیٹھے اور اس ملک کے سب لوگ وہاں
ਉਥੇ ਖੜੇ ਸਨ ਦੇਖਕਰ ਭੈਭੀਤ	اوتھے کھڑے سن دیکھ کر بے ہیبت ہو گئے تاں وزیر نے
ਹੋਇ ਗਏ ਤਾਂ ਵਜ਼ੀਰ ਨੇ	کھڑے تھے دیکھ کر بھیانک ہو گئے تب وزیر نے
ਪਾਤਸ਼ਾਹ ਨੇ ਜਾਇਕਰ ਕਹਿਆ	پاتشاہ کو جا کر کہیا جی اوہ تاں فقیر اجے بھی جندہ ہے
ਜੀ ਓਹ ਤਾਂ ਫਕੀਰ ਅਜੇ ਭੀ	خود بادشاہ کو جا کر کہا کہ وہ فقیر اب تک بھی زندہ ہے
ਜਿੰਦਾ ਹੈ ਤਾਂ ਪਾਤਸ਼ਾਹ ਨੇ ਕਹਿਆ	تاں پاتشاہ نے کہیا ارے وزیر ایہ تاں فقیر کوئی چیٹکی ہے
ਅਰੇ ਵਜ਼ੀਰ ਏਹ ਤਾਂ ਫਕੀਰ	تو بادشاہ نے کہا کہ اے وزیر یہ فقیر کوئی چٹکلے باز ہے
ਕੋਈ ਚੇਟਕੀ ਹੈ ਪਰ ਬੜਾ	پر تسیں بڑا ڈونگا کھاتا کڈھ کر اُس وِچ اس نوں پائے کر اوتوں
ਡੂੰਘਾ ਖਾਤਾ ਖੁਦਾ ਕਰ ਉਸ ਵਿਚ	لیکن تم کوئی گہری گڑھا کھود کر اور اس میں اسے ڈال کر اُوپر سے
ਇਸ ਨੂੰ ਪਾਇਕਰ ਉਤੋਂ ਪਥਰਾਂ ਸੇ	پتھراں سے سنگسار کرو۔ تاں وزیر نے ایک بڑا بھاری
ਸੰਗਸਾਰ ਕਰੋ ਤਾਂ ਵਜ਼ੀਰ ਨੇ ਇਕ	پتھر چوٹ کرو تب وزیر نے ایک بڑا بھاری
ਬੜਾ ਭਾਰੀ ਖਾਤਾ ਖੁਦਵਾਇਕਰ	کھاتا کھڈوائیکر اوس وِچ سری گورو جی کو پائیکر اوپر تے
ਉਸ ਵਿਚ ਸ੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ ਨੂੰ ਪਾਇਕਰ	گہرا کھتہ کھود کر سری گورو جی کو اس میں ڈال کر اُوپر
ਉਪਰ ਤੇ ਪਥਰਾਂ ਦੀ ਮਾਰ ਕੀਤੀ ਤਾਂ	پتھراں کی مار کیتی تاں سری گورو جی کو ہجاراں منّاں دے
ਸ੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਜੀ ਨੂੰ ਹਜ਼ਾਰਾਂ ਮਣਾਂ ਦੇ	پتھروں کی بھرمار کی اور سری گورو جی کو ہزاروں من پتھروں
ਪਥਰਾਂ ਨਾਲ ਦਬਾਇ ਕੇ ਸਭ ਆਪੋ	پتھراں نال دبائیکے سب اپوا اپنے گھر چلے گئے تاں پچھیں جو
ਆਪਣੇ ਘਰ ਨੂੰ ਚਲੇ ਗਏ ਤਾਂ ਪਿਛੋਂ	سے دبا کر سب اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ اور جن لوگوں نے
ਜੋ ਲੋਕਾਂ ਉਨਾਂ ਨੂੰ ਪੁਛਿਆ ਭਾਈ	لوکاں اوہناں نوں پوچھیا بھائی کیکر ہوئی تاں اوہناں
ਕੀ ਕਰ ਹੋਈ ਤਾਂ ਉਨਾਂ ਨੇ	اُن سے دریافت کیا کہ کیا قصہ گزرا تب اونہوں نے

اور اُن کو چولہ دکھلایا گیا اور انہوں نے کلمہ طیبہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ چولہ پر لکھا ہوا دیکھا اور ایسا ہی کئی اور آیات دیکھیں اور واپس آکر تمام حال ہمیں سُنایا۔ لیکن ہم نے اُن کے بیان پر بھی اکتفا نہ کیا۔ اور سوچا کہ باوا نانک کی اسلام کے لئے یہ ایک عظیم الشان گواہی ہے اور ممکن ہے کہ دوسروں کی روایتوں پر تحقیق پسند لوگوں کو اعتماد نہ ہو اور یا آئندہ آنیوالی نسلیں اُس سے تسلی نہ پکڑ سکیں اس لئے یہ قرین مصلحت معلوم ہوا کہ آپ جانا چاہیئے تا صرف شنید پر حصر نہ رہے اور اپنی ذاتی رویت ہو جائے چنانچہ ہم بعد استخارہ مسنونہ تیس ستمبر ۱۸۹۵ء کو پیر کے دن ڈیرہ نانک کی طرف روانہ ہوئے اور قریباً دس بجے پہنچ کر گیارہ بجے چولا صاحب کے دیکھنے کے لئے گئے۔ اور ایک جماعت مخلص دوستوں کی میرے ساتھ تھی۔ جو چولا صاحب کے دیکھنے میں میرے شریک تھی۔ اور وہ یہ ہیں۔

(۱) اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب بھیروی
(۲) اخویم مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی
(۳) اخویم مولوی محمد احسن صاحب امروہی
(۴) اخویم شیخ رحمت اللہ صاحب گجراتی
(۵) اخویم منشی غلام قادر صاحب فصیح سیالکوٹی
(۶) اخویم میرزا ایوب بیگ صاحب کلانوری
(۷) اخویم شیخ عبدالرحیم صاحب نومسلم
(۸) اخویم میر ناصر نواب صاحب دہلوی
(۹) سید محمد اسمٰعیل دہلوی
(۱۰) شیخ حامد علی تھہ غلام نبی

چنانچہ ایک مخلص کی نہایت درجہ کی کوشش اور سعی سے ہم کو دیکھنے کا وہ موقعہ ملا کہ اس جگہ کے لوگوں کا بیان ہے کہ جہانتک یاد ہے ایسا موقع کسی کو بھی نہیں ملا یعنی یہ کہ چولا صاحب کی تمام تحریرات پر ہمیں اطلاع ہو گئی اور ہمارے لئے وہ بہت ہی اچھی طرح کھولا گیا۔ اِس پر تین سَو ۳۰۰ کے قریب یا کچھ زیادہ رومال لپیٹے ہوئے تھے اور بعض ان میں سے بہت نفیس اور قیمتی تھے۔

٭ **نوٹ** وہ میرے دوست جو مجھ سے پہلے میرے ایما سے ڈیرہ نانک میں گئے اور چولہ صاحب کو دیکھ کر آئے اُن کے نام یہ ہیں (۱) مرزا یعقوب بیگ صاحب کلانوری (۲) منشی تاج دین صاحب اکونٹنٹ دفتر ریلوے لاہور (۳) خواجہ کمال الدین صاحب بی اے لاہور (۴) میاں عبدالرحمٰن صاحب لاہوری۔ اور مرزا یعقوب بیگ نے چولہ دکھانے والوں کو ایک روپیہ بھی دیا تھا۔ منہ

کچھ تو ریشمی رومال تھے اور کچھ سوتی اور بعض پشمینہ کے تھے اور بعض پشمینہ کے شال اور ریشمی کپڑے
ایسے تھے کہ اُن کی بُنت میں کچھ لکھا ہوا تھا اس غرض سے کہ تا معلوم ہو کہ یہ فلاں راجہ یا امیر نے
چڑھائے ہیں ان رومالوں سے جو ابتدا سے ہی چڑھنے شروع ہو گئے۔ یہ یقین کیا جاتا ہے۔ کہ جو
کچھ اس چولہ کی اب تعظیم ہوتی ہے وہ صرف اب سے نہیں بلکہ اسی زمانہ سے ہے کہ جب باوا نانک
صاحب فوت ہوئے۔ غرض جب ہم جا کر بیٹھے تو ایک گھنٹہ کے قریب تک تو یہ رومال ہی اُترتے
رہے۔ پھر آخر وہ کپڑہ نمودار ہو گیا جو چولا صاحب کے نام سے موسوم ہے۔ درحقیقت یہ نہایت
مبارک کپڑہ ہے جس میں بجائے زری کے کام کے آیات قرآنی لکھی ہوئی ہیں۔ چنانچہ ہم
نے اس کپڑہ کا نقشہ اسی رسالہ میں لکھ کر ان تمام قرآنی آیات کو جا بجا دکھلا دیا ہے۔ جو
اس کپڑے پر لکھی ہوئی ہم نے دیکھی ہیں۔ اس وقت یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کپڑے کے کھلانیکے وقت
دکھلانیوالوں کو کچھ شرم سی دامنگیر ہو جاتی ہے اور وہ حتی المقدور نہیں چاہتے کہ اصل حقیقت سے
لوگ اطلاع پا جائیں کیونکہ جو عقیدہ باوا صاحب نے اُس کپڑہ یعنی چولا صاحب کی تحریروں میں ظاہر کیا
ہے وہ ہندو مذہب سے بکلی مخالف ہے اور اسی وجہ سے جو لوگ چولا صاحب کی زیارت کرتے ہیں
وہ بڑی احتیاط رکھتے ہیں اور اگر کوئی اصل بھید کی بات دیکھنا چاہے تو اُن کا دل پکڑا جاتا ہے مگر چونکہ
ناخواندہ محض ہیں اس لئے کچھ طمع دینے سے دکھلا دیتے ہیں اور ہم نے جب دیکھنا چاہا تو اول اُنہوں نے
صرف لپیٹا ہوا کپڑا دکھایا۔ مگر کچھ تھوڑا سا کنارہ اندر کی طرف کا نمودار تھا۔ جس کے حرف مٹے ہوئے تھے اور
پشت پر ایک اور باریک کپڑا چڑھا ہوا تھا اور اس کی نسبت بیان کیا گیا کہ یہ وہ کپڑا ہے کہ جس کو
ارجن صاحب کی بیوی نے اپنے ہاتھ سے سوت کات کر اور پھر بُنوا کر اس پر لگایا تھا اور بیان کرنے
والا ایک بڈھا بیدی باوا صاحب کی اولاد میں سے تھا جو چولا کو دکھلا رہا تھا۔ اور اُس نے یہ
بھی کہا کہ جو کچھ اس پر لکھا ہوا ہے وہ انسان کا لکھا ہوا نہیں بلکہ قدرت کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے۔
تب ہم نے بہت اصرار سے کہا کہ وہ قدرتی حروف ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔ جو خاص پرمیشر کے ہاتھ کے
ہیں اور اسی لئے ہم دُور سے آئے ہیں تو پھر اُس نے تھوڑا سا پردہ اٹھایا جس پر بسم اللہ الرحمن الرحیم

نہایت خوشخط قلم سے لکھا ہوا تھا اور پھر اُس بڈھے نے چاہا کہ کپڑے کو بند کرلے مگر پھر اس سے بھی زیادہ اصرار کیا گیا اور ہر ایک اصرار کرنے والا ایک معزز آدمی تھا اور ہم اس وقت غالباً بیس کے قریب آدمی ہوں گے اور بعض اسی شہر کے معزز تھے جو ہمیں ملنے آئے تھے۔ تب اُس بڈھے نے ذرا سا پھر پردہ اُٹھایا۔ تو ایک گوشہ نکلا جس پر موٹے قلم سے بہت جلی اور خوشخط لکھا ہوا تھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پھر اُس بڈھے نے بند کرنا چاہا مگر فی الفور اخویم شیخ رحمت اللہ صاحب گجراتی نے مبلغ تین روپیہ اُس کے ہاتھ پر رکھ دیئے جن میں سے دو ؎ روپیہ اُن کے اور ایک ؎ روپیہ مولوی محمد احسن صاحب کی طرف سے تھا اور شیخ صاحب پہلے اس سے بھی چار ؎ روپیہ دے چکے تھے۔ تب اس بڈھے نے ذرہ اور پردہ اُٹھایا۔ یک دفعہ ہماری نظر ایک کنارہ پر جا پڑی جہاں لکھا ہوا تھا ان الدین عند اللہ الاسلام یعنی سچا دین اسلام ہی ہے اور کوئی نہیں۔ پھر اس بڈھے میں کچھ قبض خاطر پیدا ہوگئی تب پھر شیخ صاحب نے فی الفور دو ؎ روپیہ اور اُس کے ہاتھ پر رکھدیئے یہ دو روپیہ اخویم مولوی حکیم نوردین صاحب کی طرف سے تھے اور پھر اُس کے خوش کرنے کے لئے شیخ صاحب نے چار روپیہ اور اپنی طرف دیئے اور ایک روپیہ اور ہمارے ایک اور مخلص کی طرف سے دیا۔ تب یہ چودان ؎ روپیہ پاکر وہ بڈھا خوش ہوگیا اور ہم بے تکلف دیکھنے لگے۔ یہانتک کہ کئی پردے اپنے ہاتھ سے بھی اُٹھا دیئے۔ دیکھتے دیکھتے ایک جگہ یہ لکھا ہوا نکل آیا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہ۔ پھر شیخ رحمت اللہ صاحب نے اتفاقاً دیکھا کہ چولہ کے اندر کچھ گرد و غبار سا پڑا ہے۔ اُنہوں نے تب بڈھے کو کہا کہ چولہ کو اس گرد سے صاف کرنا چاہیئے لاؤ ہم ہی صاف کر دیتے ہیں یہ کہہ کر باقی تہیں بھی اُٹھا دیں۔ اور ثابت ہوگیا ہے کہ تمام قرآن ہی لکھا ہے اور کچھ نہیں۔ کسی جگہ سورۃ فاتحہ لکھی ہوئی ہے اور کسی جگہ سورۃ اخلاص اور کسی جگہ قرآن شریف کی یہ تعریف تھی کہ قرآن خدا کا پاک کلام ہے اس کو ناپاک لوگ ہاتھ نہ لگاویں۔ معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے اسلام کے لئے باوا صاحب کا ایسا سینہ کھول دیا تھا کہ اللہ رسول کے عاشق زار ہوگئے تھے۔ غرض باوا صاحب کے اس چولہ سے نہایت قوی روشنی اس بات پر پڑتی ہے کہ وہ دین اسلام

نہایت ہی فدا ہو گئے تھے اور وہ اس چولہ کو اسی غرض سے بطور وصیت چھوڑ گئے تھے کہ
تا سب لوگ اور آئندہ والی نسلیں اُن کے اندرونی حالت پر زندہ گواہ ہوں اور ہم نہایت افسوس
کے ساتھ لکھتے ہیں کہ بعض مفتری لوگوں نے یہ کیسا جھوٹھ بنا لیا کہ چولے پر سنسکرت
اور شاستری لفظ اور زبور کی آیتیں بھی لکھی ہیں۔ یاد رہے کہ یہ بالکل جھوٹھ اور سخت مکروہ افترا پردازی
ہے اور کسی شریر انسان کا کام ہے نہ بھلے مانس کا۔ ہم نے بار بار کھول کے دیکھ لیا تمام چولہ پر
قرآن شریف اور کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت لکھا ہوا ہے اور بعض جگہ آیات کو صرف ہندسوں میں
لکھا ہوا ہے مگر زبور اور سنسکرت کا نام ونشان نہیں ہر یک جگہ قرآن شریف اور اسماء الٰہی
لکھے ہیں جو قرآن شریف میں ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ جھوٹھ صرف اس لئے بنایا گیا کہ تا لوگ یہ سمجھ
جاویں کہ چولا صاحب پر جیسا کہ قرآن شریف لکھا ہوا ہے وید بھی لکھا ہوا ہے مگر ہم بجز اس کے کیا کہیں کہ
لعنت اللہ علی الکاذبین۔ باوا صاحب تو چولے میں صاف گواہی دیتے ہیں کہ بجز دین اسلام
کے تمام دین جھوٹے اور باطل اور گندے ہیں۔ پھر وہ وید کی تعریف
اس میں کیوں لکھنے لگے۔ چولا موجود ہے جو شخص چاہے جا کر دیکھ لے۔ اور ہم تین ہزار روپیہ نقد
بطور انعام دینے کے لئے طیار ہیں اگر چولہ میں کہیں وید یا اُس کی شرتی کا ذکر بھی ہو یا بجز اسلام
کے کسی اور دین کی بھی تعریف ہو یا بجز قرآن شریف کے کسی اور کتاب کی بھی آیتیں لکھی
ہوں۔ ہاں یہ اقرار ہمیں کرنا مناسب ہے کہ چولا صاحب میں یہ صریح کرامت ہے کہ باوجودیکہ وہ ایسے شخصوں
کے ہاتھ میں رہا جن کو اللہ و رسولؐ پر ایمان نہ تھا اور ایسی سلطنت کا زمانہ اُس پر آیا جس میں تصب انتہا تک
بڑھ گئے تھے کہ بانگ دینا بھی قتل عمد کے برابر سمجھا جاتا تھا مگر وہ ضائع نہیں ہوا۔ تمام مغلیہ سلطنت
بھی اس کے وقت میں ہی ہوئی اور اسی کے وقت میں ہی نابود ہو گئی مگر وہ ابتک موجود ہے اگر خدا تعالیٰ
کا ہاتھ اس پر نہ ہوتا تو ان انقلابوں کے وقت کب کا نابود ہو جاتا مقدر تھا کہ وہ ہمارے زمانہ تک رہے
اور ہم اس کے ذریعہ سے باوا صاحب کی عزت کو بے جا الزاموں سے پاک کریں اور ان کا اصل مذہب
لوگوں پر ظاہر کر دیں۔ سو ہم نے چولہ کو ایسے طور سے دیکھا کہ غالباً کسی نے بھی ایسا دیکھا نہیں ہوگا کیونکہ

نہ صرف ظاہری نظر سے کامل طور پر دیکھا بلکہ باطنی نظر سے بھی دیکھا اور وہ تمام پاک کلمات جو عربی میں لکھے تھے جن کو ہر یک سمجھ نہیں سکتا وہ ہم نے پڑھے اور اُن سے نہایت پاک نتائج نکالے سو یہ دیکھنا ہم سے پہلے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ اس وقت تک چولہ باقی رہنے کی یہی حکمت تھی کہ وہ ہمارے وجود کا منتظر تھا۔

بعض لوگ انگد کے جنم ساکھی کے اس بیان پر تعجب کریں گے کہ یہ چولہ آسمان سے نازل ہوا ہے اور خدا نے اس کو اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی بے انتہا قدرتوں پر نظر کر کے کچھ تعجب کی بات نہیں کیونکہ اس کی قدرتوں کی کسی نے حد بست نہیں کی کون انسان کہہ سکتا ہے کہ خدا کی قدرتیں صرف اتنی ہی ہیں اس سے آگے نہیں۔ ایسے کمزور اور تاریک ایمان تو اُن لوگوں کے ہیں جو آج کل نیچری یا برہمو کے نام سے موسوم ہیں اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ باوا صاحب کو یہ قرآنی آیات الہامی طور پر معلوم ہو گئے ہوں اور اذن ربی سے لکھے گئے ہوں۔ لہٰذا بموجب آیت ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ[1] وہ سب فعل خدا تعالیٰ کا فعل سمجھا گیا ہو۔ کیونکہ قرآن آسمان سے نازل ہوا ہے اور ہر یک ربانی الہام آسمان سے ہی نازل ہوتا ہے دین اسلام درحقیقت سچا ہے اور اس کی تائید میں خدا تعالیٰ بڑے بڑے عجائبات دکھلاتا ہے اگرچہ اُس غیب الغیب کا وجود اس آگ سے بھی زیادہ مخفی ہے جو پتھروں اور ہر یک جسم میں پوشیدہ ہے مگر تاہم کبھی کبھی اس وجود کی دنیا پر چمکار پڑتی رہتی ہے ہر یک چیز میں عنصری آگ ہوتی ہے۔ مگر دلوں میں خدا تعالیٰ نے اپنی ذات کی شناخت کی ایک آگ رکھی ہے۔ جب کبھی بے انتہا دردمندی کی چقماق سے وہ آگ بھڑک اُٹھتی ہے تو دل کی آنکھوں سے وہ غیر مرئی ذات نظر آجاتی ہے اور نہ صرف یہی بلکہ جو لوگ اُس کو سچے دل سے ڈھونڈتے ہیں اور جو رُوحیں ایک نہایت درجہ کی پیاس کے ساتھ اُس کے آستانہ کی طرف دوڑتے ہیں۔ اُن کو وہ پانی بقدر طلب ضرور پلایا جاتا ہے جس نے اپنے قیاسی آنکھوں سے خدا تعالیٰ کو پہچانا اُس نے کیا پہچانا۔ درحقیقت پہچاننے والے وہی ہیں جن پر خدا تعالیٰ نے آپ ارادہ کر کے اپنا چہرہ ظاہر کر دیا ہے۔

[1] الانفال: ۱۸

سو ایسے پہچاننے والے کبھی خوارق کے ذریعہ سے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف کھینچے جاتے ہیں تا اُن کی کمزوریاں دور ہو جاویں اور اُن کا دل یقین سے بھر جاوے پھر اس سے کیوں تعجب کرنا چاہیئے کہ یہ چولا قدرت سے ہی لکھا گیا ہو چونکہ باوا صاحب طلب حق میں ایک پرندہ کی طرح ملک بملک پرواز کرتے پھرے اور اپنی عمر کو اس راہ میں وقف کر دیا اور خدا تعالیٰ سے چاہا کہ سچا مذہب اُن پر ظاہر ہو سو خدا تعالیٰ نے ان کا صدق دیکھ کر اُن کو ضائع نہ کیا بلکہ وہ چولا اُن کو عطا کر دیا۔ جس پر قدرت کے تمام نقوش ہیں ایسا کیا تا اُن کا اسلام پر یقین بڑھ جائے اور تا وہ سمجھیں۔ کہ بجز لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ کے اور کوئی سبیل نجات نہیں سو اُنہوں نے اس چولہ کو اسی غرض سے پہنا کہ تا اس چولے کو اپنی نجات کا ذریعہ قرار دیں اور تمام دنیا کو اپنے اسلام پر گواہ کر دیں۔

بعض نادان آریوں نے بغیر حوالہ کسی کتاب کے محض شرارت سے یہ بات بنائی ہے کہ وہ چولا باوا صاحب کو ایک فتح کے بعد ایک قاضی سے بطور نشان فتح ملا تھا لیکن ایسے متعصب لوگ یہ نہیں سوچتے کہ چولا صاحب پر تو اس مضمون کی آیتیں لکھی ہیں کہ فقط اسلام ہی سچا ہے اور اسلام ہی حق ہے اور محمد رسول اللہؐ خدا کے سچے نبی ہیں اور خدا وہی سچا خدا ہے جس نے قرآن کو اُتارا۔ پھر اگر باوا صاحب ان آیات کے منکر تھے تو انہوں نے چولے کی اس قدر کیوں عزت کی نعوذباللہ اگر ان کی نظر میں **وہ کلام ناپاک تھا** تو چاہیئے تھا کہ پیروں کے نیچے روندا جاتا اور نہایت بے عزتی کی جاتی یا ایک عظیم الشان جلسہ میں اُس کو جلا دیا جاتا مگر باوا صاحب نے تو ایسا نہ کیا بلکہ ہر یک کو یہ کہتے پھرے کہ یہ **خدا کے ہاتھ** کا کلام لکھا ہوا ہے اور یہ **کلام خدا کی قدرت ہی نے لکھا اور اسی کی قدرت کے ہاتھ** نے ہی مجھ کو پہنایا۔ اور اس کلام کی دلوں میں اس قدر عزت جمائی کہ اُن کے تمام جانشین اس چولہ کی تعظیم کرتے رہے اور جب کوئی بلا پیش آتی اور کوئی سختی نمودار ہوتی یا کوئی عظیم الشان کام کرنا ہوتا تو اس چولہ کو سر پر باندھتے اور کلام الٰہی سے جو اُس پر لکھا ہوا ہے برکت چاہتے۔ تب

خدا تعالیٰ وہ مراد پوری کر دیتا۔ اور ابتک جو عرصہ چار سو برس کا گذرتا ہے اس چولہ سے مشکلات
کے وقت برکتیں ڈھونڈھتے اور بے اولادوں کے لئے کلام الٰہی سے لونگ وغیرہ چھوا کر لوگوں کو
دیتے ہیں اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی عجیب تاثیرات ہوئی ہیں غرض وہ برکتوں کے حاصل کرنے کا
ذریعہ اور بلاؤں کے دفعہ کرنے کا موجب سمجھا جاتا ہے اور صدہا روپیہ کے شال اور ریشمی کپڑے اُس پر
چڑھے ہوئے ہیں اور کئی ہزار روپیہ خرچ کرکے اس کے لئے وہ مکان بھی بنایا گیا اور اسی زمانہ
میں ایک نہایت مبالغہ کے ساتھ انگد صاحب نے جو باوا صاحب کے جانشین تھے اُس چولے کی
بہت سی برکتیں اپنی جنم ساکھی میں تحریر کیں اور اس کو آسمانی چولہ تسلیم کیا ہے اور اس جنم ساکھی
میں یہ بھی بیان ہے کہ وہ کلام جو چولے پر لکھا ہوا ہے خدا تعالےٰ کا کلام ہے۔ یہی وجہ ہے
کہ ایک دُنیا اس کی تعظیم کے لئے اُلٹ پڑی اور نہایت سرگرمی سے اس کی تعظیم شروع ہوئی۔
اس صورت میں کوئی یقین کر سکتا ہے کہ یہ سب اکرام اور اعزاز ایک ایسے کپڑے کے لئے تھا
جس پر ایک مفتری اور دروغگو کا ناپاک کلام لکھا ہوا ہے نہ خدا تعالیٰ کا اور یہ سب تعظیمیں ان الفاظ
کی تھیں جو نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں بلکہ کسی جھوٹے کا اپنا کلام تھا جس میں ہر طرح کی بُرائیاں
تھیں جس قدر برابر چار سو برس سے چولہ صاحب کی آیتوں کی تعظیم ہو رہی ہے کیا کبھی باوا صاحب
کے ہاتھ سے یہ عزت وید کو بھی نصیب ہوئی۔ کیا کوئی ایسا چولہ بھی سکھ صاحبوں
کے پاس موجود ہے جس پر وید کی شرتیاں لکھی ہوئی ہوں اور اس کی بھی یہی تعظیم ہوتی ہو جیسی کہ
اس چولہ کی ہوتی ہے اور اس پر بھی ہزارہا روپیہ کے دوشالے چڑھتے ہوں اور اس کی نسبت بھی کہا گیا ہو
کہ یہ چولہ بھی آسمان سے ہی اُترا ہے اور یہ شرتیاں پرمیشر نے اپنے ہاتھ سے لکھی ہیں۔ اب یہ
کیسا ظلم ہے کہ حق کو چھپایا جاتا ہے اور سراسر خلاف واقعہ کہا جاتا ہے کہ باوا صاحب ایک
قاضی صاحب سے فتح کے طور پر یہ چولا لائے تھے۔ حالانکہ وہ کتاب جو عرصہ چار سو برس سے گورو انگد نے
جو جانشین باوا صاحب کا ہے لکھی ہے جو انگد کی جنم ساکھی کہلاتی ہے جس سے پہلے سکھ صاحبوں کے
ہاتھ میں کوئی ایسی کتاب نہیں جو باوا صاحب کے سوانح کے متعلق ہو۔ اس میں صاف لکھا ہے کہ قرآن

قدرت کے ہاتھ سے چولے پر لکھا ہوا تھا اور ایک بادشاہ نے چاہا کہ وہ آسمانی چولا باوا صاحب سے چھین لے مگر وہ چھین نہ سکا اور اس چولہ کی برکت سے باوا صاحب سے بڑی بڑی کرامات ظاہر ہوئیں۔ اب فرمایئے کہ انگد کے بیان کے مخالف اور کونسی معتبر کتاب آپکے ہاتھ میں ہے ذرہ اُس کو پیش تو کرو اور یاد رکھو کہ باوا صاحب سچے مسلمان تھے* اور وید کو اپنے صاف بیان سے گمراہی کی کتاب ٹھہرا چکے تھے اور وہ بابرکت چولا اُن کے اسلام کا گواہ تھا۔ پھر اب کیونکر اس کھلے کھلے سچ پر تاریکی کا پردہ ڈال دیا جاوے جو شخص اوسط درجہ کے ثبوت سے انکار کرے اُس کا نام متعصب ہے اور جو شخص کھلے کھلے سچ سے منکر ہو بیٹھے اس کا نام بے حیا اور بے شرم ہے مگر مجھے ہرگز امید نہیں کہ سکھ صاحبوں کی طرف سے جو باوا صاحب سے سچی محبت رکھتے ہیں۔ ایسے حق پوشی کے کلمات شایع ہوں یہ تو سب کچھ آریوں کے حصہ میں آگیا۔ جنہوں نے ہٹ دھرمی کو اپنا ورثہ بنا لیا ہے۔ باوا صاحب تو ہمیشہ فتحیاب تھے۔ کتنے چولے اُنہوں نے اکٹھے کئے تھے۔ حیف ہے ان لوگوں کی سمجھ پر جو ابتک حقیقت سے غافل ہیں۔ چاہیئے کہ ذرہ دو دن حرج کر کے ڈیرہ نانک میں چلے جائیں اور چولہ صاحب کی بچشم خود زیارت کریں۔ تا معلوم ہو کہ جس چیز کو حقیر سمجھا جاتا ہے کیا اس کی ایسی ہی تعظیم ہوتی ہے اگر کہو کہ تعظیم اس لئے ہے کہ باوا صاحب نے اُس کو پہنا تھا اور باوا صاحب کے ہاتھ اُس کو لگے تھے تو ایسا خیال سخت نادانی ہے کیونکہ باوا صاحب اس چولہ سے پہلے ننگے تو نہیں پھرتے تھے۔ کم سے کم اخیر زندگی تک شاید ہزاروں چولے پہنے ہوں گے پھر اگر باوا صاحب کے پوشش کے لحاظ سے یہ تعظیم ہوئی تو بجائے اِس کے ان کا کوئی اور چولا محفوظ رکھنا چاہیئے تھا ایسے چولہ کے رکھنے کی کیا ضرورت تھی جس سے لوگوں کو دھوکا لگتا تھا اور نیز قرآنی آیات کے لکھنے سے اس کی پاکیزگی پر داغ بھی لگ گیا تھا اور اس کے کلمہ طیبہ سے جو اُس پر لکھا ہوا ہے صاف سمجھا جاتا ہے کہ باوا صاحب اس کلمہ کے مصدق ہیں اور اس پر ایمان لائے ہیں اگر وہ کلام خدا کا کلام نہ ہوتا تو چولہ اس کلام سے پلید ہو جاتا۔ کیونکہ اگر قرآن شریف خدا تعالےٰ کا کلام نہیں اور نعوذ باللہ کسی کاذب کا کلام ہے تو بلاشبہ وہ کپڑا پاک نہ رہا

* نوٹ۔ تمام سکھ صاحبان اس بات کے قائل ہیں کہ باوا نانک صاحب نے اپنے شعروں میں صاف کہدیا ہے کہ میں ہندو نہیں تو کیا اس فقرہ کے بجز اس کے کوئی اور بھی معنے ہیں کہ میں وید کو نہیں مانتا اور یہ اگر سچ ہے کہ میں مسلمان بھی نہیں اس کے یہ معنے ہیں کہ میں ظاہر ظاہر مسلمان نہیں کیونکہ دوسرے معنوں سے ان کے کلام میں سخت تناقض پیدا ہوتا ہے یہ بتلانا چاہیئے کہ ہندو مذہب چھوڑنے کے بعد جس کا انہیں خود اقرار ہے پھر کس الہامی کتاب

جس پر نعوذ باللہ نقل کفر کفر نباشد۔ یہ ناپاک کلام لکھا گیا اور پھر وہ مکان بھی ناپاک ہو گیا جس میں یہ رکھا گیا اور پھر باوا صاحب کو کیا کہیں جو ایسے ناپاک چولے کو پہنے پھرے۔ جس میں پہلی نظر میں ہی لا الٰہ الّا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا نظر آتا ہے چاہیئے تھا کہ وید کی شرتیاں لکھا کر کوئی چولہ پہنتے تا اس کی برکت سے مکتی ہو جاتی۔ اے نالایق آریو! کیوں اس قدر باوا صاحب کی بے ادبی کر رہے ہو۔ کیا وہ گالیاں بس نہیں تھیں جو ایک نااہل پنڈت نے اپنی ستیارتھ پرکاش میں دیں کیا باوا صاحب کے لئے کوئی بھی غیرت کرنے والا باقی نہیں رہا !!! بیشک وہ چولا اپنی اُن تمام پاک آیتوں کے ساتھ جو اس پر لکھی ہوئی ہیں باوا صاحب کی ایک پاک یادگار ہے اور پاک ہے وہ مکان جس میں وہ رکھا گیا اور پاک ہے وہ کپڑا جس پر وہ آیات لکھی گئی ہیں اور پاک تھا وہ وجود جو اس کو پہنے پھرتا تھا اور لعنت ہے اُن پر جو اُس کے برخلاف کہیں اور مبارک وہ ہیں جو چولا صاحب کے کلام سے برکت ڈھونڈھتے ہیں۔

نظم

یہی پاک چولا ہے سکھوں کا تاج
یہی کابلی مل کے گھر میں ہے آج

یہی ہے کہ نوروں سے معمور ہے
جو دُور اس سے اُس سے خدا دُور ہے

یہی جنم ساکھی میں مذکور ہے
جو انگد سے اس وقت مشہور ہے

اسی پر وہ آیات ہیں بیّنات
کہ جن سے ملے جاودانی حیات

یہ نانک کو خلعت ملا سرفراز
خدا سے جو تھا درد کا چارہ ساز

اسی سے وہ سب رازِ حق پا گیا
اسی سے وہ حق کی طرف آ گیا

اسی نے بلا سے بچایا اُسے
ہر اک بد گہر سے چھڑایا اُسے

ذرا سوچو سکھو یہ کیا چیز ہے
یہ اس مرد کے تن کا تعویذ ہے

یہ اس بھگت کا رہ گیا اک نشاں
نصیحت کی باتیں حقیقت کی جاں

گرنتھوں میں ہے شک کا اک احتمال ۔۔۔ کہ انساں کے ہاتھوں سے ہیں دست مال

جو پیچھے سے لکھتے لکھاتے رہے ۔۔۔ خدا جانے کیا کیا بناتے رہے

گماں ہے کہ نقلوں میں ہو کچھ خطا ۔۔۔ کہ انساں نہ ہووے خطا سے جُدا

مگر یہ تو محفوظ ہے بالیقین ۔۔۔ وہی ہے جو تھا اس میں کچھ شک نہیں

اسے سر پہ رکھتے تھے اہلِ صفا ۔۔۔ تذلل سے جب پیش آتی بلا

جو نانک کی مدح و ثنا کرتے تھے ۔۔۔ وہ ہر شخص کو یہ کہا کرتے تھے

کہ دیکھا نہ ہو جس نے وہ پارسا ۔۔۔ وہ چولہ کو دیکھے کہ ہے رہنما

جسے اس کے مَت کی نہ ہووے خبر ۔۔۔ وہ دیکھے اُسی چولہ کو اک نظر

اُسے چوم کر کرتے رو رو دعا ۔۔۔ تو ہو جاتا تھا فضل قادر خدا

اسی کا تو تھا معجزانہ اثر ۔۔۔ کہ نانک بچا جس سے وقتِ خطر

بچا آگ سے اور بچا آب سے ۔۔۔ اسی کے اثر سے نہ اسباب سے

ذرہ دیکھو انگد کی تحریر کو ۔۔۔ کہ لکھتا ہے اس ساری تقریر کو

یہ چولا ہے قدرت کا جلوہ نما ۔۔۔ کلامِ خدا اُس پہ ہے جا بجا

جو شایق ہے نانک کے درشن کا آج ۔۔۔ وہ دیکھے اسے چھوڑ کر کام و کاج

برس گذرے ہیں چار سو کے قریب ۔۔۔ یہ ہے تو بنو اک کرامت عجیب

یہ نانک سے کیوں رہ گیا اک نشاں ۔۔۔ بھلا اس میں حکمت تھی کیا درنہاں

یہی تھی کہ اسلام کا ہو گواہ ۔۔۔ بتا دے وہ پچھلوں کو نانک کی راہ

خدا سے یہ تھا فضل اُس مرد پر ۔۔۔ ہوا اس کی دردوں کا اک چارہ گر

یہ مخفی امانت ہے کرتار کی ۔۔۔ یہ تھی اک کلید اس کے اسرار کی

محبت میں صادق وہی ہوتے ہیں ۔۔۔ کہ اس چولہ کو دیکھ کر روتے ہیں

سنو مجھ سے اے لوگو نانک کا حال ۔۔۔ سُنو قصۂ قدرتِ ذوالجلال

وہ تھا آریہ قوم سے نیک ذات
خرد مند خوشخو مبارک صفات

ابھی عُمر سے تھوڑے گذرے تھے سال
کہ دل میں پڑا اس کے دیں کا خیال

اسی جستجو میں وہ رہتا مدام
کہ کس راہ سے سچ کو پاوے تمام

اُسے وید کی راہ نہ آئی پسند
کہ دیکھا بہت اس کی باتوں میں گند

جو دیکھا کہ یہ ہیں سڑے اور گلے
لگا ہونے دل اس کا اوپر تلے

کہا کیسے ہو یہ خدا کا کلام
ضلالت کی تعلیم ناپاک کام

ہوا پھر تو یہ دیکھ کر سخت غم
مگر دل میں رکھتا وہ رنج والم

وہ رہتا تھا اس غم سے ہردم اُداس
زباں بند تھی دل میں سوسو ہراس

یہی فکر کھاتا اُسے صبح وشام
نہ تھا کوئی ہمراز نے ہمکلام

کبھی باپ کی جبکہ پڑتی نظر
وہ کہتا کہ اے میرے پیارے پسر

میں حیران ہوں تیرا یہ کیا حال ہے
وہ غم کیا ہے جس سے تو پامال ہے

نہ وہ تیری صورت نہ وہ رنگ ہے
کہو کس سبب تیرا دل تنگ ہے

مجھے سچ بتا کھول کر اپنا حال
کہ کیوں غم میں رہتا ہے اے میرے لال

وہ رو دیتا کہہ کر کہ سب خیر ہے
مگر دل میں اک خواہش سیر ہے

پھر آخر کو نکلا وہ دیوانہ وار
نہ دیکھے بیاباں نہ دیکھا پہاڑ

اوتارا اپنے موہنڈوں سے دُنیا کا بار
طلب میں سفر کر لیا اختیار

خدا کے لئے ہو گیا درد مند
تنعم کی راہیں نہ آئیں پسند

طلب میں چلا بیخود و بیحواس
خدا کی عنایات کی کر کے آس

جو پوچھا کسی نے چلے ہو کدھر
غرض کیا ہے جس سے کیا یہ سفر

کہا رو کے حق کا طلب گار ہوں
نثارِ رہِ پاک کرتار ہوں

سفر میں وہ رو رو کے کرتا دعا
کہ اے میرے کرتار مشکل کشا

میں عاجز ہوں کچھ بھی نہیں خاک ہوں
مگر بندۂ درگہِ پاک ہوں

میں قرباں ہوں دل سے تیری راہ کا
نشاں دے مجھے مرد آگاہ کا

نشاں تیرا پا کر وہیں جاؤنگا
جو تیرا ہو وہ اپنا ٹھہراؤنگا

کرم کر کے وہ راہ اپنی بتا
کہ جس میں ہو اے میرے تیری رضا

بتایا گیا اس کو الہام میں
کہ پائیگا تو مجھ کو اسلام میں

مگر مرد عارف فلاں مرد ہے
وہ اسلام کے راہ میں فرد ہے

طلب تب خدا سے اسے ایک پیر
کہ چشتی طریقہ میں تھا دستگیر

وہ بیعت سے اُس کے ہوا فیضیاب
سُنا شیخ سے ذکر راہ صواب

پھر آیا وطن کی طرف اُس کے بعد
ملے پیر کے فیض سے بخت سعد

کوئی دن تو پردہ میں مستور تھا
زباں چپ تھی اور سینہ میں نور تھا

نہاں دل میں تھا درد و سوز و نیاز
شریروں سے چھپ چھپ کے پڑھتا نماز

پھر آخر کو مارا صداقت نے جوش
تعشق سے جاتے رہے اس کے ہوش

ہوا پھر تو حق کے چھپانے سے تنگ
محبت نے بڑھ بڑھ کے دکھلائے رنگ

کہا یہ تو مجھ سے ہوا اک گناہ
کہ پوشیدہ رکھی سچائی کی راہ

یہ صدق و وفا سے بہت دُور تھا
کہ غیروں کے خوفوں سے دل چُور تھا

تصور سے اس بات کے ہو کے زار
کہا رو کے اے میرے پروردگار

ترے نام کا مجھ کو اقرار ہے
ترا نام غفّار و ستّار ہے

بلا ریب تو حیّ و قدّوس ہے
ترے بن ہر اک راہ سالوس ہے

مجھے بخش اے خالق العالمین
تو سُبُّوح وانّی من الظّلمین

میں تیرا ہوں اے میرے کرتار پاک
نہیں تیری راہوں میں خوفِ ہلاک

ترے در پہ جاں میری قربان ہے
محبت تیری خود مری جان ہے

وہ طاقت کہ ملتی ہے ابرار کو — وہ دے مجھ کو دکھلا کے اسرار کو*

خطا وار ہوں مجھ کو وہ رہ بتا — کہ حاصل ہو جس رہ سے تیری رضا

اسی عجز میں تھا متذلل کے ساتھ — کہ یکا خدا کی عنایت نے ہاتھ

ہوا غیب سے ایک چولہ عیاں — خدا کا کلام اس پہ تھا بیگماں

شہادت تھی اسلام کی جا بجا — کہ سچا وہی دین ہے اور رہنما

یہ لکھا تھا اس میں بخطِ جلی — کہ اللہ ہے اک اور محمد نبی ﷺ

ہوا حکم پہن اس کو لے نیک مرد — اُتر جائیگی اِس سے وہ ساری گرد

جو پوشیدہ رکھنے کی تھی اک خطا — یہ کفّارہ اُس کا ہے اے باوفا

یہ ممکن ہے کشفی ہو یہ ماجرا — دکھایا گیا ہو بہ حکمِ خُدا

پھر اس طرز پر یہ بنایا گیا — بحکم خدا پھر لکھایا گیا

مگر یہ بھی ممکن ہے اے پختہ کار — کہ خود غیب سے ہو یہ سب کاروبار

کہ پردے میں قادر کے اسرار ہیں — کہ عقلیں وہاں ہیچ و بیکار ہیں

تو یک قطرہ داری زعقل و خرد — مگر قدرتش بحر بے حدّ و عدّ

اگر بشنوی قصۂ صادقاں — مجنباں سرِ خود چو مستہزیاں

تو خود را خردمند فہمیدۂ — مقاماتِ مرداں کجا دیدۂ

غرض اُس نے پہنا وہ فرخ لباس — نہ رکھتا تھا مخلوق سے کچھ ہراس

وہ پھرتا تھا کوچوں میں چولہ کیساتھ — دکھاتا تھا لوگوں کو قدرت کے ہاتھ

کوئی دیکھتا جب اُسے دُور سے — تو ملتی خبر اُس کو اُس نُور سے

جسے دُور سے وہ نظر آتا تھا — اُسے چولہ خود بھید سمجھاتا تھا

وہ ہر لحظہ چولے کو دکھلاتا تھا — اسی میں وہ ساری خوشی پاتا تھا

غرض یہ تھی تا یار خورسند ہو — خطا دور ہو پختہ پیوند ہو

جو عشاق اس ذات کے ہوتے ہیں
وہ ایسے ہی ڈر ڈر کے جاں کھوتے ہیں

وہ اس یار کو صدق دکھلاتے ہیں
اسی غم میں دیوانہ بن جاتے ہیں

وہ جاں اس کی رہ میں فدا کرتے ہیں
وہ ہر لحظہ سو سو طرح مرتے ہیں

وہ کھوتے ہیں سب کچھ بصدق وصفا
مگر اس کی ہو جائے حاصل رضا

یہ دیوانگی عشق کا ہے نشان
نہ سمجھے کوئی اس کو جز عاشقان

غرض جوش الفت سے مجذوب وار
یہ نانک نے چولا بنایا شعار

اگر اس سے راضی ہو وہ دلستان
کہ اس بن نہیں دل کو تاب و تواں

خدا کے جو ہیں وہ یہی کرتے ہیں
وہ لعنت سے لوگوں کی کب ڈرتے ہیں

وہ ہو جاتے ہیں سارے دلدار کے
نہیں کوئی ان کا بجز یار کے

وہ جاں دینے سے بھی نہ گھبراتے ہیں
کہ سب کچھ وہ کھو کر اسے پاتے ہیں

وہ دلبر کی آواز بن جاتے ہیں
وہ اس جاں کے ہمراز بن جاتے ہیں

وہ ناداں جو کہتا ہے در بند ہے
نہ الہام ہے اور نہ پیوند ہے

نہیں عقل اوسکو نہ کچھ غور ہے
اگر وید ہے یا کوئی اور ہے

یہ سچ ہے کہ جو پاک ہو جاتے ہیں
خدا سے خدا کی خبر لاتے ہیں

اگر اس طرف سے نہ آوے خبر
تو ہو جائے یہ راہ زیر و زبر

طلبگار ہو جائیں اس کے تباہ
وہ مر جائیں دیکھیں اگر بند راہ

مگر کوئی معشوق ایسا نہیں
کہ عاشق سے رکھتا ہو یہ بغض و کیں

خدا پر تو پھر یہ گماں عیب ہے
کہ وہ راحم و عالم الغیب ہے

اگر وہ نہ بولے تو کیوں کر کوئی
یقیں کر کے جانے کہ ہے مختفی

وہ کرتا ہے خود اپنے بھگتوں کو یاد
کوئی اس کے رہ میں نہیں نامراد

مگر وید کو اس سے انکار ہے
اسی سے تو بے خیر و بیکار ہے

کرے کوئی کیا ایسے طومار کو
بُلا کر دکھا دے نہ جو یار کو

وہ ویدوں کا ایشر ہے یا اک حجر
کہ بولے نہیں جیسے اک گنگ کر

تو پھر ایسے ویدوں سے حاصل ہی کیا
ذرہ سوچ لے یارو بہرِ خدا

وہ انکار کرتے ہیں الہام سے
کہ ممکن نہیں خاص اور عام سے

یہی سالکوں کا تو تھا مدعا
اسی سے تو کھلتی تھیں آنکھیں ذرا

اگر یہ نہیں پھر تو وہ مر گئے
کہ بیسود جاں کو فدا کر گئے

یہ ویدوں کا دعویٰ سُنا ہے ابھی
کہ بعد اُن کے مُلہم نہ ہوگا کبھی

وہ کہتے ہیں یہ کوچہ مسدود ہے
تلاش اس کی عارف کو بیسود ہے

وہ غافل ہیں رحماں کے اس داب سے
کہ رکھتا ہے وہ اپنے احباب سے

اگر اُن کو اس رہ سے ہوتی خبر
اگر صدق کا کچھ بھی رکھتے اثر

تو انکار کو جانتے جائے شرم
یہ کیا کہہ دیا ویدنے ہائے شرم

نہ جانا کہ الہام ہے کیمیا
اسی سے تو ملتا ہے گنج لقا

اسی سے تو عارف ہوئے بادہ نوش
اسی سے تو آنکھیں کھلیں اور گوش

یہی ہے کہ نائب ہے دیدار کا
یہی ایک چشمہ ہے اسرار کا

اسی سے ملے اُن کو تازک علوم
اسی سے تو اُن کی ہوئی جگ میں دھوم

خدا پر خدا سے یقیں آتا ہے
وہ باتوں سے ذات اپنی سمجھاتا ہے

کوئی یار سے جب لگاتا ہے دل
تو باتوں سے لذت اُٹھاتا ہے دل

کہ دلدار کی بات ہے اک غذا
مگر تو ہے منکر تجھے اس سے کیا

نہیں تجھ کو اس رہ کی کچھ بھی خبر
تو واقف نہیں اس سے اے بے ہنر

وہ ہے مہربان و کریم و قدیر
قسم اُس کی- اُس کی نہیں ہے نظیر

جو ہوں دل سے قربان ربِ جلیل
نہ نقصاں اُٹھا دیں نہ ہو ویں ذلیل

اسی سے تو نانک ہوا کامیاب ۔ کہ دل سے تھا قربان عالیجناب
بتایا گیا اس کو الہام میں ۔ کہ پائے گا تو مجھ کو اسلام میں
یقیں ہے کہ نانک تھا مُلہم ضرور ۔ نہ کر وید کا پاس اے پُر غرور
دیا اس کو کرتار نے وہ گیان ۔ کہ ویدوں میں اس کا نہیں کچھ نشان
اکیلا وہ بھاگا ہنودوں کو چھوڑ ۔ چلا مکہ کو ہند سے مُنہہ کو موڑ
گیا خانہ کعبہ کا کرنے طواف ۔ مسلماں بنا پاک دل بے خلاف
لیا اُس کو فضل خدا نے اُٹھا ۔ ملی دونوں عالم میں عزت کی جا
اگر تو بھی چھوڑے یہ ملکِ ہوا ۔ تجھے بھی یہ رتبہ کرے وہ عطا
تو رکھتا نہیں ایک دم بھی روا ۔ جو بیوی سے اور بچوں سے ہو جُدا
مگر وہ تو پھرتا تھا دیوانہ وار ۔ نہ جی کو تھا چین اور نہ دل کو قرار
ہر اک کہتا تھا دیکھ کر اک نظر ۔ کہ ہے اس کی آنکھوں میں کچھ جلوہ گر
محبت کی تھی سینہ میں اک خلش ۔ لئے پھرتی تھی اس کو دل کی تپش
کبھی شرق میں اور کبھی غرب میں ۔ رہا گھومتا قلق اور کرب میں
پرندے بھی آرام کر لیتے ہیں ۔ مجانیں بھی یہ کام کر لیتے ہیں
مگر وہ تو اک دم نہ کرتا قرار ۔ ادا کر دیا عشق کا کاروبار
کسی نے یہ پوچھی تھی عاشق سے بات ۔ وہ نسخہ بتا جس سے جاگے تو رات
کہا نیند کی ہے دوا سوز و درد ۔ کہاں نیند جب غم کرے چہرہ زرد
وہ آنکھیں نہیں جو کہ گریاں نہیں ۔ وہ خود دل نہیں جو کہ بریاں نہیں
تو انکار سے وقت کھوتا ہے کیا ۔ تجھے کیا خبر عشق ہوتا ہے کیا
مجھے پوچھو اور میرے دل سے یہ راز ۔ مگر کون پوچھے بجز عشق باز
جو برباد ہونا کرے اختیار ۔ خدا کے لئے ہے وہی بختیار

جو اس کیلئے کھوتے ہیں پاتے ہیں
جو مرتے ہیں وہ زندہ ہو جاتے ہیں

وہی واحدہٗ لاشریک اور عزیز
نہیں اُسکی مانند کوئی بھی چیز

اگر جاں کروں اس کی راہ میں فدا
تو پھر بھی نہ ہو شکر اس کا ادا

میں چولے کا کرتا ہوں پھر کچھ بیاں
کہ ہے یہ پیارا مجھے جیسے جاں

ذرا جنم ساکھی کو پڑھ اے جواں
کہ انگد نے لکھا ہے اس میں عیاں

کہ قدرت کے ہاتھوں کے تھے وہ رقم
خدا ہی نے لکھا بہ فضل و کرم

وہ کیا ہے یہی ہے کہ اللہ ہے ایک
محمد نبی اس کا پاک اور نیک

بغیر اس کے دل کی صفائی نہیں
بجز اس کے غم سے رہائی نہیں

یہ معیار ہے دیں کے تحقیق کا
کھلا فرق دجال و صدیق کا

ذرہ سوچو یارو گر انصاف ہے
یہ سب کشمکش اس گھڑی صاف ہے

یہ نانک سے کرنے لگے جب جدا
رہے زور کر کر کے بے مدعا

کہا دور ہو جاؤ تم ہار کے
یہ خلعت ہے ہاتھوں سے کرتار کے

بشر سے نہیں تا اوتارے بشر
خدا کا کلام اس پہ ہے جلوہ گر

دعا کی تھی اس نے کہ اے کردگار
بتا مجھ کو رہ اپنی خود کر کے پیار

یہ چولہ تھا اس کی دعا کا اثر
یہ قدرت کے ہاتھوں کا تھا سر بسر

یہی چھوڑ کر وہ ولی مر گیا
نصیحت تھی مقصد ادا کر گیا

اُسے مُردہ کہنا خطا ہے خطا
کہ زندوں میں وہ زندہ دل جا ملا

وہ تن گم ہوا یہ نشاں رہ گیا
ذرا دیکھ کر اُس کو آنسو بہا

کہاں ہے محبت کہاں ہے وفا
پیاروں کا چولا ہوا کیوں بُرا

وفادار عاشق کا ہے یہ نشاں
کہ دلبر کا خط دیکھ کر ناگہاں

لگاتا ہے آنکھوں سے ہو کر فدا
یہی دیں ہے دلدادگاں کا سدا

مگر جس کے دل میں محبت نہیں ۔۔۔ اُسے ایسی باتوں سے رغبت نہیں
اُٹھو جلد تر لاؤ فوٹوگراف ۔۔۔ ذرا کھینچو تصویر چولے کی صاف
کہ دنیا کو ہرگز نہیں ہے بقا ۔۔۔ فنا سب کا انجام ہے جُز خُدا
سو لو عکس جلدی کہ اب ہے ہراس ۔۔۔ مگر اس کی تصویر رہ جائے پاس
یہ چولا کہ قدرت کی تحریر ہے ۔۔۔ یہی رہنما اور یہی پیر ہے
یہ انگد نے خود لکھدیا صاف صاف ۔۔۔ کہ ہے وہ کلام خدا بے گزاف
وہ لکھا ہے خود پاک کرتار نے ۔۔۔ اُسی حیّ و قیّوم و غفّار نے
خدا نے جو لکھا وہ کب ہو خطا ۔۔۔ وہی ہے خدا کا کلام صفا
یہی راہ ہے جس کو بھولے ہو تُم ۔۔۔ اُٹھو یارو اب مت کرو راہ گُم
یہ نور خدا ہے خدا سے ملا ۔۔۔ ارے جلد آنکھوں سے اپنے لگا
ارے لوگو تم کو نہیں کچھ خبر ۔۔۔ جو کہتا ہوں میں اُس پہ رکھنا نظر
زمانہ تعصب سے رکھتا ہے رنگ ۔۔۔ کریں حق کی تکذیب سب بیدرنگ
وہی دین کے راہوں کی سُنتا ہے بات ۔۔۔ کہ ہو متقی مرد اور نیک ذات
مگر دوسرے سارے ہیں پُر عناد ۔۔۔ پیارا ہے اُن کو غرور اور فساد
بناتے ہیں باتیں سراسر دروغ ۔۔۔ نہیں بات میں اُن کے کچھ بھی فروغ
بھلا بعد چولے کے اے پُرغرور ۔۔۔ وہ کیا کسر باقی ہے جس سے تو دُور
تو ڈرتا ہے لوگوں سے اے بے ہُنر ۔۔۔ خدا سے تجھے کیوں نہیں ہے خطر
یہ تحریر چولہ کی ہے اک زبان ۔۔۔ سُنو وہ زبان سے کرے کیا بیان
کہ دینِ خدا دینِ اسلام ہے ۔۔۔ جو ہو منکر اس کا بد انجام ہے
محمّد وہ نبیوں کا سردار ہے ۔۔۔ کہ جس کا عدو مثل مردار ہے
تجھے چولے سے کچھ تو آوے حیا ۔۔۔ ذرا دیکھو ظالم کہ کہتا ہے کیا

کہو جو رضا ہو مگر سُن لو بات
وہ کہنا کہ جس میں نہیں پکش پات

کہ حق جو سے کرتار کرتا ہے پیار
وہ انساں نہیں جو نہیں حق گذار

کہو جبکہ پوچھیگا مولیٰ حساب
تو بھائیو بتاؤ کہ کیا ہے جواب

میں کہتا ہوں اک بات اے نیکنام
ذرہ غور سے اس کو سنیو تمام

کہ بیشک یہ چولہ پُر از نور ہے
تمرّد وفا سے بہت دُور ہے

دکھائیں گے چولہ تمہیں کھول کر
کہ دو اُس کا اُتر ذرا بول کر

یہی پاک چولہ رہا اک نشاں
گرو سے کہ تھا خلق پر مہربان

اسی پر دوشالے چڑھے اور نہ
یہی فخر سکھوں کا ہے سربسر

یہی ملک و دولت کا تھا اک ستوں
عمل بد کئے ہو گئے سرنگوں

خدا کے لئے چھوڑو اب بغض و کیں
ذرا سوچو باتوں کو ہو کر امیں

وہ صدق و محبت وہ مہر و وفا
جو نانک سے رکھتے تھے تم برملا

دکھاؤ ذرا آج اُس کا اثر
اگر صدق ہے جلد دوڑو ادھر

گرو نے تو کر کے دکھایا تمہیں
وہ رستہ چلو جو بتایا تمہیں

کہاں ہیں جو نانک کے ہیں خاکپا
جو کرتے ہیں اس کے لئے جاں فدا

کہاں ہیں جو اس کے لئے مرتے ہیں
جو ہے واک اس کا وہی کرتے ہیں

کہاں ہیں جو ہوتے ہیں اس پر نثار
جھکاتے ہیں سر اپنے کو کر کے پیار

کہاں ہیں جو رکھتے ہیں صدق و ثبات
گرو سے ملے جیسے شیر و نبات

کہاں ہیں کہ جب اس سے چھپاتے ہیں
تعشق سے قرباں ہوئے جاتے ہیں

کہاں ہیں جو الفت سے سرشار ہیں
جو مرنے کو بھی دل سے تیار ہیں

کہاں ہیں جو وہ بخل سے دُور ہیں
محبت سے نانک کی معمور ہیں

کہاں ہیں جو اس رہ میں پُر جوش ہیں
گرو کے تعشق میں مدہوش ہیں

کہاں ہیں وہ نانک کے عاشق کہاں
کہ آیا ہے نزدیک اب امتحاں

کہاں ہیں جو بھرتے ہیں الفت کا دم ॥ اطاعت سے سر کو بنا کر قدم
اِدھر آئیں دیکھیں یہ تصویر ہے ॥ یہی پاک چولہ جہانگیر ہے
صاحب چولہ باوا نانک
بسم اللہ الرحمن الرحیم
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
الحمد للہ رب العالمین
الرحمن الرحیم
مالک یوم الدین
ایاک نعبد و ایاک
نستعین اھدنا
الصراط المستقیم
صراط الذین
انعمت علیھم
غیر المغضوب
علیھم ولا
الضالین ۔ آمین
اذا جاء نصر اللہ و
الفتح و رأیت الناس
یدخلون فی دین اللہ افواجا
فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ
کان توابا
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
قل ھو اللہ احد اللہ الصمد
لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ
کفوا احد
واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون
لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت
من الظالمین
دیکھو اپنے دیں کو کس کس صدق سے دکھلا گیا ॥ وہ بہادر تھا نہ رکھتا تھا کسی دشمن سے ڈر

گرو جس کے اس رہ پہ ہوویں فدا ۔ وہ چیلہ نہیں جو نہ دے سر جھکا
اگر ہاتھ سے وقت جاوے نکل ۔ تو پھر ہاتھ مل مل کے رونا ہے کل
نہ مردی ہے تیر اور تلوار سے ۔ بنو مرد مردوں کے کردار سے
سنو آتی ہے ہر طرف سے صدا ۔ کہ باطل ہے ہر چیز حق کے سوا
کوئی دن کے مہمان ہیں ہم سبھی ۔ خبر کیا کہ پیغام آوے ابھی
گرو نے یہ چولا بنایا شعار ۔ دکھایا کہ اس رہ پہ ہوں میں نثار
وہ کیونکر ہو اُن ناسعیدوں سے شاد ۔ جو رکھتے نہیں اس سے کچھ اعتقاد
اگر مان لوگے گرو کا یہ واک ۔ تو راضی کرو گے اسے ہو کے پاک
وہ احمق ہیں جو حق کی راہ کھوتے ہیں ۔ عبث ننگ و ناموس کو روتے ہیں
وہ سوچیں کہ کیا لکھ گیا پیشوا ۔ وصیت میں کیا کہہ گیا برملا
کہ اسلام ہم اپنا دیں رکھتے ہیں ۔ محمد کی رہ پر یقیں رکھتے ہیں
اٹھو سونے والو کہ وقت آگیا ۔ تمہارا گرو تم کو سمجھا گیا
نہ سمجھے تو آخر کو پچھتاؤ گے ۔ گرو کے سرالوں کا پھل پاؤ گے

چولہ کی مختصر تاریخ

کتاب ساکھی چولا صاحب سے یہ ثابت ہے کہ جب باوا نانک صاحب کا انتقال ہوا تو یہ چولہ انگد صاحب کو جو پہلے جانشین باوا صاحب کے تھے ملا جس کو انھوں نے گدی پر بیٹھنے کے وقت سر پر باندھا اور ہمیشہ بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنے پاس رکھا چنانچہ پانچویں گرو ارجن داس صاحب کے وقت تک ہر یک گرو اپنی گدی نشینی کے وقت اس کو مبارک سمجھ کر سر پر رکھتا رہا اور ان میں ایک فرض کی طرح یہ عادت تھی کہ بڑے سے بڑے درباروں میں اور عظیم الشان مہموں کے وقت یہ چولہ سر پر رکھتے اور اُس سے

برکت ڈھونڈھتے اور ایک مرتبہ ارجن داس صاحب کے وقت میں امرت سر کا تالاب بن رہا تھا۔ اور بہت اخلاص مند سکھ اس کے کھودنے میں مصروف تھے تو ایک شخص طوطا رام جو زمین کھودنے میں لگا ہوا تھا اور ارجنداس صاحب سے بہت ہی اعتقاد رکھتا تھا۔ اس کے اخلاص کو ارجنداس صاحب نے دیکھ کر اُسے کہا کہ میں تجھ سے خوش ہوں اس وقت جو کچھ تو نے مجھ سے مانگنا ہے مجھ سے مانگ اُس نے کہا کہ مجھے سکھی دان دو یعنے ایسی چیز دو جس سے مجھے دین کی ہدایت ہو۔ تب ارجن صاحب سمجھ گئے کہ یہ چولہ مانگتا ہے کیونکہ سچے دین کی ہدایتیں اسی میں موجود ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ تو نے تو ہمارے گھر کی پونجی ہی مانگ لی پھر سر سے اُتار کر اُس کو چولہ دیدیا کہ لے اگر ہدایت چاہتا ہے تو سب ہدایتیں اسی میں ہیں۔ لیکن پھر وہی چولہ ایک مدت کے بعد کابلی مل کو جو باوا نانک صاحب کے اولاد میں سے تھا مل گیا اور اب تک بمقام ڈیرہ نانک ضلع گورداسپورہ پنجاب انہیں کی اولاد کے پاس موجود ہے جس کا مفصل ذکر ہم کر چکے ہیں۔ اس چولہ کے لئے ایک شخص عجب سنگھ نام نے ایک بڑا مکان ڈیرہ نانک کی شرقی جانب میں بنایا تھا۔ اور جو لوگ چولہ پر رومال چڑھاتے رہے اُن میں سے جو بعض کے نام معلوم ہوئے وہ یہ ہیں:۔

راجہ صاحب سنگھ۔ راجہ بھوپ سنگھ۔ نروان پریتم داس۔ راجہ پرتاپ سنگھ۔ راجہ ٹیلا۔ ہری سنگھ نلوا عجب سنگھ۔ دیوان موتی رام۔ راجہ صاحب پٹیالہ۔ سردار نہال سنگھ چھاچھی اور ایسا ہی برہان پور دکن۔ کشمیر۔ بخارا بمبئی وغیرہ ملکوں کے لوگ اب تک اس چولہ پر رومال چڑھاتے رہے اس چولہ کا ہر سال میلہ ہوتا ہے اور دور دور ملکوں سے لوگ آتے ہیں۔ اور صدہا لوگ ملک سندھ کے اور نیز بخارا کے بھی جمع ہوتے ہیں اور ہزارہا روپیہ کی آمدن ہوتی ہے۔ بخارا میں باوا نانک صاحب کو نانک پیر کر کے بولتے ہیں * اور اس کو ایک مسلمان فقیر سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ

نوٹ * ایک شخص جو بخارا میں دس سال رہ آیا ہے وہ بیان کرتا ہے کہ بخارا میں آجکل باوا نانک صاحب کو باوا نانو کہتے ہیں۔ نانک کے لفظ سے کوئی واقف نہیں اور محمد شریف صاحب پشاوری لکھتے ہیں کہ کابل میں دو مقام نانک کے نہایت مشہور ہیں ایک مکان ایک گاؤں میں ہے جس کا نام خواجہ سرائے ہے اور کابل سے سات کوس کے فاصلہ پر ہے اور دوسرا مقام قلعہ بلند میں ہے جو کابل سے بیس کوس کے فاصلہ پر ہے اور وہاں کے اکثر لوگ اس کو مسلمان خیال کرتے ہیں۔ منہ

اُن ملکوں میں علانیہ طور پر مسلمان رہا اور ایک پرہیزگار اور نیک بخت مسلمان کی طرح نماز اور روزہ کی پابندی اختیار کی یہ تو ظاہر ہے کہ ان ملکوں کے لوگ ہندوؤں سے بالطبع کراہت کرتے ہیں اور اُن کو کافر اور بے دین سمجھتے ہیں پھر وہ باوا صاحب کی تعظیم و تکریم بغیر اُن کے ثبوت اسلام کے کیونکر کر سکتے تھے غرض بخارا کے لوگوں میں یہ واقعہ مشہور ہے کہ باوا نانک صاحب مسلمان تھے اور نانک صاحب کے بعض فارسی اشعار انہیں کے سُنانے کے لئے بنائے گئے تھے۔
چنانچہ یہ شعر بھی انہیں میں سے ہے۔

یک عرض کردم پیش تو در گوش کُن کرتار　　حقا کریم کبیر تو بے عیب پروردگار

غرض اس بات کے ثبوت کے لئے کہ چولہ درحقیقت نانک صاحب کی طرف سے ہی ہے یہ وجوہ کافی اور شافی اور تسلی بخش ہیں کہ اسی چولہ کا ذکر انگد اور بالا کی اس جنم ساکھی میں مذکور ہے جو اُسی زمانہ میں تالیف ہوئی۔ پھر دوسرا ثبوت وہ کتاب ہے جو کابلی مل کی اولاد کے ہاتھ میں ہے جس کا نام چولہ ساکھی ہے جس میں لکھا ہے کہ یہ چولہ نانک صاحب کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملا تھا اور جتنے گرو بعد میں ہوئے ہیں سب کا اس چولہ سے برکت ڈھونڈھنا اس میں مذکور ہے یہ دوسرا ثبوت اس بات پر ہے کہ چولہ خود نانک صاحب کا ہی تھا جس کی نسبت ابتدا سے یقین کیا گیا تھا کہ اس میں بہت سی برکتیں ہیں اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ تیسرا ثبوت یہ ہے کہ چولہ کی تعظیم اور تکریم برابر چار سو برس سے چلی آتی ہے پس یہ عملی حالت جو ہر یک زمانہ میں ثابت ہوتی چلی آئی ہے جس کے ساتھ پُرانے زمانہ سے میلے اور جلسے بھی ہوتے چلے آئے ہیں۔ اور راجوں اور امیروں کا اس پر دوشالے چڑھانا ثابت ہوتا چلا آیا ہے۔ یہ ثبوت بھی نہایت اعلیٰ درجہ کا ثبوت ہے اور پھر اس کے مقابل یہ عذر کرنا کہ دراصل باوا صاحب کو فتح کے طور پر بخارا کے قاضی سے یہ چولا ملا تھا نہایت پوچ اور لچر خیال اور کسی سخت مفتری اور متعصب اور خیانت پیشہ آدمی کا منصوبہ ہے جو بالا کی جنم ساکھی کے برخلاف ہے اور کوئی کتاب اس کے اثبات میں پیش نہیں کی گئی بلکہ انگد اور بالا صاحب کی جنم ساکھی ایسے کاذب کا منہ سیاہ کر رہی ہے اور افسوس یہ کہ باوجود اس نہایت مکروہ افترا کے یہ مفتری طریق تحقیق کو بھی بھول گیا

کیونکہ اس عذر کے پیش کرنے سے پہلے ثابت کرنا چاہیئے تھا کہ مسلمانوں میں یہی رسم ہے کہ جس سے شکست کھاویں اس کو چولہ بنا کر دیا کرتے ہیں اور یہ بھی خیال نہیں ہوسکتا کہ ایسا چولہ پہلے کسی قاضی کے پاس موجود ہو اور باوا صاحب نے زبردستی فتح پاکر اُس سے چھین لیا ہو۔ کیونکہ اس بات کو فتح سے کچھ تعلق نہیں کہ اگر کسی مذہبی مباحثہ میں کوئی غالب ہو تو وہ اس بات کا مجاز سمجھا جائے۔ کہ کسی کا اثاث البیت یعنے گھر کا مال اپنے قبضہ میں لے آوے پھر فتح پانا بھی سراسر جھوٹھ ہے۔ اگر باوا صاحب مذہبی امور میں مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرتے پھرتے اور جابجا اسلام کی تکذیب کرتے تو پھر اُن کے جنازہ پر مسلمانوں کا یہ جھگڑا کیوں ہوتا کہ یہ مسلمان ہے۔ اور صدہا مسلمان جمع ہو کر ان کا جنازہ کیوں پڑھتے صاف ظاہر ہے کہ جو شخص مذہبی امر میں لڑنے جھگڑنے والا ہو۔ اس کے دشمن دین ہونے میں کسی کو اشتباہ باقی نہیں رہتا۔ پھر اگر باوا صاحب حقیقت میں اسلام کے دشمن تھے تو کیوں اُن کا جنازہ پڑھا گیا اور کیوں انہوں نے بخارا کے مسلمانوں کی طرف اپنی سخت بیماری کے وقت خط لکھا کہ اب میری زندگی کا اعتبار نہیں تم جلد آؤ اور میرے جنازہ میں شریک ہو جاؤ کیا کبھی کسی مسلمان نے کسی پادری یا پنڈت کے مرنے کے بعد اس کی نماز جنازہ پڑھی یا اس میں جھگڑا کیا یہ نہایت قوی دلیل اس بات پر ہے کہ وہ دین اسلام کے ہرگز مکذب نہ تھے بلکہ مسلمان تھے تبھی تو علما صلحا ان سے محبت رکھتے تھے۔ ورنہ ایک کافر سے محبت رکھنا کسی نیک بخت کا کام نہیں چشتیہ خاندان میں اب تک باوا صاحب کے وہ اشعار زبان زد خلائق ہیں جن میں وہ اسلام اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور وہ اشعار چونکہ اکابر کے سینہ بسینہ چلے آئے ہیں اس لئے گرنتھ کے اشعار سے جو دو سو برس کے بعد عوام الناس کی زبان سے لکھے گئے بہت زیادہ معتبر اور سند پکڑنے کے لائق ہیں چنانچہ اُن میں سے ایک یہ شعر ہے۔ ؎

کلمہ کہوں تو گل پڑے بن کلمہ گل نا ۔۔۔ جہاں کلمہ کہو لئے سب کل کلمہ میں ما

یعنے مجھے اسی میں آرام آتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہوں اور بغیر اس کے مجھے آرام نہیں آتا جہاں کلمہ کا ذکر ہو تو تمام آرام اُس سے مل جاتے ہیں اور یہ یقین اور بھی زیادہ ہوتا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ باوا صاحب ایک مدت دراز تک اسلامی ملکوں میں رہے اور تمام مسلمانوں نے اُن سے محبت کی بلکہ ہانسی پیران کو

۵۶ ؎ نوٹ: یہ بات نہایت بیحیائی کی ہے کہ جس دعوے کی تائید میں کوئی تحریری ثبوت اپنے پاس موجود نہ ہو اور کوئی ایسی کتاب اپنے ہاتھ میں نہ ہو جس پر ثابت شدہ روایت اور اس زمانہ کی کتاب کے مخالف یہ قصہ معلوم ہوا ہو تو پھر محض مذہبی تعصب کی رو سے ایسا جھوٹا قصہ بنایا جائے

حاشیہ متعلق صفحہ ۵۶ ست بچن وصفحہ ۷۶ اجلد ہذا

اس بات کا لکھنا بھی ناظرین کیلئے فایدہ سے خالی نہیں کہ جس قدر ہم بابا نانک صاحب کے اسلام کے بارہ میں لکھ چکے ہیں صرف اسی قدر دلایل نہیں بلکہ سکھ صاحبوں کی اور کئی پورانی کتابیں ہیں جن سے صاف صاف طور پر باوا صاحب کا اسلام ثابت ہوتا ہے چنانچہ منجملہ اُن کے بھائی گورداس صاحب کی والاں ہے جس میں صفحہ بارا ۱۲ میں یہ لکھا ہے۔

"بابا (یعنے نانک صاحب) پھر مکہ میں گیا نیلے کپڑے پہن کر ولی بن کر عصا ہاتھ میں کتاب بغل میں (یعنے قرآن بغل میں) کوزہ اور مصلیٰ ساتھ اور بانگ دی یعنی نماز کیلئے اذان کہی اور مسجد میں جاکر بیٹھے جہاں حاجی لوگ حج گذارتے ہیں۔ دیکھو والاں بھائی گورداس مطبوعہ مطبع مصطفائی لاہور صفحہ ۱۲ سمت ۱۹۴۷"

اب غور کرنا چاہیئے کہ یہ طریق کہ نیلے کپڑے پہننا اور عصا ہاتھ میں لینا اور کوزہ اور مصلےٰ ساتھ رکھنا اور قرآن بغل میں لٹکانا اور خانہ کعبہ کا قصد کرکے ہزاروں کوس کی مسافت قطع کرکے جانا اور وہاں مسجد میں جاکر قیام کرنا اور بانگ دینا کیا یہ نشان مسلمانوں کے ہیں یا ہندؤں کے ظاہر ہے کہ مسلمان ہی حج کے لئے نیلے کپڑے پہن کر جایا کرتے ہیں۔ عصا بھی مسلمانوں کا شعار ہے۔ اور مصلیٰ ساتھ رکھنا نمازیوں کا کام ہے۔ اور قرآن ساتھ لینا نیک بخت مسلمانوں کا طریق۔ اگر کہو کہ یہ لباس اور یہ طریق مکر اور فریب سے اختیار کیا تھا۔ تو تم آپ ہی منصف بن کر جواب دو کہ کیا تمہارا نور قلب اور کانشنس بابا نانک صاحب کی نسبت یہ بات جائز رکھتا ہے کہ اُنہوں نے باوجود اس یک رنگی کے جو خدا تعالےٰ کے لئے اختیار کی تھی پھر مکر اور فریب کے طریق کو بھی ہاتھ سے نہ چھوڑا اور بہروپیوں کی طرح باہر سے مسلمان بن کر اور اندر سے ہندو رہ کر حاجیوں کے ساتھ مل کر مکہ میں چلے گئے۔ میں اس وقت اس بات پر زور دینا نہیں چاہتا کہ یہ طریق کیسا ایک نیک انسان کے حالات کے مخالف ہے بلکہ میں کہتا ہوں۔ کہ اگر ایک معمولی چال چلن کا انسان بھی ایسی فریب کی کارروائی کرے تو وہ بھی قابل ملامت ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی مسلمان کہلا کر پھر زنار پہن لے اور پیشانی پر قشقہ لگا کر اور بتوں کو بغل میں دبا کر بے گنگا بے گنگا

+ نوٹ۔ قرآن شریف کا نام کتاب بھی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے المٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ [۱] لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین [۲]

[۱] البقرۃ: ۲-۳ [۲] الانعام: ۶۰

کتا ہوا ہندوؤں کے ساتھ مل کر گنگا پر جا کر اشنان کرے تو اگرچہ وہ دل سے مسلمان ہو۔ مگر میں اس کو
نیک نیک انسان نہیں سمجھوں گا۔ کیونکہ اگر اس کو خدا تعالےٰ پر بھروسہ ہوتا تو وہ اپنے ہر یک مطلب کو
نہ کسی فریب کے ذریعہ سے بلکہ خدا تعالےٰ کے ذریعہ سے ہی حاصل کرنا چاہتا۔

سو کوئی پاک طبع ایسے انسان پر کسی طرح راضی نہیں ہو سکتا جو دین کے شعار کو بعض نفسانی اغراض
کے لئے چھوڑتا ہے ظاہر ہے کہ جب بابا نانک صاحب فریب کے طور پر مسلمان بن کر مکہ میں گئے ہوں گے۔ تو
راہ میں بار بار اُن کو اپنے قافلہ کے ساتھ جھوٹ بولنا پڑتا ہوگا۔ اور ہر یک کو محض دروغگوئی کے طور
پر کہتے ہوں گے۔ کہ میں مسلمان ہوں اور دکھلانے کے لئے کلمہ بھی پڑھتے ہوں گے۔ اور پنج وقت نماز
بھی پڑھتے ہوں گے۔ کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ جو کوئی مسلمانوں کے ساتھ مل کر اور بظاہر مسلمان بن کر
سفر کرے وہ نماز پڑھنے سے اپنے تئیں روک نہیں سکتا۔ بالخصوص جبکہ کسی نے حاجیوں کے ساتھ
خانہ کعبہ کا قصد کیا ہو تو کیونکر ممکن ہے کہ وہ جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھے اور قافلہ کے لوگ اس سے
دریافت نہ کریں کہ کیا وجہ کہ آج تو نے نماز نہیں پڑھی۔ غرض ایسا مکروہ فریب کہ اندر سے ہندو ہونا اور بظاہر
کلمہ بھی پڑھنا روزہ بھی رکھنا اور حاجیوں کے ساتھ حج کرنے کے لئے جانا کسی نیک انسان سے ہرگز
صادر نہیں ہو سکتا بلکہ ایسی حرکتیں صرف اُن لوگوں سے سرزد ہوتی ہیں جن کو خدا تعالےٰ پر بھی ایمان
نہیں ہوتا اور نفسانی اغراض کے لئے بہروپیوں کی طرح اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ بہتر ہے کہ سکھ صاحبان
ایک منٹ کے لئے اس کیفیت کا خاکہ اپنے اندر کھینچیں اور آپ ہی سوچیں کہ ایسی حرکات ایک
پارسا انسان کے چال چلن کو داغ لگاتی ہیں یا نہیں۔ راستبازوں کی زندگی نہایت صفائی اور سادگی
سے ہوتی ہے وہ اس طرح کے فریبوں سے طبعاً کراہت کرتے ہیں جو اُن کی یک رنگی میں خلل انداز ہوں
اور میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ یہ افترا کہ گویا مکہ بابا صاحب کے پیروں کی طرف پھرتا تھا۔ نہایت مکروہ
افترا ہے۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیہودہ باتیں اس وقت کتاب میں ملائی گئی ہیں کہ جب بابا نانک
صاحب کا حج کرنا بہت مشہور ہو گیا تھا اگر معقولی طور پر کچھ باتیں زیادہ کی جاتیں تو شاید بعض لوگ دھوکا
میں آجاتے مگر اب اس زمانہ میں اس نامعقول جھوٹ کو کوئی طبیعت قبول نہیں کر سکتی میں ان لوگوں
کے ساتھ اتفاق نہیں کر سکتا جو کہتے ہیں۔ کہ بابا صاحب مکہ میں نہیں گئے۔ کیونکہ جب تک
کسی بات کی کچھ اصلیت نہ ہو محض افترا کے طور پر کسی مشہور انسان کی سوانح میں اتنا بڑا

جھوٹ لکھ دینا ایک ایسی جرأت ہے جس پر لاکھوں انسانوں کا اتفاق کر لینا خلاف قیاس ہے ماسوا اس کے
بابا نانک صاحب کا حج کے لئے جانا صرف سکھوں کی کتابوں سے ہی نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ چشتی خاندان
کے بہت سے ثقہ لوگ اب تک سینہ بسینہ یہ روایت کرتے آئے ہیں کہ بابا نانک صاحب ضرور
حج کے لئے مکہ میں گئے تھے پس اتنا بڑا واقعہ جو سکھوں اور مسلمانوں میں متفق علیہ ہے۔ کیونکر
یک لخت جھوٹ ہو سکتا ہے۔ ہاں جو زوائد ملائے گئے ہیں جو نہ صرف اسلامی روایتوں کے
مخالف بلکہ عقل اور قیاس اور تاریخ کے بھی مخالف ہیں وہ بے شک افترا اور جھوٹ ہے
بہتر ہو کہ اب بھی سکھ صاحبان جنم ساکھیوں میں سے ان بے جا زوائد کو نکال دیں۔ کیونکہ یہ نامعقول
اور پُر تعصب قصے واقعات صحیحہ کو ایک کلنک کی طرح لگے ہوئے ہیں۔ اور اب وہ زمانہ نہیں کہ
کوئی زیرک اُن کو قبول کرے۔ اگر ایسے قصے ہندوؤں کے تیرتھوں اور مقامات متبرکہ اور درباروں
کی نسبت کوئی مسلمان پیش کرتا تو کیا بجز دل دکھانے کے اس کا کوئی اور نتیجہ بھی ہوتا جبکہ معقول
باتیں بھی عدالتوں میں بجز تسلی بخش ثبوت کے قابل پذیرائی نہیں ہوتیں تو ایسے بیہودہ اور نامعقول
باتیں جو تاریخی ثبوتوں کے بھی مخالف ہیں کیونکر اور کس طرح قبول ہو سکتی ہیں۔

پھر اسی بھائی گورداس کی واران میں ہے کہ بابا نانک جب بغداد میں گیا
تو شہر میں جا کر باہر اپنا ڈیرہ لگایا اور دوسرا شخص بابا کے ساتھ بھائی مردانہ تھا۔ جا کر بانگ دی۔
اور نماز کو ادا کیا دیکھو واراں گورداس صفحہ ۱۳ مطبوعہ مطبع مصطفائی لاہور سمت ۱۹۴۷ پھر اس میں اور جنم
ساکھی بھائی منی سنگھ میں لکھا ہے کہ بغداد میں بابا صاحب کی ملاقات پیر دستگیر محی الدین یعنی سید
عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور بہت گفتگو ہوئی۔ دیکھو جنم ساکھی بھائی منی سنگھ
صفحہ ۳۶۴ مطبوعہ مطبع مصطفائی سمت ۱۹۴۷

اب ناظرین خود سوچ لیں کہ بابا نانک صاحب تو سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ
کے فوت ہونے سے چار سو برس بعد ہوئے ہیں پھر کیسے سید موصوف سے بابا صاحب کی ملاقات
ہو گئی۔ یہ کس قدر بیہودہ جھوٹ ہے۔ غرض ان تمام افتراؤں کو الگ کر کے اصل بات یہی ثابت
ہوتی ہے کہ بابا صاحب ضرور مکہ میں حج کے لئے گئے تھے اور پھر سید عبدالقادر جیلانی کے روضہ کی
زیارت کے لئے بغداد میں بھی گئے اور جو اُس پر زوائد ملائے گئے ان کے بے اصل اور دروغ ہونے پر

یہ ثبوت کافی ہے کہ وہ نہ صرف معقولی طریق کے برخلاف ہیں۔ بلکہ واقعات صحیحہ کے بھی مخالف ہیں
اب ان کو سچ وہی سمجھے کہ نِرا پاگل ہو جائے۔ کاش اگر ایسے جھوٹھ ملانے والوں کو کچھ تاریخ دانی سے
بھی حصہ ہوتا تو ایسا سفید جھوٹ بولنے سے شرم کرتے۔ بابا نانک صاحب کا قارون سے ملاقات کرنا
باوا فرید شکر گنج سے ملنا کیسی قابل ہنسی باتیں ہیں جو جنم ساکھیوں میں لکھی گئی ہیں۔ تمام لوگ
جانتے ہیں کہ قارون تو حضرت موسیٰ کے وقت میں ایک بخیل دولتمند تھا جس کو فوت ہوئے تین ہزار
برس سے بھی زیادہ مدت گذر گئی۔ اس کی ملاقات بابا نانک صاحب سے کیونکر ہو گئی اور باوا فرید صاحب
دو سو برس باوا نانک صاحب کے وجود سے پہلے دنیا سے گذر گئے۔ ان سے ملاقات ہونے کے کیا معنی
یہ تمام امور اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ ان جنم ساکھیوں میں حق کے چھپانے اور تعریف میں مبالغہ
کرنے کے لئے بہت ناجائز افترا کئے گئے ہیں۔ منہ

لقب دیا۔ اور ایسا ہونا ممکن نہ تھا جب تک باوا نانک صاحب اُن ملکوں میں اپنا اسلام ظاہر نہ کرتے اب حاصل کلام یہ ہے کہ یہ چولہ جو کابلی مل کی اولاد کے ہاتھ میں ہے۔ باوا نانک صاحب کی طرز زندگی اور اُن کی ملت و مشرب کا پتہ لگانے کے لئے ایسا عمدہ ثبوت ہے کہ اس سے بہتر ملنا مشکل ہے میں نے اس ثبوت میں بہت غور کی اور بہت دنوں تک اس کو سوچتا رہا آخر مجھے معلوم ہوا کہ باوا صاحب کے اندرونی حالات کے دریافت کرنے کے لئے یہ وہ اعلیٰ درجہ کا ثبوت ہے جس پر سکھ صاحبوں کو فخر کرنا چاہیئے بلاشبہ انہیں لازم ہے کہ اگر باوا نانک صاحب سے انہیں سچی محبت ہے تو اس بزرگ چولہ کو تحقیر کی نگاہ سے نہ دیکھیں بلکہ اس کو سرمایہ افتخار سمجھیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ گرنتھ ایک زمانہ دراز یعنے دو سو برس کے بعد جمع کیا گیا ہے اور گرنتھ والوں کو اس بات کا اقرار ہے کہ اس میں بہت سے اشعار باوا صاحب کی طرف منسوب کر دیئے گئے حالانکہ وہ اشعار درحاصل ان کی طرف سے نہیں ہیں اس صورت میں گرنتھ موجودہ باوا صاحب کی قطعی اور یقینی سوانح پیش کرنے کے وقت حجت قاطعہ کے طور پر پیش نہیں ہو سکتا ہاں یہ شرف اور منزلت چولہ صاحب کو حاصل ہے کہ جو نہ دو سو برس بعد بلکہ نانک صاحب کے ہاتھ سے ہی اُن کے جانشینوں کو ملا اور تاریخی تواتر سے اب تک نہایت عزت کے ساتھ محفوظ رہا۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض سکھ صاحبان میری اس تحریر سے ناخوش ہیں بلکہ سخت ناراض ہیں کہ کیوں باوا نانک صاحب کو مسلمان قرار دیا گیا ہے لیکن مجھے نہایت شبہ ہے کہ وہ اس بات کو سمجھے بھی ہوں کہ میں نے کن دلایل سے باوا صاحب کو مسلمان یقین کیا ہے انہیں معلوم ہو کہ میں نے باوا صاحب کو مسلمان نہیں ٹھیرایا بلکہ انہیں کے پاک افعال اور اقوال ہر یک منصف کو اس رائے کے ظاہر کرنے کے لئے مجبور کرتے ہیں جو میں نے ظاہر کی یوں تو سکھ صاحبوں سے ہندو صاحب تعداد میں بہت زیادہ ہیں اور اُن کے پنڈت بھی اس قدر ہیں کہ شاید سکھ صاحبوں کی کل مردم شماری بھی اس قدر نہ ہو مگر میں نے کسی کی نسبت یہ رائے ظاہر نہیں کی کہ فلاں پنڈت درپردہ مسلمان تھا۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ درحقیقت وہ دشمن دین ہیں اور وہ راست بازی جس کو ہم اسلام سے تعبیر کرتے ہیں اس کا ہزارم حصہ بھی

ان میں موجود نہیں مگر ہم اگرچہ دونو آنکھیں بھی بند کرلیں پھر بھی کسی طرح باوا صاحب کے اسلام کو چھپا نہیں سکتے اُنہوں نے فی الواقع اسلامی عقاید کو سچ اور صحیح اور درست جانا اور اپنے اشعار میں اُن کی گواہی دی اور نیز اپنے اشعار میں صاف اقرار کیا کہ مدار نجات لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے اور اسلام کے مشایخ سے بیعت کی اور اولیا کے مقابر پر چلہ نشینی اختیار کرکے نماز اور روزہ میں مشغول رہے اور دو حج کئے اور اپنے چولہ صاحب کو آیندہ نسلوں کے لئے ایک وصیت نامہ چھوڑ گئے۔ اب بھی اگر باوا صاحب مسلمان نہیں تو اس سے زیادہ کوئی ظلم نہیں ہوگا بلاشبہ باوا صاحب کے قول اور فعل سے ان کا اسلام ایسا ثابت ہوتا ہے کہ جیسے نصف النہار میں آفتاب چاہیئے کہ ہریک مسلمان ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھے اور اخوت اسلامی میں داخل تصور کرے۔ ہاں یہ بات سچ ہے کہ باوا صاحب مسیح ابن مریم کے نزول اور حیات کے قایل نہیں تھے بلکہ اُسی بروز کے قایل تھے جو صوفیوں میں مسلّم ہے یعنی بعض وقت بعض گذشتہ صلحا کی کوئی ہم شکل رُوح جو نہایت اتحاد اُن سے رکھتی ہے دنیا میں آجاتی ہے اور اس رُوح کو اس روح سے صرف مناسبت ہی نہیں ہوتی بلکہ اُس سے مستفیض بھی ہوتی ہے اور اس کا دُنیا میں آنا بعینہٖ اُس رُوح کا دُنیا میں آنا شمار کیا جاتا ہے اس کو متصوفین کی اصطلاح میں بروز کہتے ہیں سو اس کے باوا صاحب قایل ہیں باوا صاحب کے چولہ میں یہ تحریر موجود ہے۔ کہ خدا وہ سچا خدا ہے جس کا نہ کوئی باپ نہ بیٹا اور نہ ہمسر ہے اور ایسے اشارے اُنہوں نے اپنے شعروں میں بھی بہت کئے ہیں۔ اس سے کچھ تعجب نہیں کہ باوا صاحب کو کشفی طور پر معلوم ہوگیا ہو کہ تین سو[۳۰۰] برس کے بعد اس ملک ہند پر نصاریٰ کا تسلط ہوگا اور ان کے ایسے ہی عقیدے ہونگے سو اُنہوں نے نصیحت کے طور پر سمجھا دیا کہ اگر اُن کا زمانہ پاؤ تو اُن کے مذہب سے پرہیز کرو کہ وہ لوگ مخلوق پرست اور سچے اور کامل خدا سے دُور اور بے خبر ہیں اور درحقیقت باوا صاحب جس خدا کی طرف اپنے اشعار میں لوگوں کو کھینچنا چاہتے ہیں۔ اس پاک خدا کا نہ ویدوں میں کچھ پتہ لگتا ہے اور نہ عیسائیوں کی انجیل محرف مخرب میں۔ بلکہ وہ کامل اور پاک خدا قرآن شریف کی مقدس آیات میں جلوہ نما ہے چنانچہ میں ابھی نمونہ کے طور پر لکھوں گا۔ اور آیندہ قصد رکھتا ہوں کہ باوا صاحب

کے کُل اشعار کی نسبت یہ ثبوت دُوں کہ درحقیقت ہر یک عمدہ مضمون اُنہوں نے قرآن شریف سے ہی لیا ہے اور نہ صرف اس قدر بلکہ اس کو اپنا اعتقاد ٹھہرا دیا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سکھ صاحبان نے کبھی پوری توجہ باوا نانک صاحب کے قول اور فعل پر غور کرنے کے لئے نہیں کی ورنہ میں کیونکر یقین کروں کہ اگر وہ ایک محیط اور گہری نظر اُن کے افعال اور اقوال اور طرز زندگی پر کرتے اور ان کی تمام قولوں اور فعلوں کو یکجائی نظر سے دیکھتے تو پھر اس نتیجہ تک نہ پہنچتے جس تک خدا تعالیٰ نے مجھے پہنچایا۔ مگر اب مجھے امید ہے کہ میری کتاب کی تحریک سے بہت ایسے لوگ جو شریف اور پاکدل ہیں ان تمام سچائیوں سے فائدہ اُٹھائیں گے جو میں نے اس کتاب میں لکھی ہیں اور اگر میری اِن تحریروں سے ایک نیک دل انسان بھی اپنے تئیں ان غلطیوں سے بچالیگا جن میں وہ مبتلا تھا تو میں اس کا اجر پاؤں گا۔

باوا نانک صاحب کی اسلام پر دوسری دلیل

اُن کے وہ چلّے ہیں جو انہوں نے اسلام کے مشہور اولیاء اور صلحاء کی مقابر پر بغرض استفاضہ کئے

تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ باوا صاحب نے بمقام سرسہ شاہ عبد الشکور صاحب کی خانقاہ پر چالیس دن تک ایک چلّہ کیا جیسا کہ صلحاء مسلمانوں کا طریق ہے۔ مسجد کے قریب ایک خلوت خانہ بنا کر اس میں نماز نوافل پڑھتے رہے اور فرائض پنجگانہ جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرتے رہے اور اسی غرض سے اُنہوں نے اپنا خلوتخانہ رو بقبلہ بنایا تا وہ مسجد البیت کی طرح ہو جاوے۔ اب اُس خلوت خانہ کا نام چلّہ باوا نانک کر کے مشہور ہے اور پنجاب اور سندھ وغیرہ سے سکھ صاحبان اس چلّہ کی زیارت کرنے کے لئے گروہ در گروہ آتے ہیں۔ اور بہت کچھ روپیہ چڑھاتے ہیں اور وہ روپیہ ان مجاور مسلمانوں کو ملتا ہے جو شاہ عبد الشکور صاحب کی خانقاہ پر مقرر ہیں کیونکہ باوا صاحب نے یہ چلّہ اس خانقاہ کے قریب اس غرض سے کیا کہ باوا صاحب کو شاہ عبد الشکور صاحب کے کامل ولی ہونے پر نہایت اعتقاد تھا اور وہ جانتے تھے کہ اولیاء کے مقامات کے قریب خدا تعالیٰ کی برکتیں نازل ہوتی ہیں - اور وہ زمین نہایت مُبارک

ہوتی ہے جس میں خدا تعالیٰ کے پیارے بندے سوئے ہوئے ہیں سو اسی غرض سے اُنہوں نے اُن کی خانقاہ کے پاس عبادت کے لئے اپنا خلوتخانہ بنایا۔ ہم نے جو اپنے ایک مخلص ڈاکٹر محمد اسمٰعیلخاں صاحب کو موقعہ پر تحقیقات کرنے کی غرض سے بھیجا تو اُنہوں نے کامل تحقیقات کر کے کاغذات متعلقہ تحقیقات جو نہایت تشفی بخش تھے ہماری طرف روانہ کئے چنانچہ ان میں سے ایک موقعہ چلہ کا نقشہ ہے جو اس رسالہ کے ساتھ شامل کیا گیا۔ جس کو منشی بختاور سنگھ صاحب اوورسیر نے بہت تحقیق کے ساتھ طیار کیا کاغذات آمدہ سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ باوا نانک صاحب نے بعض اور مشاہیر بزرگان اسلام کی خانقاہوں پر بھی چلہ کیا ہے چنانچہ ایک چلہ حضرت معین الدین صاحب چشتی کی خانقاہ پر بمقام اجمیر کیا اور ایک چلہ بمقام پاک پٹن اور ایک چلہ بمقام ملتان لیکن چونکہ وقت تنگ تھا اس لئے ہم نے صرف چلہ سرسہ اور چلہ ملتان پر کفایت کی سو سرسہ کی چلہ کی کیفیت تو ہم بیان کر چکے اور نقشہ بھی اس رسالہ کے ساتھ آویزاں ہے۔ مگر ملتان کے چلہ کی کیفیت بتفصیل ذیل ہے

ملتان کے چلّہ کی کیفیت

میں نے اپنے ایک معزز دوست کو جو ایسے امور کی تحقیقات کے لئے ایک طبعی جوش رکھتے تھے اس بات کیلئے تکلیف دی کہ وہ ملتان میں جا کر برسر موقعہ یہ تحقیقات کریں کہ درحقیقت باوا نانک صاحب نے ملتان میں کوئی چلہ کیا ہے یا نہیں چنانچہ ۲۰ ستمبر ۱۸۹۵ء کو اُن کا خط معہ نقشہ موقعہ کے بذریعہ ڈاک مجھ کو ملا جس کی اصل عبارت ذیل میں لکھی جاتی ہے

بحضرت جناب مسیح موعود مہدی زمان مرزا صاحب دام برکاتہ'

بعد سلام نیازانہ کے گذارش ہے کہ سرفراز نامہ حضور کا شرف صدور لا کر باعث سعادت دارین ہوا۔ کمترین برائے تعمیل ارشاد ۱۹ ستمبر ۱۸۹۵ء کو ملتان میں پہنچا۔ عند التحقیقات معلوم ہوا کہ باوا نانک صاحب نے روضہ مبارکہ حضرت شاہ شمس تبریز پر چالیس روز تک چلہ کیا تھا۔ نقشہ روضہ شامل عریضہ ہذا ارسال ہے نقشہ میں دکھایا گیا ہے کہ روضہ کے جانب جنوب میں وہ مکان ہے جو چلہ نانک کہلاتا ہے

روضہ کی دیوار جنوبی میں ایک مکان محراب دار دروازہ کی شکل پر بنا ہوا ہے۔ اس پر یا اللہ کا لفظ لکھا ہوا ہے
اور ساتھ اس کے ایک پنجہ بنا ہوا ہے اس شکل پر یا اللہ ۔ اس جگہ کے ہندو مسلمان اس بات پر
اتفاق رکھتے ہیں کہ یہ لفظ یا اللہ کا باوا صاحب نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اور پنجہ کی شکل بھی اپنے ہاتھ سے
بنائی تھی۔ دیوار کے ساتھ بائیں دیوار میں ایک مکان کا یہ نشان بنا ہوا ہے ☐ یہ جگہ
ڈیڑھ گز قریب طول میں اور ایک گز عرض میں ہے اور یہ بات ملتان کے ہندو مسلمانوں کے نزدیک
مسلم ہے کہ اس جگہ باوا نانک صاحب چالیس روز چلہ میں بیٹھے تھے۔ چنانچہ ہندو لوگ اس جگہ کو متبرک
سمجھ کر زیارت کرنے کو آتے ہیں اور ایسا ہی سکھ بھی زیارت کے لئے ہمیشہ آتے رہتے ہیں اس روضہ کے
اندرونی احاطہ میں ایک مسجد بھی واقع ہے جو نقشہ میں دکھائی گئی ہے اور وہ باوا نانک صاحب کے چلہ سے
بہت قریب ہے صرف پانچ چھ کرم کا فرق ہے اور باوا صاحب کا یہ مکان چلہ روبقبلہ ہے* جس میں قبلہ کی
طرف مونہہ کرنا چلہ کش کا اصل مقصود پایا جاتا ہے اور روضہ کے گرداگرد ایک مکان مسقف بنا ہوا ہے
جس کو یہاں کے لوگ غلام گردش کہتے ہیں جس کا نمونہ نقشہ میں علیحدہ دکھلایا گیا ہے نانک صاحب کی
جائے نشست غلام گردش کے اندر ہے جو جگہ مسقف ہے اور بخسیس شاہ صاحب رئیس ملتان سجادہ نشین
شمس تبریز سبزواری کی زبانی معلوم ہوا کہ جب باوا نانک صاحب بیت اللہ شریف سے واپس تشریف لائے
تو حج خانہ کعبہ سے فراغت کرتے ہی ملتان میں آئے ‡ اور روضہ مبارکہ شاہ شمس تبریز صاحب پر چالیس روز

* نوٹ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ باوا صاحب کا وہ مکان چلہ جو سرسہ میں بنا ہوا ہے وہ بھی روبقبلہ ہے اللہ اب ہماری اس
دوست کی تحریر سے معلوم ہوا ہے کہ یہ چلہ بھی روبقبلہ باوا صاحب نے بنایا تا نماز پڑھنے کے لئے آسانی ہو۔ اور
مسجد کے قریب بنایا تا فرضی نمازیں جماعت کے ساتھ مسجد میں سہولیت سے ادا کریں۔ اب ان روشن ثبوتوں
کے مقابل پر باوا صاحب کے اسلام سے انکار کرنا گویا دن کو رات کہنا ہے۔ م ۔ غ ۔ ا

‡ نوٹ اللہ اللہ یہ شخص کیسا دین اسلام کی محبت میں فنا ہو گیا تھا اور خدا جوئی اور محبت الٰہی کی آگ کیسی اور کس قدر اس کے دل میں
جوش زن تھی اور کس زور و شور سے اس کے اندر آگ بھڑک رہی تھی اور وہ کیا شے تھی جو اس کو ایسا بے آرام کر رہی تھی
جو مکہ معظمہ میں مدت دراز تک رہ کر پھر نہ چاہا کہ گھر میں جا کر آرام کرے اور بچوں کی محبت میں مشغول ہو بلکہ سیدھا ملتان میں
پہنچا اور شمس تبریز کے روضہ کے قرب و جوار میں ریاضت اور مجاہدہ شروع کیا۔ چاہیئے کہ ہر ایک سستی کا مارا دنیا میں غرق
نام کا مسلمان بلکہ مولوی اس مرد خدا کی سرگرمی کے طرف خیال کر کے عبرت پکڑے۔ اور مرنے سے پہلے متنبہ ہو جائے
کہ پھر یہ موقعہ دوسری مرتبہ ہرگز نہیں ملیگا کہ دنیا میں آوے اور خدا تعالیٰ کے راضی کرنے کے لئے دل و جان سے
مجاہدات کرے۔ یارو یہی چند روز ہیں جس نے سمجھنا ہو سمجھ لیوے۔ اسے سونے والو جاگو اور اگر رات ہے تو دن کا انتظار
مت کرو اور اگر دن ہے تو رات کے منتظر مت رہو کہ پیچھے سے بے فائدہ رونا ہوگا اور دل کو جلا دینے والی حسرتیں کبھی منقطع نہیں ہونگی

چلہ میں بیٹھے رہے اور اُن کا ورد خدا تعالیٰ کے ناموں میں سے ہُوْ کے نام کا وِرد تھا۔ کیونکہ شاہ شمس تبریز کا بھی یہی ورد تھا۔ اور اکثر وہ یہ مصرع پڑھا کرتے تھے۔

بجز یا ہُوْ و یا مَن ہُوْ دگر چیزے نمیدانم

بجنسہٖ شاہ صاحب کا یہ بھی بیان ہے کہ باوا صاحب کا باپ مسمی بھائی کالو اوران کا دادا مسمی بھائی سوبھا بھی حضرت شاہ شمس تبریز صاحب کے سلسلہ کے مرید تھے اسی لئے باوا نانک صاحب بھی اسی سلسلہ میں مرید ہوئے۔ یہ تو سجادہ نشین صاحب کا بیان ہے جو ملتان کے رئیس بھی ہیں۔ مگر اس کے مطابق ہی سید حامد شاہ صاحب گردیزی رئیس ملتان اور خلیفہ عبدالرحیم صاحب جو خاص مجاور روضہ موصوفہ کے ہیں گواہی دیتے ہیں۔ اُن کا بیان ہے کہ یہ ایک مشہور واقعہ متواتر رواتیوں سے چلا آتا ہے اور عام اور خاص اور ہندو اور مسلمان اس پر متفق ہیں کہ روضہ موصوفہ کے ساتھ باوا نانک صاحب نے ایک خلوت خانہ بنا کر چالیس روز تک اس میں چلہ کیا تھا اور جو دیوار پر یا اللہ کا لفظ لکھا ہوا اب تک موجود ہے۔ اور ساتھ اس کے ایک پنجہ ہاتھ کی شکل پر بنایا ہوا ہے۔ یہ دونوں یادگار بھی باوا نانک صاحب کے ہی ہاتھ کی ہیں۔ لہٰذا ہندو لوگ باوا صاحب کی تحریر اور نشان کی بہت تعظیم کرتے ہیں۔ یہ واقعات ہیں جو موقعہ کی تحقیقات سے معلوم ہوئے اور یہ بات بالکل صحیح ہے کہ باوا نانک صاحب کے اس جگہ چلہ بیٹھنے اور یا اللہ کا لفظ لکھنے اور اس جگہ پنجہ کی شکل بنانے میں ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کو اتفاق ہے

* نوٹ ڈاکٹر ٹرمپ کا یہ قول کہ یہ بات قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی کہ نانک مکہ میں بھی گیا ہو۔ سراسر قلت تدبر اور کم سوچنے کی وجہ سے ہے جس حالت میں ڈاکٹر صاحب خود گرنتھ کے ترجمہ میں باوا نانک صاحب کا یہ قول لکھ چکے ہیں کہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ بجز شفاعت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کوئی شخص نجات نہیں پائیگا تو ایسے صدق اور اعتقاد کے آدمی پر یہ بدظنی کرنا کہ اُن کا مکہ میں جانا ایک موضوع قصہ معلوم ہوتا ہے صحیح نہیں ہے۔ ہاں وہ نامعقول زوائد جو ساتھ لگائے گئے ہیں وہ بیشک سراسر افترا ہے اور حج کے لئے مکہ میں باوا صاحب کا جانا چشتی خاندان کے صوفیاء میں سینہ بسینہ روایت چلی آتی ہے چنانچہ ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے بلکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ باوا صاحب دو برس برابر مکہ معظمہ میں رہے اور مکہ معظمہ کی طرف اُنہوں نے دو سفر کئے اور دو حج کئے پس ثابت شدہ باتیں کیونکر چھپ سکتی ہیں۔ م-غ-ا-ہ

اور کوئی کسی قسم کا عذر اور شک نہیں کرتا اور کسی کو اس کی تسلیم اور تصدیق میں انکار نہیں ہے۔

الراقم آپ کا نیازمند

نیاز بیگ از ملتان ۲۰ ستمبر ۱۸۹۵ء

یہ وہ خط ہے جو میرزا صاحب مقدم الذکر نے کمال تحقیقات کے بعد ہماری طرف لکھا۔ اور اس کے ساتھ انہوں نے نہایت محنت اور تحقیق سے ایک نقشہ موقعہ چلہ کا بھی مرتب کر کے بھیجدیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔
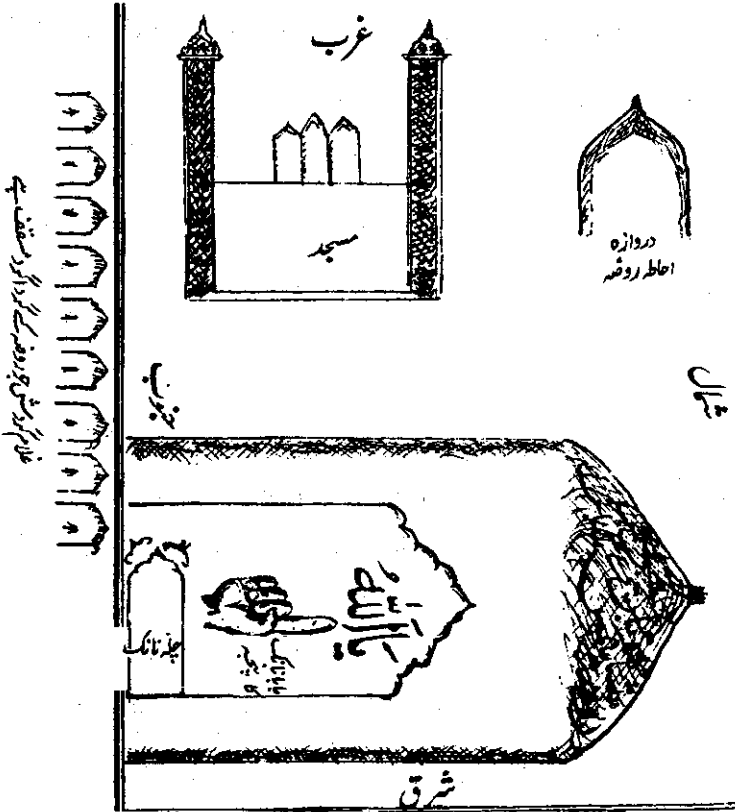
نوٹ:۔ اللہ کا اسم قرآنی اسماء میں سے اسم اعظم ہے اور باوا صاحب کا یا اللہ اپنے ہاتھ سے لکھنا اور پھر اس کے نیچے اپنے ہاتھ کی شکل بنا کر رکھ دینا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اے وہ اللہ جو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر ہوا دیکھ کر میں تیری طرف آگیا ہوں اور تیرا تابعدار ہو گیا ہوں سو تو رحم کر کے میری دستگیری کر کہ میں تیرے ہی آستانہ پر گرا ہوں۔ منہ

اخبار خالصہ بہادر نمبر ۶ مورخہ ۲۸ستمبر ۱۸۹۵ء

اس اخبار کے ایڈیٹر صاحب کو یہ بات نہایت مستبعد معلوم ہوئی ہے کہ باوا نانک صاحب اہل اسلام میں سے تھے۔ اس لئے وہ نہایت سادگی سے فرماتے ہیں کہ اصل بات یہ ہے کہ باوا صاحب نہ ہندو مت کے پابند تھے اور نہ مسلمان تھے بلکہ صرف واحد خدا پر اُن کا یقین تھا۔ اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ ایڈیٹر صاحب کی اس تقریر کا خلاصہ یہی ہے کہ باوا صاحب نہ تو وید کو پرمیشر کی طرف سے جانتے تھے۔ اور نہ قرآن شریف کو ہی منجانب اللہ تسلیم کرتے تھے اور ان دونوں کتابوں میں سے کسی کا بھی الہامی ہونا قبول نہیں کرتے تھے۔ لیکن وید کی نسبت تو یہ قول اڈیٹر صاحب کا بے شک صحیح ہے۔ کیونکہ اگر باوا صاحب وید کے پابند ہوتے تو اپنے شبدوں میں بار بار یہ اقرار نہ کرتے کہ خدا ارواح اور اجسام کا خالق ہے اور نجات جاودانی ہے اور خدا توبہ اور عاجزی کرنے کے وقت گناہ بخش دیتا ہے اور الہام کا دروازہ بند نہیں ہے کیونکہ یہ سب باتیں وید کے اصول کے مخالف ہیں اور باوا صاحب نے اس پر بس نہیں کیا بلکہ چاروں ویدوں کو کہانی یعنے محض یاوہ گوئی قرار دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ چاروں وید عارفوں کی راہ سے بے خبر ہیں۔ سو باوا صاحب کی ان تمام باتوں سے بلاشبہ یقینی طور پر کھل گیا ہے کہ باوا صاحب نے ہندو مذہب کو چھوڑ دیا تھا اور ہندوؤں کے وید اور اُن کے شاستروں سے سخت بیزار ہو گئے تھے مگر یہ بات صحیح نہیں ہے۔ کہ باوا صاحب ہندو مذہب کو چھوڑ کر پھر بالکل لامذہب ہی رہے کیا باوا صاحب اس قدر بھی نہیں سمجھتے تھے کہ وہ خدا کہ جس نے نوع انسان کو اس کی جسمانی محافظت کے لئے سلاطین کی قہری حکومتوں کے نیچے داخل کر دیا اس نے رُوحانی بلاؤں سے بچانے کے لئے جو انسان کی فطرت کو لگی ہوئی ہیں کوئی قانون اپنی طرف سے ضرور بھیجا ہوگا۔ اڈیٹر صاحب فرماتے ہیں کہ باوا صاحب واحد خدا پر یقین رکھتے تھے مگر سوال یہ ہے کہ یہ یقین اُن کو کیونکر اور کس راہ سے حاصل ہوا۔ اگر کہو کہ صرف عقل اور فہم سے سو واضح ہو کہ یہ بات ہزارہا

صادقوں اور عارفوں کی شہادتوں سے ثابت ہو چکی ہے۔ خدا تعالیٰ کی شناخت کے لئے عقل ناکافی ہے
دُنیا میں دنیوی علوم بھی تعلیم کے ذریعہ سے ہی حاصل ہوتے رہے ہیں اور اگر مثلاً ایک کروڑ شیر خوار بچہ
کو بھی کسی تہہ خانہ میں تعلیم سے دُور رکھ کر پرورش کیا جاوے تو قطع نظر اس سے کہ وہ بچے علوم طبیعی و طبابت
و ہیئت وغیرہ خود بخود سیکھ لیں کلام کرنے سے بھی عاجز رہ جائیں گے اور گنگوں کی طرح ہوں گے اور اُن میں سے
ایک بھی خود بخود پڑھا لکھا نہیں نکلیگا۔ پھر جبکہ دنیوی علوم بلکہ علم زبان بھی بغیر تعلیم اور سکھلانے کے
نہیں آسکتے تو اس خدا کا خود بخود پتہ کیونکر لگے جس کا وجود نہایت لطیف اور ایک ذرہ سے بھی دقیق تر
اور غیب در غیب اور نہاں در نہاں ہے۔ اس لئے یہ گمان نہایت سادہ لوحی کا خیال ہے کہ وہ عاجز
انسان جو صدہا تاریکیوں میں پڑا ہوا ہے وہ اس ذات بیچوں اور بیچگوں اور وراء الوراء اور نہایت
پوشیدہ اور الطف اور ادق کو خود بخود دریافت کرے اور اس سے زیادہ کوئی شرک بھی نہیں کہ انسان
جو ایک مرے ہوئے کیڑے کی مانند ہے یہ پُر تکبر دعوے کرے کہ میں خود بغیر امداد اس کی چراغ ہدایت کے
اس کو دیکھ سکتا ہوں بلکہ قدیم سے یہ سنت اللہ ہے کہ جب سے کہ دُنیا پیدا ہوئی ہے وہ آپ اپنے برگزیدہ
بندوں پر اپنا موجود ہونا ظاہر کرتا رہا ہے اور بغیر ذریعہ خدا کے کوئی خدا تک پہنچ نہیں سکا اور وہی شخص
اس کی ہستی پر پورا یقین لاسکا جس کو خود اس قادر مقتدر ذوالجلال نے انا الموجود کی آواز سے تسلی بخشی اور یا
وہ شخص جو ایسی آواز سُننے والے کے ساتھ محبت کے پیوند سے یکدل و یکجان و یکرنگ ہو گیا سو دنیا میں
یہ دو ہی طریق ہیں جو خدا تعالےٰ کے قدیم قانون قدرت میں پائے جاتے ہیں اور چونکہ خدا تعالیٰ نے
ابتدا سے یہی چاہا کہ اس کی مخلوقات یعنی نباتات جمادات حیوانات یہاں تک کہ اجسام علوی میں بھی
تفاوت مراتب پایا جائے اور بعض مفیض اور بعض مستفیض ہوں اس لئے اُس نے نوع انسان میں
بھی یہی قانون رکھا اور اسی لحاظ سے دو طبقہ کے انسان پیدا کئے۔ اوّل وہ جو اعلیٰ استعداد کے
لوگ ہیں جن کو آفتاب کی طرح بلا واسطہ ذاتی روشنی عطا کی گئی ہے۔ دوسرے وہ جو درجہ دوم کے آدمی
ہیں جو اس آفتاب کے واسطہ سے نور حاصل کرتے ہیں اور خود بخود حاصل نہیں کر سکتے۔ ان دونوں طبقوں
کے لئے آفتاب اور ماہتاب نہایت عمدہ نمونے ہیں جس کی طرف قرآن شریف میں ان لفظوں میں

اشارہ فرمایا گیا ہے کہ والشمس وضحٰھا والقمر اذا تلٰھا[1] جیسا کہ اگر آفتاب نہ ہو تو ماہتاب کا وجود بھی ناممکن ہے۔ اسی طرح اگر انبیاء علیہم السلام نہ ہوں جو نفوس کاملہ ہیں تو اولیا کا وجود بھی حیز امکان سے خارج ہے اور یہ قانون قدرت ہے جو آنکھوں کے سامنے نظر آرہا ہے چونکہ خدا واحد ہے اس لئے اس نے اپنے کاموں میں بھی وحدت سے محبت کی اور کیا جسمانی اور کیا روحانی طور پر ایک وجود سے ہزاروں کو وجود بخشتا رہا۔ سو انبیاء جو افراد کاملہ ہیں وہ اولیاء اور صلحا کے رُوحانی باپ ٹھہرے جیسا کہ دوسرے لوگ اُن کے جسمانی باپ ہوتے ہیں۔ اور اسی انتظام سے خدا تعالیٰ نے اپنے تئیں مخلوق پر ظاہر کیا تا اس کے کام وحدت سے باہر نہ جائیں اور انبیا کو آپ ہدایت دیکر اپنی معرفت کا آپ موجب ہوا اور کسی نے اس پر یہ احسان نہیں کیا کہ اپنی عقل اور فہم سے اُس کا پتہ لگا کر اُس کی شہرت دی ہو بلکہ اُس کا خود یہ احسان ہے کہ اس نے نبیوں کو بھیجکر آپ سوئی ہوئی خلقت کو جگایا اور ہر یک نے اس وراء الورا اور الطف اور ادق ذات کا نام صرف نبیوں کے پاک الہام سے سُنا۔ اگر خدا تعالیٰ کے پاک نبی دنیا میں نہ آئے ہوتے تو فلاسفر اور جاہل جہل میں برابر ہوتے۔ دانا کو دانائی میں ترقی کرنے کا موقعہ صرف نبیوں کی پاک تعلیم نے دیا۔ اور ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ جبکہ انسان بچہ ہونے کی حالت میں بغیر تعلیم کے بولی بولنے پر بھی قادر نہیں ہو سکتا۔ تو پھر اُس خدا کی شناخت پر جس کی ذات نہایت دقیق در دقیق پڑی ہے کیونکر قادر ہو سکتا ہے۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ اگر باوا صاحب اُن پاک نبیوں کو کاذب جانتے تھے۔ جو ابتدا سے ہوتے چلے آئے ہیں جنہوں نے وحدانیت الٰہی سے زمین کو بھر دیا۔ تو باوا صاحب نے خورد سالی کی حالت میں اور ایسا ہی اُن کے باپ اور دادا نے اللہ جلشانہ کا نام کہاں سے سُن لیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ باوا صاحب تو کیا بلکہ اُن کے باپ بھائی کالو اور دادا صاحب بھائی سوبھا بھی خدا تعالیٰ کے نام سے بیخبر نہ تھے۔ سو اگر باوا صاحب ہی سچی معرفت کے بانی مبانی ہیں تو اُن کے وجود سے پہلے یہ پاک نام کیوں مشہور ہو گیا۔ پس اس دلیل سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کے مقدس اور پاک لوگ ابتدا سے ہوتے رہے ہیں۔ جو اُس سے الہام پا کر اس کی خبر لوگوں کو دیتے رہے۔ مگر سب سے بڑے اُن میں سے

[1] الشمس: ۲ - ۳

وہی ہیں جن کی بڑی تاثیریں دُنیا میں پیدا ہوئیں اور جن کی متابعت سے بڑے بڑے اولیا ہر ایک زمانہ میں ہوتے رہے سو وہ جناب سید الانبیاء **محمد مصطفٰے** صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی امت کی تعداد انگریزوں نے سرسری مردم شماری میں بیس کروڑ لکھی تھی۔ مگر جدید تحقیقات کی رُو سے معلوم ہوا ہے کہ دراصل مسلمان روئے زمین پر چورانوے کروڑ ہیں*۔ اور باوا نانک صاحب اس بات کے بھی قایل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بڑے بڑے اولیا گذرے ہیں۔ تب ہی تو باوا صاحب صدق دل سے **شیخ معین الدین چشتی** صاحب کے روضہ پر چالیس دن تک چلہ بیٹھے رہے تا اُنکی رُوح سے برکتیں اور فیض حاصل ہو اور دل صاف ہو کر یاد الٰہی میں حضور پیدا ہو۔ پھر وہاں سے اُٹھ کر بمقام سرسہ **شیخ عبدالشکور سلمی** کے روضہ پر چالیس دن تک چلہ نشین رہے اور تسبیح اور نماز اور استغفار اور درود شریف میں مشغول رہے پھر پاک پتن میں **باوا فرید صاحب** کے روضہ پر چلہ نشین ہوئے پھر مکہ معظمہ میں جاکر فریضہ حج بجا لائے اور پھر مدینہ منورہ میں پہنچ کر چپا کران حضرت نبوی کے سلسلہ میں سعادت حاصل کی اور مجھے تحقیقی طور پر اس بات کا پتہ نہیں ملا کہ مدینہ منورہ میں کتنی مدت رہے مگر مکہ سے گیارہ دن میں مدینہ منورہ میں پہنچے چنانچہ علاوہ سینہ بسینہ روایتوں کے بالا کی جنم ساکھی میں بھی یہی لکھا ہے۔ پھر مدینہ سے فارغ ہو کر اپنے مرشد خانہ میں بمقام ملتان پہنچے

* **نوٹ**۔ یہ ایک نہایت غلط اور خلاف واقعہ بلکہ بدیہی البطلان بات مشہور تھی کہ مسلمانوں کی تعداد صفحہ دنیا میں صرف بیس کروڑ ہے کیونکہ اب جدید تحقیقات سے اور نہایت واضح دلایل اور روشن قراین سے ثابت ہو گیا ہے کہ در اصل اہل اسلام کی تعداد روئے زمین پر چورانوے کروڑ ہے چنانچہ یہی مضمون بعض انگریزی اخبارات میں بھی چھپ گیا ہے اور اس تعداد کی تقسیم اس طرح پر کرتے ہیں۔ آیندہ ہر ایک کو احتیاط رکھنی چاہیئے کہ گذشتہ غلطی پر بھروسہ کرکے مسلمانوں کی تعداد کو صرف بیس کروڑ نہ سمجھ لے کیونکہ یہ جدید تحقیق کوئی نظری اور مشتبہ امر نہیں ہیں بلکہ اس کی وجوہ بہت صاف اور بدیہی اور نظروں کے سامنے ہیں یہ قاعدہ ہے کہ ابتدائی تحقیقاتیں ہمیشہ خام اور ناقص ہوتی ہیں اور آخری تحقیقات نسبتاً ایک محیط اور کامل تحقیقات ہوتی ہے جس سے پہلی غلطیاں نکل جاتی ہیں عقلمند کو چاہیئے کہ غلط خیال کو چھوڑ دے۔ منہ

برہما اور ہندوستان	.. ..	۷ کروڑ
ملایا اور سیام	.. ..	۴ کروڑ
جزائر شرق الہند	.. ..	۱۰ کروڑ
چین	.. ..	۶ کروڑ
چینی تاتار	.. ..	۱۰ کروڑ
تاتار تبت اور سائبیریا	..	۲۰ کروڑ
افغانستان معہ جمیع حدود	..	۱۴ کروڑ
ایران معہ جمیع متعلقات	..	۴ کروڑ
عرب	.. ..	ایک کروڑ
یورپ کے مختلف حصص البانیہ ہنگری آسٹریا		ایک کروڑ
باقی بلاد افریقہ وغیرہ۔		

اور چالیس روز تک روضہ شاہ شمس تبریز پر چلہ میں بیٹھے اور یہ وہ باتیں ہیں جو ایسی طور پر ثابت ہو گئی ہیں جو حق ثابت ہونے کا ہے پھر اسی پر باوا صاحب نے کفایت نہیں کی بلکہ ان لوگوں کی طرح جو غلبہ عشق میں دیوانہ کی مانند ہو جاتے ہیں چولہ پہنا جس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ ہم باوا صاحب کی کرامت کو اس جگہ مانتے ہیں اور قبول کرتے ہیں کہ وہ چولہ اُن کو غیب سے ملا اور قدرت کے ہاتھ نے اس پر قرآن شریف لکھ دیا۔ ان تمام امور سے ثابت ہے کہ باوا نانک صاحب نے دل و جان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو قبول کیا۔ اور نیز اُن کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں اعلیٰ درجہ کے اولیاء پاک زندگی والے ہوئے ہیں۔ تبھی تو وہ بعض ہندوستان کے اولیاء کی مقابر پر چلہ کشی کرتے رہے اور پھر بغداد میں جا کر سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی روضہ پر خلوت گزین ہوئے۔ اگر باوا صاحب نے اس عظمت اور وقعت کی نظر سے کسی اور مذہب کو بھی دیکھا ہے تو ان تمام واقعات کے مقابل پر وہ واقعات بھی پیش کرنے چاہئیے ورنہ یہ امر تو ثابت ہو گیا کہ باوا صاحب ہندو مذہب کو ترک کر کے نہایت صفائی اور صدق سے اسلام میں داخل ہو گئے۔ ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو کہ کیسے زبردست قرائن ننگی تلواریں لیکر آپ کے شبہات کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہی ہیں تمام واقعات جو ہم نے لکھے ہیں۔ اُن کو نظر یکجائی سے دل کے سامنے لاؤ تا اس سچے اور یقینی نتیجہ تک پہنچ جاؤ۔ جو مقدمات یقینیہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ بڑی نادانی ہے کہ کوئی واہیات اور بے سر و پا شعر ناحق باوا صاحب کی طرف منسوب کر کے اس کو ایک یقینی امر سمجھ لیں۔ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ باوا صاحب کے زمانہ کے بعد متعصب لوگوں نے بعض اقوال افترا کے طور پر اُن کی طرف منسوب کر دیئے ہیں۔ گرنتھ کے بعض اشعار اور بعض مضامین جنم ساکھیوں کے نہایت مکروہ جعل سازیوں سے لکھے گئے ہیں اس کی یہ وجہ تھی کہ متعصب لوگوں نے جب دیکھا کہ باوا صاحب کی تحریروں سے تو صاف اور کھلی کھلی اُن کا اسلام ثابت ہوتا ہے تو اُن کو اسلام کا مخالف ٹھہرانے کیلئے جعلی طور پر بعض شبد آپ بنا کر اُن کی طرف منسوب کر دیئے اور جعلی قصے لکھ دیئے اور وہ دو طور کی چالاکی عمل میں لائے ہیں اول ایسے اشعار جو باوا صاحب کے اسلام پر دلالت کرتے تھے۔ گرنتھ سے عمداً خارج رکھے حالانکہ چشتی خاندان کے فقراء جن کے سلسلہ میں باوا صاحب مرید تھے اب تک سینہ بسینہ

اُن کو یاد رکھتے چلے آئے ہیں اور اُن کی بیاضوں میں اکثر اُن کے ایسے اشعار ہیں جن میں بجز مدح وثنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے اقرار توحید اور اسلام کے اور کچھ نہیں مگر خدا کی قدرت ہے کہ جسقدر گرنتھ اور جنم ساکھیوں میں ابتک ایسے اشعار باقی ہیں وہ بھی اس قدر ہیں کہ اگر چیف کورٹ میں بھی سکھ صاحبان اور مسلمانوں کا یہ مقدمہ پیش ہو تو چیف کورٹ کے ججوں کو یہ ڈگری بحق اہل اسلام صادر کرنی پڑے کہ بے شک باوا نانک صاحب مسلمان تھے۔ اصول تحقیقات میں یہ قاعدہ مسلّم ہے کہ اگر شہادتوں میں تناقض واقع ہو۔ تو وہ شہادتیں قبول کی جائیں گی جن کو غلبہ ہو اور جن کے ساتھ اور ایسے بہت قرائن ہوں جو اُن کو قوت دیتے ہوں۔ اسی اصول پر روزمرہ ہزارہا مقدمات عدالتوں میں فیصل ہوتے ہیں۔ اور نہ صرف دیوانی بلکہ خونی مجرم بھی جو اپنی صفائی کے گواہ بھی پیش کرتے ہیں۔ ثبوت مخالف کے زبردست ہونے کی وجہ سے بلا تامل پھانسی دیئے جاتے ہیں۔ غرض جو لوگ عقلمند ہوتے ہیں وہ بچوں اور کم عقلوں کی طرح کسی ایسی بیہودہ بات پر تسلی پذیر نہیں ہو سکتے جو بڑے اور زبردست ثبوتوں کے مخالف پڑی ہو۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جب کسی فریق کو خیانت اور جعلسازی کی گنجایش مل جائے تو وہ فریق ثانی کا حق تلف کرنے کے لئے دقیق در دقیق فریب استعمال میں لاتا ہے اور بسا اوقات جھوٹی اسناد اور جھوٹے تمسکات بنا کر پیش کر دیتا ہے مگر چونکہ خدا نے عدالتوں کو آنکھیں بخشی ہیں اس لئے وہ اس فریق کے کاغذات پیشکردہ پر آپ غور کرتے ہیں کہ آیا ان میں کچھ تناقض بھی ہے یا نہیں۔ پھر اگر تناقض پایا جائے تو انہیں باتوں کو قبول کرتے ہیں جن کو غلبہ ہو اور اُن کے ساتھ بہت سے قرائنی ثبوت اور تائیدی شہادتیں ہوں۔ اب تمام سکھ صاحبان اس بات پر غور کریں کہ اگر فرض کے طور پر اِن کے ہاتھ میں دو چار شبد ایسے ہیں جو باوا نانک صاحب کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں اور اسلام کی تکذیب پر مشتمل ہیں اور اُن کے وہی معنی ہیں جو وہ کرتے ہیں اور دوسرے معنے کوئی نہیں تو پھر وہ ان بھاری ثبوتوں کے مقابل پر کیا چیز اور کیا حقیقت ہیں جو سکھ صاحبوں کی انہیں کتابوں سے نکال کر ایک ڈھیر لگا دیا گیا ہے اگر ان کے ہاتھ میں تکذیب اسلام کے بارے میں کوئی شعر ہے جو باوا نانک صاحب کی طرف منسوب کرتے ہیں تو ہم نے بھی تو وہی کتابیں پیش کی ہیں جو اُن کے مسلّم ہیں اپنے گھر سے تو کوئی بات پیش نہیں کی پس غایت درجہ یہ کہ اس ذخیرہ اور ان چند شعروں میں

متناقض ہو سو جس طرف کثرت دلایل ہے اُس کو قبول کرو اور جو کم ہے اس کو رد کرو اور دفع کرو تا تمہاری کتابوں میں متناقض نہ رہے اب کیا اس بدیہی بات سے کوئی آنکھ بند کریگا۔ اس طرف تو دلایل قاطعہ کا ایک ڈھیر ہے مگر سکھ صاحبوں کے ہاتھ مخالفانہ بحث کے وقت خالی ہیں۔

اور آپ کا یہ خیال کہ نانک صاحب اُن تمام الہامی کتابوں کو جھوٹی خیال کرتے تھے جو اُن کے وجود سے پہلے دنیا میں پائی جاتی تھیں یہ کیسا بیہودہ خیال ہے۔ کیا نانک صاحب کی پیدایش سے پہلے دُنیا ابتدا سے جھوٹھ میں گرفتار تھی اور ہمیشہ یہ زمین راست بازوں سے خالی رہی ہے جب نانک صاحب پیدا ہوئے تو دُنیا نے ایک بھگت کا مُونہہ دیکھا جو سچا اور حلال کھانے والا اور لالچ سے پاک تھا۔ کیا ایسا تعصب آپ کا کسی کو پسند آئیگا یا کوئی عقل اور کانشنس اس کو قبول کریگی اور کیا کوئی پاک طبع اور منصف مزاج اس بات کو مان لیگا کہ نانک صاحب کے وجود سے پہلے یہ دنیا بے شمار زمانوں سے گمراہ ہی چلی آتی تھی اور جب سے کہ خدا نے انسان کو پیدا کیا جس قدر لوگوں نے باخدا اور ملہم ہونے کا دعوے کئے ہیں وہ سب جھوٹے تھے اور دُنیا کے لالچوں میں گرفتار اور حرامخور تھے کوئی بھی اُن میں ایسا نہیں تھا جس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سچا الہام ملا ہو اور اُس محبوب ازلی سے سچا پیوند ہوا ہو سب کے سب دُنیاپرست تھے۔ جو دُنیا کی خواہشوں میں پھنس کر خدا کے نام کو بھول گئے تھے اور دُنیا کے لالچ میں لگ گئے تھے اور سب ایسے ہی تھے جنہوں نے خدا کا نام بُھلایا اور لوگوں سے اپنا نام کہلایا اور وہ سب ایسے ہی نبی اور رسول اور اوتار اور رشی تھے جو حرام کو حلال سمجھ کر کھاتے رہے اور کچھ خدا کا خوف نہ کیا۔ مگر نانک صاحب نے حلال کھایا اور خدا کے بیشمار بندوں میں سے جو دنیا کی ابتدا سے ہوتے آئے ہیں صرف ایک نانک صاحب ہی ہیں جو دُنیا کی لالچوں سے پاک تھے اور حرام نہیں کھاتے تھے۔ جن کو خدا تعالےٰ کے سچی معرفت حاصل ہوئی اور سچا گیان ملا اور سچا الہام ملا۔ اب بتلاؤ کہ کیا ایسا خلاف واقعہ خیال کسی عارف اور نیک بخت کا ہو سکتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ مجھ سے پہلے سب ناپاک معاذاللہ مفتری اور جھوٹے اور لالچی پیدا ہوتے رہے ایک سچا اور حلال کھانیوالا میں ہی دنیا میں آیا اور اگر کہو کہ باوا نانک صاحب بجز حضرت سیّدنا محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے اور بہت سے کامل بندوں کو مانتے تھے کہ جو نہ صرف کامل تھے بلکہ دوسروں

کو کمال تک پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی و الہام سے مشرف کر کے بھیجے گئے تو جیسا کہ میں نے
ابھی لکھا ہے ایسے شخص کی باوا صاحب کی طرف سے نظیر پیش ہونی چاہیئے جس کی کتاب کی پیروی سے چوالوے کروڑ انسان
نے مخلوق پرستی اور بت پرستی سے نجات پا کر اس اقرار کو اپنے دل اور جان میں بٹھایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے
سوا کسی دوسرے کو نہیں پوجوں گا اور پھر ایسے موحد اور نبی اللہ کو باوا صاحب نے مان لیا ہو۔ کیونکہ اگر
باوا صاحب نے کسی ایسے کامل کے کمال کی تصدیق نہیں کی جو آپ بھی کامل تھا اور کروڑہا انسانوں
کو اس نے توحید اور کمال توحید تک پہنچایا۔ تو پھر باوا صاحب پر وہی پہلا اعتراض ہوگا۔ کہ
نعوذ باللہ خدا نے باوا صاحب کو وہ آنکھیں نہیں دی تھیں جن آنکھوں سے وہ ان کاملوں کو شناخت
کر سکتے جو باوا صاحب کے وجود سے پہلے دنیا کی اصلاح کے لئے آتے رہے کیونکہ یہ بات تو صریح
باطل ہے اور کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی کہ باوا صاحب سے پہلی دنیا ابتدا سے تاریکی میں تھی اور کوئی
کامل خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسا نہیں آیا تھا کہ جو نہ صرف آپ موحد ہو بلکہ کئی کروڑ انسانوں کو اس نے
توحید پر قائم کیا ہو صرف باوا صاحب ہی دنیا میں ایسے آئے جو موحد اور حلال خور اور لالچوں سے پاک
تھے جنہوں نے سکھوں کو کامل توحید پر قائم کیا اور اللہ اور بندوں کے حقوق کی نسبت پورا پورا بیان
کر دیا۔ اور حلال حرام کے مسایل سارے سمجھا دیئے اور پھر بداہت ایسا خیال کرنا جبکہ باطل اور ہادیٔ
قدیم کی عادت کے برخلاف ہے تو بیشک باوا صاحب نے کسی ایسے کامل کا اپنے اشعار میں ذکر کیا ہوگا جو خدا سے
کمال پا کر دُنیا میں آیا۔ اور کروڑہا انسانوں کو توحید اور خدا پرستی پر قایم کیا۔ پس جب ہم ایسے شخص کا
نشان باوا صاحب کے شبدوں میں ڈھونڈتے ہیں تو جا بجا سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلعم کا
ذکر باوا صاحب کے شعروں میں پاتے ہیں۔ اور ضرور تھا کہ باوا صاحب ہندو مذہب کے ترک کرنے کے بعد
اسلام میں داخل ہوتے کیونکہ اگر ایسا نہ کرتے تو خدا کے قدیم سلسلہ سے الگ رہنے کی وجہ سے بیدین کہلاتے
ہاں یہ بات بالکل سچ ہے کہ باوا صاحب وید سے اور وید پرستوں سے بالکل الگ ہو گئے تھے تبھی تو اُنہوں نے
کہا کہ برہما بھی روحانی حیات سے محروم گیا یہی سبب تھا کہ باوا صاحب سے اس قدر ہندو متنفر ہو گئے تھے۔
اور اس قدر اُن کو پاک حالت سے دُور اور کراہت کرنے کے لایق سمجھتے تھے کہ جہاں وہ کسی دوکان وغیرہ پر

اتفاقاً بیٹھ جاتے تھے تو ہندو سمجھتے تھے کہ یہ جگہ پلید ہو گئی اور پنڈت لوگ فتوے دیتے تھے کہ اب یہ جگہ ایسی ناپاک ہو گئی ہے کہ جب تک اس پر گئو کے گوبر سے لپائی نہ کی جائے گی تب تک یہ کسی طرح پھر پوتر نہیں ہو سکتی۔ سو ہندو لوگوں کو جو وہم کے مارے ہوئے ہیں ان کے قدم قدم پر گوبر کی لپائی کرنی پڑتی تھی لیکن اگر باوا صاحب کے صدہا شبدوں اور صاف شہادتوں اور روشن ثبوتوں سے قطع نظر کر کے یہ فرض کیا جائے کہ قرآن شریف کے بھی وہ مکذب تھے۔ اور ہمارے پاک نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالےٰ کی طرف سے سچا نبی نہیں سمجھتے تھے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اولیاء باوا فرید اور شمس تبریز اور معین الدین چشتی وغیرہ کو جو اُس وقت بہت شہرت رکھتے تھے با خدا آدمی خیال کرتے تھے بلکہ سب کو لالچی اور گمراہ خیال کرتے تھے تو اس صورت میں ضرور یہ سوال ہوگا کہ وہ کون سچے لوگ ہیں جن کو باوا صاحب پاک دل اور پرمیشر کے بھگت مانتے تھے اور اگر نہیں مانتے تھے تو کیا اُن کا یہ اعتقاد تھا کہ جس قدر لوگ ان کے وجود سے پہلے دنیا کی اصلاح کے لئے آئے ان سب کو ناپاک جانتے اور لالچی اور نفسانی خیال کرتے تھے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ویدسے تو وہ الگ ہی ہو چکے تھے اور ویدوں کے درخت کو اچھا پھل لانے والا درخت نہیں جانتے تھے تبھی تو پنڈتوں نے یہ فتویٰ دیا کہ اس شخص کے بیٹھنے سے زمین پلید ہو جاتی ہے جہاں بیٹھے اُس زمین کو دھو ڈالو اور آپ کو بھی تو اقرار ہے کہ وہ ہندو نہیں تھے لیکن کوئی پاک دل یہ بات تو نہیں کہہ سکتا کہ مجھ سے پہلے سب جھوٹوں نے ہی مت چلائے ہیں اس بات کا ضرور جواب دینا چاہیئے کہ باوا صاحب کو گذشتہ قوموں میں سے کسی نبی کے سچا ہونے کا اقرار تھا۔ کیونکہ اگر نعوذ باللہ یہ بات سچ نہیں کہ خدا تعالےٰ نانک صاحب کے وجود سے پہلے ہی ہزاروں لاکھوں کروڑوں کو اپنی ذات کی اطلاع دیتا رہا ہے اور بے شمار صادق اور خدا تعالےٰ کے پاک نبی دنیا کو الٰہی روشنی دکھلانے کیلئے بندوں کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور بے شمار الہام پانے والے اور وحی پانے والے اور سچے دل والے اور دنیا کی خواہشوں کو چھوڑنے والے اور حلال کھانے والے اور پاک دل والے اور معرفت والے اور گیان والے نانک صاحب سے پہلے دنیا میں ظاہر ہوتے رہے ہیں تو یہ دوسری بات بھی ہرگز سچی

نہیں ہوگی کہ باوا نانک صاحب کو خدا تعالیٰ سے سچا پیوند ہو گیا تھا اور انہوں نے سچا الہام پالیا تھا۔
اور وہ حلال کھانے والے اور دنیا کی خواہشیں چھوڑنے والے تھے کیونکہ جس خدا کی ابتدا سے یہ عادت ہی
نہیں کہ وہ دلوں کو پاک کرے اور لالچوں سے رہائی بخشے اور حرام کھانے سے بچاوے اور اپنے الہام
سے مشرف کرے وہ نانک صاحب سے خلاف عادت کیوں ایسا کرنے لگا لیکن اگر واقعی اور سچی بات
یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی نہ اَب سے بلکہ ابتدا سے یہی عادت ہے کہ وہ غافلوں کو جگانے کیلئے بعض خاص
بندوں کو اپنی معرفت آپ عطا کرکے دنیا میں بھیجتا ہے جن کو دوسرے لفظوں میں ولی یا پیغمبر کہتے ہیں۔
تو پھر جو شخص ایسے پاک بندوں سے انکار کرے اور الٰہی انتظام کے قدیم فلسفہ کو نہ سمجھے تو کیا ایسے
شخصوں کو ہم یا کوئی دوسرا شخص بھگت یا سدھ کے نام سے موسوم کر سکتا ہے۔ اور کیا اس کی نسبت
کسی عارف کو ایک ذرا گمان بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس سچی معرفت سے حصہ پانے والا تھا جو قدیم سے
صادقوں کو ملتی آئی ہے کیونکہ جب اُس کا ایسے صادقوں پر بھی ایمان نہیں جنہوں نے کروڑہا دلوں میں
صدق برسا دیا بلکہ اُن کو لالچی اور حرام خور جانتا ہے تو ایسے شخص کو کون حلال خور اور بھلا مانس کہہ سکتا ہے۔
پس پھر ہم منصفوں سے سوال کرتے ہیں اور اُن سے انصاف چاہتے ہیں کہ کیا نعوذ باللہ باوا نانک صاحب
یہی اعتقاد رکھتے تھے کہ مجھ سے پہلے خدا تعالیٰ کا بندوں کی اصلاح کے لئے کوئی انتظام نہ تھا اور
مصلح کے نام سے تمام لوگ ٹھگ اور لالچی اور دنیا پرست ہی آتے رہے اور اگر یہ اعتقاد نہیں رکھتے تھے تو
اس بزرگ مصلح اور نبی اللہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر باوا صاحب کی نظر میں اور کون آدمی تھا
جس نے کروڑہا انسانوں کو بتوں اور عیسیٰ پرستی اور مخلوق پرستی سے نجات دے کر کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ پر قایم
کر دیا تھا اور ایسا نمونہ باوا صاحب کی آنکھوں کے سامنے اور کون تھا جس نے مخلوق پرستی کی جڑ کو کاٹ کر دنیا کے
اکثر ملکوں میں توحید کا باغ لگا دیا تھا کیونکہ اگر کوئی نمونہ نہیں تھا تو پھر وہی ناپاک اعتقاد لازم آئیگا کہ گویا باوا نانک
صاحب کا یہی گمان تھا کہ اُن سے پہلے تمام دنیا ابتدا سے ظلمت میں ہی پڑی رہی اور کوئی جگانے والا
پرمیشر کی طرف سے دنیا میں نہ آیا لیکن اگر باوا صاحب کا یہ اعتقاد تھا کہ بیشک دنیا میں مجھ سے پہلے ایسے کامل
بندے آئے جنہوں نے کروڑہا دلوں کو الہام الٰہی کی روشنی سے توحید کی طرف کھینچا تو یہ بار ثبوت باوا صاحب کے

گردن پر ہوگا کہ ان آنیوالوں میں سے کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ ایسے انسان کا پیش کریں جس کی اصلاح سے
کروڑہا انسان توحید کی روشنی میں داخل ہوگئے ہوں مگر کیا اُنہوں نے ایسا نمونہ پیش کیا اور کیا کسی ایسے کامل
کا اپنے اشعار میں نام لکھا جس نے کروڑہا انسانوں کو بُت پرستی اور مخلوق پرستی اور طرح طرح کے شرک
اور بدعت اور بیحیائی کے کاموں سے چھوڑایا ہو لیکن آپ لوگ کہتے ہیں کہ اُنہوں نے ایسے کسی عظیم الشان
مصلح کا نام نہیں لکھا جو خدا سے الہام یافتہ ہو اور خدا کے کروڑہا بندوں کے دلوں پر اس کی اصلاح کا
اثر ہوا ہو مگر آپ لوگ اس بیجا تعصب سے نانک صاحب کو مورد اعتراض کرتے ہیں کیونکہ یہ بات تو کوئی قبول
نہیں کریگا کہ نانک صاحب کے وجود سے پہلے تمام زمانہ ابتدا سے گمراہ ہی چلا آتا تھا اور نانک صاحب
ہی ایسے پیدا ہوئے جو ہدایت یافتہ اور پاک دل اور پرمیشر کے بھگت تھے کیونکہ ایسے عقیدہ
سے خدا تعالیٰ پر اعتراض آتا ہے۔ سو آپ لوگ غور سے توجہ کریں کہ ایسی باتوں سے جو آپ کر رہے
ہیں۔ نانک صاحب کی راستبازی بھی ثابت کرنا محالات سے ہے اگر باوا صاحب درحقیقت راستباز تھے اور ملہم تھے
اور دنیا کی خواہشوں میں پھنسے ہوئے نہیں تھے تو ضرور اُن کا یہ اعتقاد ہونا چاہیئے تھا کہ راست بازی صرف
انہیں سے شروع نہیں ہوئی کیونکہ پرمیشر انہیں کے وقت سے پیدا نہیں ہوا۔ اور نہ اس کی ہدایت
کی نظر انہیں کے وقت سے شروع ہوئی جو ازلی ہے اس کے سب کام ازلی ہیں کیا اُن کا یہ گمان تھا
کہ اُن کا پرمیشر ایک تنگدل شخص ہے جس کا دل نہیں چاہتا کہ کسی کو فیض پہنچاوے صرف بے شمار برسوں کے
گذرنے کے بعد نانک صاحب پر ہی مہر ہوگئی لیکن اگر اُن کا ایسا گمان نہ تھا اور خدا تعالیٰ کی رحمت کے میدان کو
تنگ نہیں سمجھتے تھے تو یہ سچا گیان ضرور اُن کو نصیب ہونا چاہیئے تھا کہ خدا قدیم سے اپنے بندوں
کو ہدایت کرتا آیا ہے اور جب کبھی دُنیا بگڑ گئی اور زمین فساد اور پاپ سے بھر گئی تبھی خدا نے کسی
خاص فرد میں سچائی کی روح پھونک دی اور خاص روشنی اور الہامی عرفان دے کر ہزاروں کو ایک ہی
چراغ سے منور کیا جیسا کہ وہ ہمیشہ ایک ہی انسان سے ہزاروں کو پیدا کر دیتا ہے۔ اب ہم پھر پوچھتے
ہیں کہ کیا یہ کامل گیان باوا صاحب کو حاصل تھا یا نہیں تھا۔ اور اگر حاصل تھا تو اس کا نمونہ اُنہوں نے
اپنے اشعار اور اپنی باتوں میں کیا بتایا کیا کسی ایسے شخص کا نام بتایا جو اُن سے پہلی دُنیا کو روشن

کرنے کے لئے آیا تھا اور کروڑہا مخلوق کو توحید کی روشنی سے منور کرکے چلا گیا۔ کیونکہ اگر نہیں بتایا تو اس صورت میں نانک صاحب کی تمام معرفت خاک میں ملتی ہے اور ہمیں امید نہیں کہ اس وقت راستی کے ساتھ آپ جواب دیں کیونکہ تعصب اور بخل سخت بلا ہے۔ اس لئے آپکی طرف سے ہم ہی جواب دیتے ہیں۔ آپ اس کو غور سے پڑھیں۔

پس واضح ہو کہ نانک صاحب نے اس عظیم الشان مصلح نبی اللہ کا نام جو ازلی کی قدیم سنت کا اپنی نمایاں ہدایتوں کے ساتھ گواہ ہے۔ **محمد مصطفیٰ رسول اللہ** بیان کیا ہے اور نہ صرف بیان بلکہ صدق دل سے اس سرورِ پاکاں پر نانک صاحب ایمان لائے ہیں چنانچہ ہم کچھ تھوڑا نمونہ کے طور پر ذیل میں لکھتے ہیں اور حق کے طالبوں سے امید رکھتے ہیں کہ ایک صاف دل اور پاک نظر کے ساتھ ان بیانات پر نظر ڈالیں اور اس سچے حاکم سے ڈر کر جس کی طرف آخر جانا ہے۔ آپ ہی منصف بن جائیں کہ کیا یہ شہادتیں جو باوا صاحب کے منہ سے نکلیں۔ ایسی شہادتوں کے بعد باوا صاحب کے اسلام میں کچھ شک رہ سکتا ہے۔ چنانچہ ان میں سے باوا نانک صاحب کی وہ **سی حرفی** ہے جو ساکھی کلاں یعنی بالا والی ساکھی میں لکھی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے ؛

ساکھی بھائی بالے والی وڈی صفحہ ۲۲۰ و ۲۲۲

(دیکھئے ساکھی کلاں بالا والی جس کو انگد کی ساکھی بھی کہتے ہیں)

آکھے قاضی رکن دین سُنئے نانک شاہ
معنے اک اک حرف تے کہئے کر تدبیر
الف بے فرمائے معنے کرکے بیان
صفت تمامی رب دی سبھا کھول سُنائے
ہندو مسلمان دوئے وسدے ہُن گمراہ
جہڑی گل خدائے دی کہے نہ کوئی مول (رائی فقط)
راہ سچاواں دسئے جے دس آوے جیو

تریہی حرف قرآن دے سلجے آپ آلہ (بتلائے)
جس مراتب کو پہنچیا کے سادھو کے پیر
تسیں بھی آکھو شاہ جی سچی رب کلام (نانک شاہ)
آکھے قاضی رکن دین کہیئے بیا خدائے (بلائے)
باجھوں جھگڑے ہور نہ ڈھونڈے سچ نہ راہ
کارن لالچ دُنی دے جھگڑے رام رسول
حجت حاجت وچ کرے منا نال تھیو (عاکسار ہوں)

جواب نانک شاہ

سنہو قاضی رکن دین نانک آکھے پند
اے قاضی رکن دین متوجہ ہو کر سنو کہ نانک تمہیں ایک نصیحت کہتا ہے

سئی سیانی گل وچ تس وچ بہتے بند
جو باتیں در حقیقت عقلمندی کی ہیں وہی باریک ہیں

تریہی حرف قرآن دے تیہی سپارے کین
قرآن کے تیس حرف ہیں اور تیس ہی سپارے کئے گئے ہیں

تس وچ بہت نصیحتاں سن کر کرو یقین
اور اس میں بہت نصیحتیں ہیں تم سن کر یقین کرو

پڑھے پکار قرآن بوہ خاطر جمع نہ ہوئے
قرآن کو بہت پڑھتے ہیں مگر جمعیت باطنی حاصل نہیں ہوتی

جو راہ شیطانی گم تھئے پہنچیا جان نہ کوئے
اس کا یہ سبب ہے کہ جو لوگ شیطان کی راہ میں گم ہو گئے یعنی مدعا اصل قرآن سے

اصلی جواب نانک سی حرفی میں

الف اللہ کو یاد کر غفلت منوں وسار
اللہ کو یاد کر اور غفلت کو دل سے بھلا دے

ساس پلٹیں نام بن وہرگ جیون سنسار
کوئی نفس اگر اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا ہو تو حقیقت میں رائیگاں ہے

ب بدعت دور کر قدم شریعت راکھ
یعنی بدعت کو دور کر کے شریعت پر قدم رکھ

نوچل سوانگے سبھس دے مندا کسی نہ آکھ
ہر ایک کے آگے خاکسارانہ چل اور کسی کو برا مت کہہ

ت توبہ کر بدی تے مت توں پچھوتائیں
بدی سے توبہ کر ایسا نہ ہو کہ پیچھے سے شرمندہ ہو

تن بلنے نکھو گدئے تب توں کہاں کرائیں
جب تو کاڑا گیا تب تیری توبہ کیا مفید ہوگی

ਸਿਹਰਫ਼ੀ ਆਖੀ ਸ੍ਰੀ ਗੁਰੂ ਨਾਨਕ ਸ਼ਾਹ ਸਾਹਿਬ ਸ਼ੂਰਾ
ਅਲਫ਼ ਅਲਾਹ ਕੋ ਯਾਦ ਕਰ ਗ਼ਫ਼ਲਤ ਮਨੋਂ ਵਿਸਾਰ। ਸਾਸ ਪਲਟੇ ਨਾਮ ਬਿਨ ਧ੍ਰਿਗ ਜੀਵਨ ਸੰਸਾਰ ॥੧॥
ਬੇ ਬਦਇਤ ਦੂਰ ਕਰ ਕਦਮ ਸ਼ਰੀਅਤ ਰਾਖ। ਨਿਵ ਚਲ ਸੁ ਅੱਗੇ ਸਭਸ ਦੇ ਮੰਦਾ ਕਿਸੇ ਨਾ ਆਖ ॥੨॥
ਤੇ ਤੋਬਾ ਕਰ ਬਦੀਓਂ ਮਤ ਤੂੰ ਪਛੋਤਾਹਿ। ਤਨ ਬਿਨਸੈ ਮੁਖ ਗਡੀਅੈ ਤਬ ਤੂੰ ਕਹਾ ਕਰਾਹਿ ॥੩॥

ثؔ ثنائیں بہت کر خالی ساس نہ کڈھ
اللہ کی تعریفیں بہت کر اور خالی دم نہ لیا کر
ہٹو ہٹ وکایاں مُل نہ لہسی ادھ
بہت معبودوں کے ہاتھ بکنے سے قیمت نہ رہیگی

جؔ جماعت جمع کر چلن دا کر بندھ
یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کر اور سفر کی تیاری کر
باجھوں سائیں آپنے پھرسی اندھو اندھ
بغیر اپنے مالک کے اندھوں کی طرح پھرتا رہیگا

حؔ حلیمی پکڑ توں دل تھیں حرص نوار
حلم اور نرمی اپنا طریق اختیار کر اور حرص کو دل سے دور کر
داوت ورجو رُکن دین ہر دم خالق سار
تم کام میں لگ جاؤ جیسا کہ تمہارا خالق تمہارے کام میں لگا ہوا ہے

خؔ خام تے اوہ بہیئے جن وِسریا کرتار
کچے وہی لوگ ہیں جن کو خدا بھول گیا
دُنیا لالچ لگ مرن مونڈا اُٹھاویں بھار
دنیا کے لالچ میں مرجاتے ہیں اور سر پر گناہ کا بھار اُٹھاتے ہیں

دؔ دیانت کرے مَن اُٹھے پھر نہ سوئے
اے دل تو دیانت اختیار کر اور ہر وقت سوتا ہی نہ رہ
ایک پہر گھر جاگنا سائیں سچ بگوئے
اگر یہ نہ ہو سکے تم کم سے کم ایک پہر رات کو جاگو خدا نے سچ کہا ہے

ذؔ ذکر عاجزی خاطر ناہیں ڈُلائے
ذکر اور عاجزی ایسی چیز ہے جس سے دل متذبذب نہیں ہوتا ہے
تل نہ لگے رِوال تن لوبھ منوں چکائے
اور ایسا آدمی ایک ذرہ آلودہ نہیں ہوتا اور دل سے حرص جاتی رہتی ہے

رؔ راحت ایمان کی تے اُو دیکھیں جائے
ایمان کی راحت وہی لوگ دیکھتے ہیں
پنجوہ ورجوہ رکن دین سائیں سوں چت لائے
اے رکن دین پانچ وقتوں کی محافظت کر و خدا سے محبت لگاؤ

੫੬

ਸੇ ਸਨਾਈਂ ਬਹੁਤ ਕਰ ਖਾਲੀ ਸਾਸ ਨ ਕਢ। | ਹਟੋ ਹਟ ਵਿਕਾਇਆਂ ਮੁਲ ਨ ਲਹਸੀ ਅੱਧ।
ਜੀਮ ਜਮਾਇਤ ਜਮਾ ਕਰ ਚਲਣ ਦਾ ਕਰ ਬੰਧ। | ਬਾਝੂ ਸਾਈਂ ਆਪਣੇ ਫਿਰਸੀ ਅੰਧ ਅੰਧ॥
ਹੇ ਹਲੀਮੀ ਪਕੜ ਤੂੰ ਦਿਲ ਥੀਂ ਹਿਰਸ ਨਿਵਾਰ। | ਦਾਵਤ ਵਰਜਸ਼ ਰੁਕਨ ਦੀਂ ਹਰਦਮ ਖ਼ਾਲਕ ਸਾਰ॥
ਖ਼ੇ ਖ਼ਾਮ ਤੇ ਉਹ ਬਹੇ ਜਿਨ ਵਿਸਰਿਆ ਕਰਤਾਰ। | ਦੁਨੀਆਂ ਲਾਲਚ ਲਗ ਮਰਨ ਮੂੰਡ ਉਠਾਵਨ ਭਾਰ।
ਦਾਲ ਦਿਆਨਤ ਕਰੇ ਮਨ ਉਠੇ ਫਿਰ ਨ ਸੋਇ। | ਇਕ ਪਹਰ ਘਰ ਜਾਗਣਾ ਸਾਈਂ ਸਚ ਬਗੋਇ।
ਜ਼ਾਲ ਜ਼ਿਕਰ ਆਜਜ਼ੀ ਖ਼ਾਤਰ ਨ ਡੋਲਾਇ। | ਤਿਲ ਨ ਲੱਗੇ ਰਵਾਲ ਤਨ ਲੋਭ ਮਨੋਂ ਚੁਕਾਇ।
ਰੇ ਰਾਹਤ ਈਮਾਨ ਦੀ ਤੇ ਉਹ ਦੇਖਣ ਜਾਇ। | ਪੰਜ ਵਰਜਸ਼ ਰੁਕਨ ਦੀਂ ਸਾਈਂ ਸੋ ਚਿਤ ਲਾਇ।

زؔ زاری کر منے مانہہ سائیں بے پرواہ

دل کے اندر روتا رہ کیونکہ خدا لاپرواہ ہے

سؔ سودھ من اپنا سب کچھ اس ہے مانہہ

اپنے دل کو درست کر کہ سب کچھ اسی میں ہے

شؔ شہادت پائیے پیاسوں لو لائے

جو شخص اللہ سے دل لگاتا ہے وہ شہادت پاتا ہے

صؔ صلوٰۃ گزشت کو آکھو مکھ تے نت

نبی گذرے ہوئے پر روز درود پڑھو

ضؔ ضلالت گمرہی عادت سوں میل

گمراہی اور ضلالت کو دل سے دُور کر دے

طؔ طلب کر راستی دیسن رسال

سچائی کو ڈھونڈ جو تجھے راہداری کا روانہ دیں گے

ظؔ ظالم سوئی بھُلے چیتن ناہیں نام

جو لوگ ظالم ہیں وہی بھولے ہوئے ہیں جو خدا کی پرستش نہیں کرتے

جو کچھ چاہے سو کرے تِس کیا ویساہ

جو کچھ چاہتا ہے وہی کرتا ہے اس کی بے نیازی کا کیا اعتبار ہے

تن بھانڈا من دست کر حکمی بند سماہیں

جسم کو برتن بنا اور دل کو ایک چھنے کی طرح اس میں رکھ کیونکہ جسم اور

رکن ایہہ تن جائیسی کیجے طلب خدائے

اے رکن دین یہ تن تو فنا ہو جائیگا خدا کی طلب کرنی چاہیئے

خاصے بندے رب دے سر مستی دے مت

وہ خدا تعالیٰ کے مخلص بندے تھے اور اللہ تعالیٰ سے پیار کرنیوالوں کے سردار تھے

اٹھیں بندے نظر کر جینے ناہیں کھیل

اے بندے غور کر کے اُٹھ یوں بازی میں مت لگا رہ

جنہاں ڈٹھیاں دُکھ جائے تن تُوٹے مایا جال

جس کو دیکھ کر بدن کا دکھ دور ہو اور خواہشوں کا جال ٹوٹ جائے

سائیں تیرے نام بن کیوں آوے آرام

اے خدا تیرے نام کے بغیر کیونکر آرام آ جاوے

ਜ਼ ਜ਼ਾਰੀ ਕਰ ਮਨੇ ਮਾਂਹ ਸਾਈਂ ਬੇਪਰਵਾਹ ।

ਸੀਨ ਸੋਧ ਮਨ ਆਪਣਾ ਸਭ ਕਿਛੁ ਇਸਹੀ ਮਾਂਹਿ ।

ਸ਼ੀਨ ਸ਼ਹਾਦਤ ਪਾਈਐ ਪੀਆਂ ਸੋਂ ਲਿਵ ਲਾਇ ।

ਸੁਆਦ ਸਲਵਾਤ ਗੁਜ਼ਸ਼ਤ ਨੂੰ ਆਖੋ ਮੁਖ ਤੇ ਨਿਤ ।

ਜ਼ੁਆਦ ਜ਼ਲਾਲਤ ਗੁਮਰਹੀ ਆਦਤ ਸੋਂ ਮੇਲ ।

ਤੋਇ ਤਲਬ ਕਰ ਰਾਸਤੀ ਦੇਵਸਨ ਰਸਾਲ ।

ਜ਼ੋਇ ਜ਼ਾਲਮ ਸੋਈ ਭੁਲੇ ਚੇਤਨ ਨਾਹੀ ਨਾਮ ।

ਜੋ ਕੁਛ ਚਾਹੇ ਸੋ ਕਰੇ ਤਿਸ ਕਿਆ ਵਿਸਾਹ

ਤਨ ਭਾਂਡਾ ਮਨ ਦਸਤ ਕਰ ਹਿਕਮੀ ਬੰਦ ਸਮਾਹਿ

ਰੁਕਨ ਇਹੋ ਤਨ ਜਾਇਸੀ ਕੀਜੈ ਤਲਬ ਖ਼ੁਦਾਇ

ਖ਼ਾਸੇ ਬੰਦੇ ਰਬ ਦੇ ਸਰ ਮਸਤੀ ਦੇ ਮਤ ।

ਉਠੀ ਬੰਦੇ ਨਜ਼ਰ ਕਰ ਜੀਵਣ ਨਾਹੀ ਖੇਲ

ਜਿਨ੍ਹਾਂ ਡਿਠਿਆਂ ਦੁਖ ਜਾਇ ਤਨ ਤੁਟੇ ਮਾਇਆ ਜਾਲ ।

ਸਾਈਂ ਤੇਰੇ ਨਾਮ ਬਿਨ ਕਿਉਂ ਆਵੇ ਆਰਾਮ

ع عمل کمائیے جیکو پار اوا سس | بن عملاں ناہیں پائے مرئیے پچھوتا س

ایسا عمل ثابت کریں جیسا کہ پارہ آگ کے قائم النار ہو جاتا ہے | عمل کے بغیر خدا نہیں مل سکتا حسرتوں کیساتھ جان نکل جاتی ہے

غ غنیمت رکن دی جنہیں سوانا آپ | اس پنجرے وچہ کھیل ہے ناں تس مائی نہ باپ

وہ لوگ غنیمت ہیں جنہوں نے پہچانا اللہ تعالےٰ کو | اس پنجرہ میں ایک ایسی بازی ہے جس کی نہ ماں ہے نہ باپ ہے

ف فارق تے اوبھیئے جو چلیں مرشد بھائے | آپ کیا تحقیق تن رنگا رنگ ملائے

حق و باطل میں فرق کرنیوالے نجات پا گئے جو ہادی کے حکم پر چلے | جنہوں نے خود روی اختیار کی انہوں نے حق اور باطل میں خلط ملط کر دیا

ک کلمہ اک یاد کر اور نہ بھاکھو بات | نفس ہوائے رکن دی تس سوں ہویں مات

ایک لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یاد کر اور کسی بات کا خیال نہ کر | کیونکہ اے رکن دین اس کلمہ سے نفس اور ہوا دونوں مات ہو جائینگے

ق قرار نہ آوی جت من اُپجے چاؤ | تے پارس کنچن تھئے جن بھٹیا ہر راؤ

جس دل میں خواہش پیدا ہو اوسکو آرام نہیں آتا | وہ لوگ سونا اور پارس ہو گئے جنہوں نے خدا کی پرستش کی

ل لعنت بر سر تنہاں جو ترک نماز کریں | تھوڑا بہت کھٹیا ہتھو ہتھ گوین

ان لوگوں پر لعنت ہے جو نماز کو ترک کریں | جو کچھ تھوڑا بہت عمل کیا تھا اس کو بھی دست بدست ضائع کیا

م مرشد من توں من کتیباں چار | من توں اک خدائے نوں خاصا جس دربار

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مان اور چار کتابوں کو مان لینی قرآن | اور ایک خدا مان جس کا دربار خاص ہے

[illegible] | [illegible]

[illegible] | [illegible]

[illegible] | [illegible]

[illegible] | [illegible]

[illegible] | [illegible]

[illegible] | [illegible]

[illegible] | [illegible]

ن نہیں اوہ گمُ رہے جن کیتے عمل قبول
مایابندھن گل پڑے جت خالی دیں بھول

وہ گمراہ نہیں جنہوں نے نیک عمل اختیار کئے
دُنیا کے جنجال گلے پڑتے ہیں اگر غالی بھول میں جاویں

و واو جو آوے رُکن دی سر کپے ہتھ نال
عمر وہانی باورے پڑیو کت جنجال

ہوا وحرص سر اور ہاتھ کو توڑتی ہے
عمر گذرتی چلی جاتی ہے اے دیوانی توکس جنجال میں پھنس گیا

ہ ہیبت تس دناں دی جسدن عدل کرے
باب ہمارے رکن دین کہیا حکم پڑے

اس دن کا خوف ہے جسدن وہ عدالت کریگا
خدا جانے ہماری نسبت اے رکن دین کیا حکم ہوگا

ل لایق تے اوبھئے جنہاں رحمت ندر دھرے
جو سو لوچن کیا تھئے جے آپ نہ سنگ ملئے

وہی لوگ لایق ٹھہرے جن پر خدا تعالی نے آپ رحمت کی نظر کی
سو تدبیر کریں کیا ہوتا ہے جب آپ خدا فضل کرکے نیکوں کے ساتھ نہ ملادے

الف اللہ توہ نال ہے چیتے کیوں نہ اجان
گور سیوا تے چھٹسی اوسر انت ندان

خدا تو ہر وقت تیرے ساتھ ہے تو کیوں فکر نہیں کرتا
اللہ تعالی کی عبادت سے دکھ سے آخر نجات ملیگی او نادان

ی یاری کر رب سوں جسدا اچل راج
اک اکیلا نانکا کسے نہ ہوئے محتاج

خدا سے محبت کر جس کا غیر فانی راج ہے
وہ اکیلا وحدہ لاشریک ہے کسی کا محتاج نہیں

ਨੂਨ ਨਹੀਂ ਉਹ ਗੁਮਰਾਹ ਜਿਨ ਕੀਤੇ ਅਮਲ ਕਬੂਲ। ਮਾਯਾ ਬੰਧਨ ਗਲ ਪੜੇ ਜਤ ਖਾਲੀ ਦੇਂਹਿ ਭੁਲ।
ਵਾ ਵਾਉ ਜੁ ਆਵੇ ਰੁਕਨ ਦੀ ਸਿਰ ਤੋੜੇ ਹਥ ਨਾਲ। ਉਮਰ ਵਿਹਾਣੀ ਬਾਵਰੇ ਪੜਿਓ ਕਿਤ ਜੰਜਾਲ
ਹੇ ਹੈਬਤ ਤਿਸ ਦਿਨ ਦੀ ਜਿਸ ਦਿਨ ਅਦਲ ਕਰੇਇ ਬਾਬ ਹਮਾਰੇ ਰੁਕਨ ਦੀਨ ਕਿਹਾ ਹੁਕਮ ਪੜੇਇ
ਲਾਮ ਲਾਇਕ ਤੇਊ ਭਏ ਜਿਨ ਰਹਮਤ ਨਦਰ ਧਰੇਇ ਜੋ ਸੌ ਲੋਚਨ ਕਿਆ ਥੀਐ ਜੇ ਆਪ ਨ ਸੰਗ ਰਲੇਇ।
ਅਲਫ ਅੱਲਾ ਤਉ ਨਾਲ ਹੈ ਚਿਤੈ ਕਿਉਂ ਨ ਅਜਾਨ। ਗੁਰ ਸੇਵੇ ਤੇ ਛੁਟਸੀ ਓਸਰ ਅੰਤ ਨਿਦਾਨ।
ਯੇ ਯਾਰੀ ਕਰ ਰਬ ਸੋਂ ਜਿਸ ਦਾ ਅਚਲ ਰਾਜ।
ਇਕ ਇਕੇਲਾ ਨਾਨਕਾ ਕਿਸੇ ਨ ਹੋਇ ਮੁਹਤਾਜ॥

اگر کسی کو اپنی کوتہ اندیشی کی وجہ سے یہ شبہ گذرے کہ یہ نصیحتیں تو نانک صاحب نے دوسروں کو دی ہیں۔ مگر آپ اس کے پابند نہیں تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نیک آدمیوں کی یہی نشانی ہے کہ وہ ایسی نصیحت کسی دوسرے کو ہرگز نہیں دیتے جس کے آپ پابند نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اتأمرون الناس بالبر وتنسون انفسکم[1] ۔ کیا تم لوگوں کو نیک باتوں کے لئے نصیحت کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو یعنی آپ اُن نیک باتوں پر عمل نہیں کرتے اور اگر کہو کہ نانک صاحب ان باتوں کو اپنے دل میں اچھی باتیں نہیں سمجھتے تھے مگر پھر بھی دوسروں کو اُن کی پابندی کے لئے نصیحت کرتے تھے تو یہ طریق نہایت ناپاکی کا طریق ہوگا۔ کیونکہ بُرے عقیدوں اور غلط خیالوں پر قایم رہنے کے لئے لوگوں کو نصیحت کرنا اچھے آدمیوں کا کام نہیں ہے۔

بالآخر یہ بھی واضح رہے کہ جو لوگ گرنتھ میں سے کوئی امر مخالف تعلیم اسلام نکالنا چاہتے ہیں ایسی سعی اور کوشش اُن کی محض دھوکا اور خیانت کی راہ سے ہوگی کہ وہ غلطی سے یا عمداً بددیانتی سے ایسے شعر پیش کریں جو درحقیقت باوا نانک صاحب کی طرف سے نہیں بلکہ گرنتھ جمع کرنے والوں نے خود بنا کر ناحق اُن کی طرف منسوب کر دیئے ہیں چنانچہ یہ امر گرنتھ دانوں میں ایک مسلّم اور مانی ہوئی بات ہے کہ بہت سے ایسے شعر گرنتھ میں موجود ہیں جن کی اصل مصنّف باوا نانک صاحب نہیں ہیں بلکہ صرف فرضی طور پر اُن شعروں کے آخر میں نانک کا اسم ملا دیا گیا ہے اور ایک ناواقف یہی خیال کرتا ہے کہ گویا وہ باوا نانک صاحب کے ہی شعر ہیں پس یہ امر بھی بددیانتی میں داخل ہے کہ کوئی شخص دیدہ دانستہ ایسا شعر اس غرض سے پیش کر دیوے کہ تا لوگ اُسکو باوا نانک صاحب کا شعر سمجھ کر اس دھوکہ میں پڑ جائیں کہ گو یہ باوا نانک صاحب کے وہی شعر ہیں جو گرنتھ کے ایسے مقام میں لکھے گئے ہیں جہاں یہ لفظ موجود ہے کہ آسا محلہ پہلا یا گوڑی محلہ پہلا اور یہ امر گرنتھ دانوں میں ایک متفق علیہ امر ہے۔ کہ نانک صاحب کا اسم کسی مصلحت سے اور شعروں کے اخیر میں بھی ملا دیا گیا ہے جو درحقیقت باوا نانک صاحب کی طرف سے نہیں ہیں مگر جو اشعار خاص باوا صاحب کے مونہہ سے نکلے ہیں یعنی جن کی نسبت یہ عقیدہ گرنتھ جمع کرنے والوں کا ہے کہ یہ شعر خود اُن کے بنائے ہوئے ہیں اُن کی اُنہوں نے یہی علامت رکھی ہے کہ اِن

[1] البقرۃ : ۴۵

اصطلاحی الفاظ کے نیچے اس کو لکھتے ہیں کہ آسا پہلا محلہ یا گوڑی پہلا محلہ مگر چونکہ گرنتھ کے اشعار باوا صاحب سے دو سو برس بعد بلکہ اس کے پیچھے بھی لکھے گئے ہیں اور اُن کے جمع کرنے کیوقت کوئی ایسی تنقید اور تحقیق نہیں ہوئی کہ جو تسلی بخش ہو لہٰذا ضرورت نہیں کہ بغیر باضابطہ تحقیق کے خواہ نخواہ قبول کئے جائیں بلکہ تناقض کیوقت وہ حصہ اشعار کا ہرگز قابل پذیرائی نہیں ہو سکتا جو ایسے دوسرے حصہ کا نقیض پڑا ہو جس کی صحت مختلف طریقوں اور انواع اقسام کے قرینوں اور یقینی اور قطعی شواہد کی تائید سے بپایۂ ثبوت پہنچ گئی ہو۔ مگر تاہم سکھ صاحبوں کی یہ خوش قسمتی ہے کہ ایسے اشعار جو گرنتھ کے پہلے محلہ میں لکھے گئے ہیں قریباً وہ سارے ایسے ہیں کہ اُن میں سے کوئی بھی اسلامی تعلیم سے مخالف نہیں اور نہ اُن میں کوئی لفظ تکذیب اور توہین اسلام کا موجود ہے بلکہ وہ اسلامی تعلیم سے عین موافق ہیں اور اگر کوئی کسی شعر کو اسلامی تعلیم کے مخالف سمجھے یا اس میں کوئی توہین کا لفظ خیال کرے تو یہ اُس کے فہم کی غلطی ہے۔ ہاں اگر شاذ و نادر کے طور پر کوئی ایسا شعر ہو بھی جو الحاق کے طور پر عمداً یا سہواً اُن سے ملایا گیا ہو تو ایسا شعر حصہ کثیرہ کے نقیض واقع ہونے کی وجہ سے خود ردی کی طرح ہوگا اور اعتبار سے ساقط ہوگا اور اُس کے جھوٹا ٹھہرانے کے لئے نانک صاحب کے دوسرے شعر اور نیز دوسرے آثار یقینی اور قطعی ذریعہ ہوگا۔ کیونکہ کسی ایک شعر کے مقابل پر صدہا شعروں اور دوسرے روشن ثبوتوں کا باطل ہونا غیر ممکن ہے بلکہ وہی باطل ٹھہرے گا جو اس قطعی ثبوت کے مقابل پڑا ہے مگر پھر بھی اس صورت میں کہ اس کے کوئی اچھے معنے نہ ہو سکیں۔

یہ دھوکا بھی رفع کرنے کے لائق ہے کہ بعض نادان خیال کرتے ہیں کہ باوا نانک صاحب کے بعض اشعار میں سے تناسخ یعنے اواگون کا مسئلہ پایا جاتا ہے اور یہ اسلامی اصول کے برخلاف ہے سو واضح ہو کہ اسلام میں صرف وہ قسم تناسخ یعنے اواگون کے باطل اور غلط ٹھہرائے گئے ہے جس میں گذشتہ ارواح کو پھر دنیا کی طرف لوٹایا جاوے لیکن بجز اس کے اور بعض صورتیں تناسخ یعنے اواگون کی ایسی ہیں کہ اسلام نے اُن کو روا رکھا ہے چنانچہ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ اسلامی تعلیم سے ثابت ہے کہ ایک شخص جو اس دُنیا میں زندہ موجود ہے جب تک وہ تزکیہ نفس کر کے اپنا سلوک

تمام نہ کرے اور پاک ریاضتوں سے گندے جذبات اپنے دل میں سے نکال نہ لیوے تب تک وہ کسی نہ کسی حیوان یا کیڑے یا مکوڑے سے مشابہ ہوتا ہے اور اہل باطن کشفی نظر سے معلوم کر جاتے ہیں کہ وہ اپنے کسی مقام نفس پرستی میں مثلاً بیل سے مشابہ ہوتا ہے یا گدھے سے یا کُتّے سے یا کسی اور جانور سے اور اسی طرح نفس پرست انسان اسی زندگی میں ایک جُون بدل کر دوسری جُون میں آتا رہتا ہے ایک جُون کی زندگی سے مرتا ہے اور دوسری جُون کی زندگی میں جنم لیتا ہے۔ اسی طرح اس زندگی میں ہزارہا موتیں اس پر آتی ہیں اور ہزارہا جُونیں اختیار کرتا ہے اور اخیر پر اگر سعادت مند ہے تو حقیقی طور پر انسان کی جُون اُس کو ملتی ہے اسی بنا پر خدا تعالٰے نے نافرمان یہودیوں کے قصہ میں فرمایا کہ وہ بندر بن گئے اور سؤر بن گئے سو یہ بات تو نہیں تھی کہ وہ حقیقت میں تناسخ کے طور پر بندر ہو گئے تھے بلکہ اصل حقیقت یہی تھی کہ بندروں اور سؤروں کی طرح نفسانی جذبات اُن میں پیدا ہو گئے تھے غرض یہ قسم تناسخ کی اسی دنیا کی زندگی کے غیر منقطع سلسلہ میں شروع ہوتی ہے اور اسی میں ختم ہو جاتی ہے اور اس میں مرنا اور جینا اور آنا اور جانا ایک حکمی امر ہوا کرتا ہے نہ واقعی اور حقیقی اور دوسری قسم تناسخ کی وہ ہے جو قیامت کے دن دوزخیوں کو پیش آئیگی اور وہ یہ ہے کہ ہر ایک دوزخی جس گندے جذبہ میں گرفتار ہوگا اسی کے مناسب حال کسی حیوان کی صورت بنا کر اس کو دوزخ میں ڈالا جائیگا مثلاً جو لوگ شکم پرستی کی وجہ سے خدا سے دُور پڑ گئے وہ کُتوں کی شکل میں کر کے دوزخ میں گرائے جائیں گے اور جو لوگ شہوت کے جماع کی وجہ سے خدا تعالٰے کے حکم سے روگردان ہو گئے۔ وہ سوروں کی شکل میں دوزخ میں گرائے جائیں گے اور جن لوگوں نے نافرمانی کر کے بہت سے حیوانوں کے ساتھ مشابہت پیدا کر لی تھی وہ بہت سی جُونوں میں پڑیں گے۔ اس طرح پر کہ ایک جُون کو ایسی حالت میں ختم کر کے جو موت سے مشابہ ہے دوسری جون کا چولہ پہن لیں گے۔ اسی طرح ایک جُون کے بعد دوسری جُون میں آئیں گے اور نہ ایک موت بلکہ ہزاروں موتیں اُن پر آئیں گی۔ اور وہ موتیں وہی ہیں جن کو خدا تعالٰی نے ثبور کثیر کے لفظ سے قرآن شریف میں بیان کیا ہے۔ مگر مومنوں پر بجز ایک موت کے جو موتۃ اولٰی ہے اور کوئی موت نہیں آئے گی۔ تیسری قسم

تناسخ کی جو قرآن میں بیان ہے یہ ہے جو انسانی نطفہ ہزارہا تغیرات کے بعد پھر نطفہ کی شکل بنتا ہے مثلاً اول گندم کا دانہ ہوتا ہے اور ہزاروں برس اس کی یہ صورت ہوتی ہے کہ زمیندار اُس کو زمین میں بوتا ہے اور وہ سبزہ کی شکل پر ہو کر زمین سے نکلتا ہے۔ آخر دانہ بن جاتا ہے پھر کسی وقت زمیندار اُس کو بوتا ہے اور پھر سبزہ بنتا ہے اسی طرح صدہا سال ایسا ہی ہوتا رہتا ہے اور ہزارہا قالب میں وہ دانہ آتا ہے یہاں تک کہ اُس کے انسان بننے کا وقت آجاتا ہے تب اُس دانہ کو کوئی انسان کھا لیتا ہے اور اس سے انسانی نطفہ بن جاتا ہے۔ جیسا کہ مثنوی رومی میں ہے

ہفصد و ہفتاد قالب دیدہ ام　　　　بارہا چوں سبزہ ہا روئیدہ ام

سو باوا صاحب کے کسی شعر میں اگر کوئی اشارہ تناسخ یعنے اواگون کی طرف پایا جاتا ہے سو وہ اشارہ درحقیقت ان تین تناسخوں میں سے کسی تناسخ کی طرف ہے جو قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے۔٭ نہ اس وید والے تناسخ کی طرف جس کے لئے ضرور ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے خالق ہونے سے انکار کرے اور نجات کو ابدی نہ سمجھے اور خدا تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے کہ وہ گنہ نہیں بخشتا۔ اور کسی کی توبہ قبول نہیں کرتا اور کسی پر رحم نہیں کرتا اور ظاہر ہے کہ باوا صاحب ایسے گندے عقیدوں سے سخت بیزار تھے وہ خدا تعالیٰ کو روحوں اور جسموں کا پیدا کنندہ جانتے تھے اور نجات ابدی پر اعتقاد رکھتے تھے اور اللہ جلشانہ کو گناہ بخشنے والا یقین رکھتے تھے اور ان کا یہ صاف اور کھلا کھلا عقیدہ تھا کہ انسان بیل۔ گدھا ایسا ہی ہریک جاندار خدا تعالیٰ نے آپ اپنی مرضی سے اور اپنے ارادہ سے پیدا کیا ہے اور کوئی روح قدیم نہیں بلکہ تمام روحیں اسی کی پیدائش ہیں۔ پھر اس عقیدہ والا آدمی ہندوؤں کے اواگون کو ماننے والا کیونکر ہو سکتا ہے۔ دیکھو باوا صاحب فرماتے ہیں

سو کیوں منو وساری جلکے جیا پران　　　　تس ون سب اپوتر ہے جیتا پہنن کھان

یعنے اس کو کیوں دل سے فراموش کرتا ہے جسکی پیدائش روح اور جسم ہے　　　　اس کے بغیر تمام کھانا پہننا ناپاک ہے

اب دیکھو باوا صاحب اس شعر میں صاف اقرار کرتے ہیں کہ جیو اور جسم دونوں خدا تعالیٰ کی پیدائش اور اس کی ملکیت ہیں مگر تناسخ والے تو ایسا نہیں کہتے۔ اس سے تو اُن کا تناسخ ٹوٹتا ہے۔

٭ **نوٹ** ایک تیسری طرح آنا جانا روحوں کا قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے اور وہ یہ کہ بدکاروں کی روحوں کیلئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے اور پھر وہ زمین کی طرف رد کئے جاتے ہیں قال اللہ تعالیٰ ولا تفتح لھم ابواب السماء ۔ منہ

پھر ایک اور شعر میں فرماتے ہیں جس کے جیا پران ہیں من وسے سکھ ہو۔ یعنی جس کی پیدائش روح اور جسم ہیں وہ دل میں آباد ہو تو راحت اور آرام ہو۔ غرض باوا صاحب ویدوالے تناسخ کے قائل نہ تھے صرف اس تناسخ کے قائل تھے جس کا قرآن شریف میں ذکر ہے۔ وید والے تناسخ کا قائل بجز دہریہ اور نیم دہریہ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

پھر اڈیٹر صاحب پرچہ خالصہ بہادر جنم ساکھی کے چند شعر لکھ کر ان سے یہ نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں کہ باوا نانک صاحب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے نہیں تھے۔ بلکہ مکذب تھے اور وہ شعر یہ ہیں۔

لکھ محمدؐ ایک خدا الکھ سچا بے پروا کئی محمد کھڑے دربار شمار نہ پاویں بے شمار
رسول رسال دنیا میں آیا جب چاہا تب پھیر منگایا یونہی کیا ہے نانک بندے پاک خدا اور سب گندے

اب میں سوچ میں ہوں کہ اڈیٹر صاحب نے ان اشعار کو کیوں پیش کر دیا۔ اگر اُن کی اس مصرعہ پر نظر ہے کہ "پاک خدا اور سب گندے" تو اس سے لازم آتا ہے کہ نانک صاحب بھی گندے ہی تھے کیونکہ اگر بجز خدا تعالےٰ کے تمام بندے گندے ہی ہیں تو اس قاعدہ کلیہ سے نانک صاحب بھی باہر نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ وہ بھی بندہ ہی ہیں۔ نانک صاحب خدا تو نہیں ہیں۔ تا پاک ہوں افسوس کہ اڈیٹر صاحب نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بغض کی وجہ سے باوا نانک صاحب کی عزت اور راستبازی کا بھی کچھ خیال نہیں کیا۔ اللہ اللہ!!! بغض اور تعصب بھی کیسی بری بلا ہے۔ جس سے انسان دیکھتا ہوا نہیں دیکھتا اور سنتا ہوا نہیں سنتا اور سمجھتا ہوا نہیں سمجھتا۔ اڈیٹر صاحب آپ خوب یاد رکھیں اس کے یہ معنی نہیں ہیں جو آپ سمجھے* ہیں۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ حقیقی چشمہ پاکی اور پاکیزگی کا خدا تعالےٰ کی ذات ہی ہے اور راست بازوں کو پاکی اور پاکیزگی خدا سے ہی ملتی ہے ورنہ انسان کی حقیقت پر اگر نظر کریں تو وہ ایک ناکارہ بوند سے پیدا ہوتا ہے اس لئے وہ ہیچ محض ہے مگر اللہ تعالیٰ کی عنایتیں اس کے مقبول بندوں کو پاک کرتی ہیں خدا تعالےٰ کا تمام وجود انسان کے فائدہ کے لئے ہے۔ لہذا خدا تعالیٰ کی پاکی بھی انسان کے

* نوٹ: نانک صاحب کا اللہ کے مقابل پر محمدؐ کا نام لکھنا اور اللہ اور محمدؐ کا مقابلہ کر کے اللہ کا بڑا قرار دینا بھی ایک دلیل بزرگ ۸۵
اس بات پر ہے کہ نانک صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالےٰ کے بیلا ہے اور مقرب اور رسول سمجھتے تھے۔ منہ

پاک بنانے کے لئے ہے جس طرح دریا میں بار بار غسل کرنے سے کسی کے بدن پر میل باقی نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح جو لوگ خدا تعالیٰ کے ہی ہو جاتے ہیں اور اس کے سچے فرمانبردار بن کر دریائے رحمت الٰہی میں داخل ہو جاتے ہیں بلاشبہ وہ بھی پاک ہو جاتے ہیں مگر ایک اور قوم بھی ہے جو مچھلیوں کی طرح اس دریا میں ہی پیدا ہوتی ہے اور اس دریا میں ہی ہمیشہ رہتی ہے اور ایک دم بھی اس دریا کے بغیر جی نہیں سکتی وہ وہی لوگ ہیں جو پیدائشی پاک ہیں اور اُن کی فطرت میں عصمت ہے انہیں کا نام نبی اور رسول اور پیغمبر ہے خدا تعالیٰ دھوکا کھانے والا نہیں وہ انہیں کو اپنا خاص مقرب بناتا ہے جو مچھلیوں کی طرح اس کی محبت کے دریا میں ہمیشہ فطرتاً تیرنے والے ہیں اور اسی کے ہو رہتے ہیں اور اسی کی اطاعت میں فنا ہو جاتے ہیں۔ پس یہ قول کسی سچے راستباز کا نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ کے سوا درحقیقت سب گندے ہی ہیں اور کوئی نہ کبھی پاک ہوا نہ ہوگا گویا خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عبث پیدا کیا ہے بلکہ سچی معرفت اور گیان کا یہ قول ہے کہ نوع انسان میں ابتدا سے یہ سنت اللہ ہے کہ وہ اپنی محبت رکھنے والوں کو پاک کرتا رہا ہے ہاں حقیقی پاکی اور پاکیزگی کا چشمہ خدا تعالیٰ ہی ہے جو لوگ ذکر اور عبادت اور محبت سے اس کی یاد میں مصروف رہتے ہیں خدا تعالیٰ اپنی صفت اُن پر بھی ڈال دیتا ہے تب وہ بھی اس پاکی سے ظلی طور پر حصہ پا لیتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی ذات میں حقیقی طور پر موجود ہے مگر بعض کے لئے رحمت الٰہی ابتدا سے ہی سبقت کرتی ہے۔ اور وہ مادر زاد موردِ عنایت ہوتے ہیں خدا تعالیٰ اُن کو ابتدا سے ہی نالائق جذبات سے محفوظ رکھتا ہے اور نہ صرف اسی قدر بلکہ اُن کی فطرت میں خدا شناسی اور خدا ترسی اور صبر اور استقامت کا مادہ سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور بالطبع وہ گناہ سے ایسا ہی نفرت کرتے ہیں جیسا کہ دوسرے لوگ گناہ سے محبت کرتے ہیں۔ اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہمیشہ سے سب لوگ گندے ہی چلے آتے ہیں اور اس فطرت کے لوگ دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوتے کہ جو خدا تعالیٰ سے پاکی حاصل کریں وہ خود گندہ اور نابینا ہے۔ مگر باوا نانک صاحب کی نسبت ہم ایسا عقیدہ ہرگز نہیں رکھتے بلکہ ہم نہایت پختہ یقین سے کہتے ہیں کہ نالائق اور نادان لوگوں نے جن کو سچے گیان اور پاک معرفت کی کچھ خبر نہیں۔ باوا صاحب پر یہ تہمتیں لگا دی

ہیں اور ہرگز اُن کا یہ مذہب نہیں چنانچہ ہمارے اِس دعوے پر اُن کے دوسرے شعر گواہ ہیں اور یہ شعر
بھی گرنتھ صاحب میں اب تک موجود ہے **سکھ داتا گو رسینوئیں سب اوگن کڈھے دھو**
یعنے آرام کے دینے والے خدا کو پوجنا چاہیئے جو تمام بداعمالیوں کو نکال کر دھو ڈالتا ہے۔ پھر یہ شعر
بھی گرنتھ صاحب میں ہے۔

جن کیتا تسے نجانئے من مکھ پس ناپاک گُن گوبند نت گاوئین اوگن کٹن ہار

یعنے اگر اپنے پیدا کرنے والے کو نہ جانیں تو منہ دل دونوں پلید ہیں اور اگر خدا تعالیٰ کی صفت ثنا
کریں تو وہ تمام ناپاکیاں بیماریاں دور کر دیگا۔ دیکھو ان شعروں میں صاف اقرار ہے کہ خدا تعالیٰ کے
قُرب سے انسان پاک ہو جاتا ہے پھر یہ مقولہ کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ بجز خدا تعالیٰ کے سب
ناپاک اور گندے ہیں۔ ہر یک بات کے لفظ پکڑ لینے اور حقیقت سے غافل رہنا یہ بڑی غلطی ہے مثلاً
یہ شعر گرنتھ صاحب میں موجود ہے۔

کہو نانک ہم نیچ کرما سرن پڑیگی راکھو سرما

یعنے اے نانک اس بات کا اقرار کر دے کہ میں بدعمل آدمی ہوں قدموں پر گرے ہوئے کا
لحاظ رکھ لو۔ یعنی اگرچہ میں نہایت ہی بدعمل ہوں مگر اے خالق تیرے قدموں پر آگرا ہوں۔ سو
اس لحاظ سے کہ میں قدموں پر آگرا ہوں مجھے بخش دے۔ اب نہایت بے ادبی ہوگی۔ اگر کوئی
صرف لفظوں کا لحاظ کرکے یہ کہے کہ نعوذ باللہ باوا نانک صاحب کا چال چلن اچھا نہیں تھا کیونکہ
وہ آپ اقرار کرتے ہیں کہ میں نیچ کرم آدمی ہوں تو یہ سخت جہالت اور تعصب ہے کیونکہ یہ مقولہ
اُن کا مقام انکسار میں اللہ جلشانہ کے سامنے ہے ایسا ہی یہ مقولہ اُن کا کہ بجز خدا کے تمام مخلوق
گندی ہیں مقام انکسار میں ہوگا اور اس کے یہ معنی ہوں گے کہ حقیقی پاکی صرف خدا کیلئے مسلّم ہے
اور باقی سب لوگ اس کے پاک کرنے سے پاک ہوتے ہیں اور ان معنوں سے یہ مضمون قرآن کریم
کی تعلیم سے موافق پڑے گا کیونکہ اللہ جلشانہٗ بہشتیوں کی زبان سے فرماتا ہے۔ الحمد للہ الذی
ھدانا لھٰذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ۔[1] یعنی سب تعریف اس خدا کو جس نے

[1] الاعراف : ۴۴

ہمیں بہشت میں داخل ہونے کے لئے آپ ہی سب توفیق بخشی آپ ہی ایمان بخشا۔ آپ ہی نیک عمل کرائے آپ ہی ہمارے دلوں کو پاک کیا اگر وہ خود مدد نہ کرتا تو ہم آپ تو کچھ بھی چیز نہ تھے اور پھر فرماتا ہے ایاك نعبد وایاك نستعین[1] یعنے یہ دعا کرو کہ ہم تیری پرستش کرتے ہیں اور تجھ سے ان تمام باتوں میں مدد چاہتے ہیں۔ سو یہ تمام اشارے نیستی اور تذلل کی طرف ہیں۔ تا انسان اپنے تئیں کچھ چیز نہ سمجھے۔

اس وقت باوا نانک صاحب کے ایک دو شعر اور مجھے یاد آ گئے جن میں انہوں نے کسر نفسی کے ساتھ جناب الٰہی میں مناجات کی ہے جیسا کہ وہ گرنتھ صاحب میں فرماتے ہیں۔

اسی بول وگاڑ وگاڑیں بول　　　توں نظری اندر تولیں تول

یعنے ہم کواسی لوگ ہیں بات بگاڑ لیتے ہیں تو اپنی نظر کے اندر وزن کر لیتا ہے پھر ایک جگہ باوا صاحب فرماتے ہیں۔

توں بھرپور جانیاں میں دور　　　جو کچھ کرے سو تیرے حضور

یعنے توں ہر جگہ ہے مگر میں نے دور خیال کیا جو کچھ کریں سو تیری حضور میں کرتے ہیں۔ پھر ایک جگہ کہتے ہیں۔

توں دیکھیں ہم مکر پاؤ　　　تیرے کم نہ تیرے ناؤ

یعنے تو دیکھ رہا ہے اور ہم اپنے برے کاموں سے منکر ہوتے ہیں نہ تیرے حکم پر چلتے ہیں اور نہ تیرا نام لیتے ہیں۔ اب کیا یہ خیال کیا جائے کہ نانک صاحب درحقیقت ایسے کلمے منہ پر لایا کرتے تھے جن سے بات بگڑ جاتی تھی اور تیز خدا تعالےٰ کو دور خیال کرتے تھے اور اپنے برے کاموں کو چھپایا کرتے تھے۔ اور خدا تعالےٰ کے حکم پر نہیں چلتے تھے اور نہ اس کا نام لیتے تھے۔ ایسا ہی باوا نانک صاحب گرنتھ کے صفحہ ۲۱۹ میں فرماتے ہیں۔

واہ واہ ساچے میں تیری ٹیک　　　ہوں پاپی توں نرمل ایک

یعنے اے سچے مجھے تیرا آسرا ہے میں سخت بدکار ہوں اور تو بے عیب ہے۔ اور پھر فرماتے ہیں۔

شب روز گشتم در ہوا کردم بدی خیال　　　گاہے نہ نیکی کار کردم ہم ایں چنیں احوال

بدبخت ہم چو بخیل غافل بے نظر بے باک　　　نانک بگوید جن ترا تیرے چاکراں پا خاک

[1] الفاتحہ : ۵

یعنے میں ہمیشہ حرص و ہوا کے پیچھے ہی پڑا رہا کبھی نیکی کا کام نہ کیا۔ ایسا ہی میرا ہمیشہ حال رہا۔ بدبخت ہوں بخیل ہوں غافل ہوں میں صاحب نظر نہیں ہوں اور بے خوف ہوں۔ اور تیرے چاکروں کا خاک پا ہوں۔ اور پھر ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

ہم اوگن آرے توں سُن پیارے ستدھ بھاوے سچ سو

یعنے ہم گنہگار ہیں اے پیارے وہی سچ ہے جو تجھے اچھا معلوم ہو۔ اب کیا آپ لوگ اِن ابیات کو حقیقت پر حمل کر کے باوا نانک صاحب کو ایسا ہی خیال کروگے جیسا کہ وہ ان شعروں میں اپنی نسبت خیال کرتے ہیں بلکہ یہی معنے کروگے کہ انہوں نے خدا تعالےٰ کی عظمتوں پر نظر کر کے اپنے تئیں ہیچ سمجھا۔ پس ایسا ہی نوع انسان کے لئے ان کا کلام ہے کہ بغیر خدا تعالیٰ کے فضل کے کوئی پاک نہیں کہلا سکتا۔

پھر عقلمند سوچ سکتا ہے کہ یہ شعر کہ "لکھ محمد ایک خدا۔ کھو سچا ہے بے پروا" اس کے یہی معنے ہیں کہ محمدؐ اور خدا کی عظمت میں غور کر۔ کیونکہ لکھنا غور کرنے اور فکر کرنے کو کہتے ہیں جیسا کہ الکھ کے معنے ہیں فکر اور عقل سے باہر۔ پھر یہ قول نانک صاحب کا "کئی محمد کھڑے دربار۔ شمار نہ پاویں بے شمار" اس کے یہی معنے ہیں کہ خدا کے مقرب اور پیارے بیشمار ہیں۔ جن کو اس کے دربار خاص میں جگہ ہے۔ اب آنکھیں کھول کر دیکھو کہ کیا اس شعر سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف نکلتی ہے یا مذمت نکلتی ہے۔ بلکہ نانک صاحب نے خدا تعالیٰ کے ہر یک پیارے کا نام محمد رکھ دیا کیونکہ محمد کے معنے عربی میں یہ ہیں کہ نہایت تعریف کیا گیا۔ یعنے جو شخص خدا تعالیٰ کا نہایت ہی پیارا ہو اس کو محمدؐ کہتے ہیں۔ پس نانک صاحب فرماتے ہیں کہ محمد یعنے خدا تعالےٰ کا پیارا ایک نہیں ہے بلکہ بیشمار پیارے ہیں جن کو اس کے دربار میں رسائی ہے۔ سو اِن شعروں میں تو نانک صاحب نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا صاف اقرار کر دیا ہے اور اگر فرض کے طور پر کوئی ایسا شعر ہو جو مذمت پر دلالت کرتا ہو تو وہ گندہ شعر نانک صاحب کا کبھی نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ جابجا ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہیں جیسا کہ

وہ ایک شعر میں گرنتھ میں فرماتے ہیں "برکت تن کو اگلی پڑھتے رہن درود" یعنے جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ انہیں کو آنے والے زمانہ میں برکت ملے گی۔ اور پھر ایک شعر گرنتھ میں فرماتے ہیں " کرنی کعبہ سچ پیر کلمہ کرم نواج " یعنی نیک کام کعبہ کے حکم میں ہیں جن کی طرف مونہہ کرنا چاہیئے اور سچ بولنا مرشد کے حکم میں ہے جس سے رہ ملتی ہے اور کلمہ یعنے لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ وہ چیز ہے جس سے قسمت کھلتی ہے اور عمل نیک ہو جاتے ہیں اب فرمایئے کہ کیا ایسا شخص جو اس قدر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے کیا اس کی نسبت گمان کر سکتے ہیں کہ کوئی خلاف تہذیب کا کلمہ اس کے مونہہ سے نکلا ہوگا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ گرنتھ صاحب کے ایسے اشعار جو تناقض کے مرض میں مبتلا ہیں تو اس کا یہ سبب نہیں کہ باوا نانک صاحب کی کلام میں تناقض تھا۔ بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ تمام اشعار دو سو بلکہ تین سو برس بعد میں جمع کئے گئے اور ہر ایک شعر کے پیچھے نانک کا اسم خواہ نخواہ لگا دیا گیا۔ اگرچہ حال کے گرنتھ دان یہ بیان کرتے ہیں کہ جس شبد پر آسا محلہ پہلا یا گوڑی محلہ پہلا لکھا ہوا ہو وہ تو درحقیقت نانک صاحب کا ہی شعر ہے اور نہیں تو دوسرے جانشینوں کا شعر ہے۔ لیکن جس حالت میں ہر یک شعر کے آخر میں نانک کا لفظ پایا جاتا ہے تو یہ ایک نہایت قابل اعتراض کارروائی ہے کیونکہ سراسر خلاف واقعہ اور جعل کے رنگ میں ہے۔ اور اس صورت میں اُن شعروں سے بھی امان اُٹھ گیا جو دراصل باوا نانک صاحب کے ہوں گے۔ اور اب کئی سو برس کے بعد کون فیصلہ کر سکتا ہے کہ اُن میں سے نانک صاحب کے کون سے شعر اور دوسروں کے کون سے شعر ہیں۔ جن لوگوں نے بے محل اپنے شعروں کے اخیر پر نانک کا لفظ ملا دیا۔ اُن لوگوں نے اور کیا کچھ دخل نہیں دیا ہوگا۔ پھر جبکہ یہ کارروائی دو سو برس بعد بلکہ مدت کے بعد کی کارروائی ہے تو ایسے مجموعہ پر کیونکر بغیر دوسرے شواہد کے بھروسہ ہو سکتا ہے۔ اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ باوا صاحب کے اس ابتدائی زمانہ کے بھی بعض شعر ہوں جبکہ اُنہوں نے ابھی اسلامی ہدایت سے شرف حاصل نہیں کیا تھا اور خیالات میں الٰہی روشنی حاصل نہیں ہوئی تھی اور اُن خطاؤں اور غلطیوں میں پڑے ہوئے تھے جن کا اُن کو خود اقرار ہے۔ لیکن چونکہ ان شعروں کے جمع کرنے میں پوری

احتیاط سے کام نہیں لیا گیا اس لئے باوجود اس خیال کے یہ دوسرا شبہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ باوا صاحب کے اشعار میں اجنبی اشعار بہت ملائے گئے ہیں اور اُن کے نام سے اپنا سکہ چلایا گیا ہے۔ پھر جس گرنتھ میں ایسا گڑبڑ پڑا ہوا ہے وہ بجز کسی خاص معیار کے ہرگز قبول کرنے کے لایق نہیں اور عند العقل چولہ صاحب اور باوا صاحب کے چلوں سے بڑھ کر اور کوئی معیار نہیں۔ اور نیز باوا صاحب کے وہ اشعار بھی معیار میں داخل ہیں جن میں انہوں نے صاف اقرار کیا ہے کہ بغیر اسلام کے کسی کی نجات نہیں اور یہ عقیدہ باوا صاحب کے آخری عمر کا معلوم ہوتا ہے اور یہ کچھ عجیب نہیں کہ ابتدائی عمر کے خیالات آخری عمر کے خیالات سے کچھ تناقض رکھتے ہوں بلکہ حقیقتاً ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ باوا صاحب رفتہ رفتہ حق کی طرف جھکتے چلے آئے ہیں یہانتک کہ آخری عمر میں چولہ بنا کر اسلامی شعار ظاہر کرنے کے لئے پہن لیا اور آخری عمر میں ہی حج کیا اور آخری عمر میں ہی چلہ کشی کی۔ سو آخری عمر کے قول اور فعل قابل اعتبار ہیں۔ اور اس کے مخالف سب ردّی۔

بالآخر یہ بھی یاد رہے کہ باوا نانک صاحب کے اشعار پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باوا صاحب اپنی گذشتہ زندگی کو نہایت غفلت اور خطا وسہو کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اپنی ذات کی نسبت بار بار یہ لفظ استعمال کرتے ہیں کہ پاپی اور نیچ اور غفلت سے بھرا ہوا اور بخیل اور غافل وغیرہ وغیرہ۔ سو اس صورت میں کچھ تعجب کی بات نہیں کہ جیسا کہ اڈیٹر صاحب خالصہ بہادر فرماتے ہیں۔ کہ باوا نانک صاحب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اپنے اشعار میں ہتک آمیز الفاظ بھی استعمال میں لاتے رہے ہیں یہ بھی کسی ایسے زمانہ کے واقعات ہوں جبکہ باوا صاحب اس حجاب اور غفلت میں پڑے ہوئے تھے جس کا اُن کو خود اقرار ہے کیونکہ باوا صاحب اپنے بیشمار گناہوں کا خود اقرار کرتے ہیں اور اپنی گذشتہ غلطیوں کے آپ اقراری ہیں۔ جیسا کہ وہ گرنتھ کے صفحہ ۲۲۴ میں فرماتے ہیں

جیتا سمندر ساگر نیر بھریا تیتے اوگن ہمارے ۔۔۔ دیا کرو کچھ مہر اُپاہو ڈبدے پتھر تارے

یعنی جس قدر سمندر پانی سے بھرا ہوا ہے اسی قدر ہمارے گناہ اور عیب ہیں کچھ رحم اور مہر کرو اور ایسے پتھروں کو

تار دو کہ قریب ہے جو ڈوب جائیں۔ پھر صفحہ ۳۲۸ گرنتھ میں فرماتے ہیں۔

ہم پاپی نِرگن کو گُن کرے   پربھ ہوئے دیال نانک جن ترے

یعنی ہم بڑے گنہ گار ہیں کوئی نیکی نہیں کیا نیکی کریں خدا فضل کرے تو تب ہم تریں یعنی نجات پاویں۔

اسی طرح چولہ صاحب میں یہ لکھا ہوا موجود ہے

لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین[1]

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ

یعنی اے خدا تو پاک ہے تیرے سوا اور کوئی نہیں میں ظالموں میں سے تھا۔ اور اب میں گواہی دیتا ہوں کہ سچا خدا اللہ ہے اس کے ساتھ اور کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہے۔ اب دیکھو کہ کس تضرع اور عاجزی سے باوا نانک صاحب اپنے گناہوں کا اقرار کر کے صاف کہتے ہیں کہ میں پہلے اس سے ظالم تھا اور اب میں مانتا ہوں کہ اللہ سچ اور محمدؐ اس کا رسول برحق ہے۔ سو اُن کے اس تمام بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اوایل زمانہ میں اس معرفت سے بیخبر تھے۔ کہ دین الٰہی دین اسلام ہے اگرچہ وہ تعصب سے ہمیشہ دور رہے اور خدا تعالےٰ نے ان کا دل ہندوؤں کے تعصب سے خالی پیدا کیا تھا اور حق کی طلب ہوش پکڑتی ہی ان کو دامنگیر ہو گئی تھی مگر بشری غفلت کی وجہ سے اوایل ایام میں اس زندگی کے چشمہ سے بیخبر تھے جس کا نام اسلام ہے اس لئے کچھ تعجب کی بات نہیں کہ وہ پہلے دنوں میں اپنے شعروں میں ایسے خیالات ظاہر کرتے ہوں جو اسلام کے مخالف ہوں اور تکذیب کے رنگ میں ہوں۔ مگر جب اُن کو یہ سمجھ آگئی کہ درحقیقت اسلام ہی سچا ہے اور فی الواقعہ حضرت محمد مصطفیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے پیغمبر اور خدا کے پیارے ہیں تب تو انہوں نے اپنی پہلی زندگی کا چولہ اُتار دیا۔ اور اسلامی چولہ پہن لیا اور یہ چولہ جو ابتک کابلی مل کی اولاد میں چلا آتا ہے یہ درحقیقت طرز زندگی کے تبدیل کرنے کا نشان ہے۔ پہلا چولہ انکار کا اُتار کر اور آگ میں جلا کر یہ چولہ اقرار کا خدا تعالےٰ کے فضل نے اُن کو پہنا دیا۔ جو ابتک چار سو برس سے موجود ہے اور باوا صاحب کی آخری عمر کی سوانح کا ایک

[1] الانبیاء : ۸۸

زندہ گواہ ہے۔ اور اسی کو باوا صاحب اپنی مذہب اور ملت کی یادگار چھوڑ گئے اور اگر اُن کے فوت ہونے کے بعد اُن کے گھر میں سے اُن کی طریق زندگی کا نشان برآمد ہوا تو یہی چولہ برآمد ہوا کوئی گرنتھ کی جُز برآمد نہیں ہوئی بلکہ دو سو تین سو برس بعد عوام الناس کی زبانی اکٹھا کیا گیا۔ پس جب کہ ایک برس کے فرق سے بھی ہزاروں تغیر اور تبدل پیدا ہو جاتے ہیں۔ پھر دو سو تین سو برس کے فرق کے بعد کیا کچھ تغیرات اور تحریفات نہیں ہوئے ہوں گے اور یاد رہے کہ دو سو برس کے بعد میں جمع کیا جانا ان گوروؤں کے شعروں کی نسبت ہے جو گورو ارجن داس صاحب سے پہلے گزر چکے لیکن جو گورو گورو ارجن داس صاحب کے بعد آئے ان کے اشعار تو قریباً تین سو برس کے بعد میں لکھے گئے ہوں گے اور ابتک ٹھیک پتہ نہیں کہ وہ کس نے لکھے اور اُن کا جمع کرنا گورو ارجن داس کی طرف کیوں منسوب کیا گیا کیونکہ گورو ارجن داس صاحب تو اُن سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔ پھر عجیب تر یہ کہ ان شعروں کے آخر میں بھی نانک کا لفظ لگایا گیا اور صدہا شعر باوا نانک صاحب کے ایسے ترک کئے گئے اور گرنتھ میں نہیں لکھے گئے جن میں باوا صاحب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور اسلام کی تعریف اور اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کرتے تھے۔ چنانچہ چشتی سلسلہ کے لوگ جن کے ساتھ اُن کا تعلق تھا۔ ابتک ان شعروں کو یاد کرتے اور پڑھتے ہیں۔ ان تمام امور پر نظر ڈال کر ایک حق کا طالب جلد سمجھ سکتا ہے کہ باوا نانک صاحب کے مذہب کی اصل حقیقت دریافت کرنے کے لئے صرف موجودہ گرنتھ پر مدار رکھنا سخت غلطی ہے۔ اس کو کون نہیں جانتا کہ موجودہ گرنتھ کی صحت کے بارہ میں بہت سی پیچیدگیاں اور دقتیں واقع ہو گئی ہیں اور وہ تمام اشعار دو تین سو برس تک ایک پوشیدگی کے گہرے پانی میں غوطہ لگانے کے بعد پھر ایسے زمانہ میں ظاہر ہوئے جس میں سکھ صاحبان کے اصل مذہب کا رنگ بدل چکا تھا اور وہ اپنی اس حالت میں اس قسم کے شعر ہرگز جمع نہیں کر سکتے تھے۔ جن میں باوا صاحب کے مسلمان ہونے کی تصریحات تھیں اور ایسے بے ثبوت اور بے سند طور پر وہ جمع کئے گئے کہ جن میں جعلسازوں کو بہت کچھ خلط ملط کرنے کا موقعہ تھا۔ گورو ارجن داس صاحب کی گو کیسے ہی نیک نیت ہو

مگر جن لوگوں کے زبانی وہ شعر جمع کئے گئے تھے اُن کی درائت اور روایت ہرگز قابلِ اعتماد نہیں۔ باوا صاحب کے ہاتھ سے جو چیز آج تک دست بدست چلی آتی ہے اور جو اُن کے فوت ہونے کے بعد اُن کے گھر میں پائی گئی وہ فقط چولہ صاحب ہے ہر یک منصف کو چاہیئے کہ اگر باوا صاحب کے مذہب کی اصل حقیقت دریافت کرتا ہے۔ تو اس بارہ میں چولہ صاحب کی شہادت قبول کرے کہ باوا صاحب کا چولہ باوا صاحب کا قائم مقام ہے ان دوسری موافق شہادتیں جو گرنتھ وغیرہ سے ملتی ہیں" بھی کچھ تھوڑی نہیں ہیں مگر چولہ صاحب بہرحال سب سے مقدّم اور زندہ گواہ ہے۔

باوا نانک صاحب کے اسلام پر خلاصہ دلایل

ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ باوا صاحب وید کی خراب تعلیموں کو دیکھ کر بالکل اس سے دست بردار ہو گئے تھے۔ اور ہمیں غور کرنے کے بعد معلوم ہوا ہے کہ باوا نانک صاحب کی زندگی تین زمانوں پر مشتمل تھی اور وہ فوت نہیں ہوئے جب تک تیسرا زمانہ اپنی زندگی کا نہ پالیا۔

(۱) پہلا زمانہ وہ تھا کہ جب وہ رسم اور تقلید کے طور پر ہندو کہلاتے تھے۔ پس اس زمانہ کے شبد یعنی شعر اُن کے اگر ہندو مذہب کے مناسب حال ہوں تو کچھ بعید نہ ہوگا۔

(۲) اور دوسرا زمانہ باوا نانک صاحب پر وہ آیا جبکہ وہ ہندو مذہب سے قطعاً بیزار ہو گئے۔ اور وید کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے سو وہ تمام شعر اُن کے جو ویدوں کی مذمت میں ہیں درحقیقت اسی زمانہ کے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اس دوسرے زمانہ میں باوا صاحب کو اسلام سے بھی کچھ ایسا تعلق نہیں تھا کیونکہ ابھی اُن کا گیان اس درجہ تک نہیں پہنچا تھا جس سے وہ الٰہی دین کی روشنی کو پہچان سکتے بلکہ اس مرتبہ میں اُن کی معرفت کچھ دُھندلی سی اور ابتدائی درجہ میں تھی۔ اس لئے کچھ تعجب نہیں کہ اُنہوں نے اپنی زندگی کے اُس دوسرے مرحلہ میں ایسی باتیں بھی کہی ہوں یا ایسے شعر بھی بنائے ہوں جو کامل سچائی کے مخالف ہوں (۳) تیسرا زمانہ باوا صاحب پر وہ آیا۔ جبکہ ان کی معرفت کامل ہو گئی تھی اور وہ جان چکے تھے کہ پہلے خیالات میرے خطا سے خالی نہ تھے۔

اس لئے اکثر جناب الٰہی میں رو رو کر گذشتہ زندگی کے بارہ میں بہت عذر معذرت کرتے تھے۔ اور اسی آخری حصہ عمر میں انہوں نے دو حج کئے اور دو برس تک مکہ اور مدینہ میں رہے اور صلحائے اسلام کے روضوں پر چلے گئے اور پرانی زندگی کا بالکل چولہ اُتار دیا۔ اور نئی زندگی کا نشان وہ چولہ پہن لیا۔ جس کی ہر یک طرف میں لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا اب تک موجود ہے اور اُن کا خاتمہ بہت عمدہ ہوا۔ اور مجمع کثیر کے ساتھ مسلمانوں نے اُن پر نماز جنازہ پڑھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سکھ صاحبان اس بات پر بھی غور کریں کہ باوا نانک صاحب کلام الٰہی کے قایل تھے اور جابجا گرنتھ میں بار بار کہہ چکے ہیں کہ خدا کی ہدایت اور خدا کی کلام کے سوا کوئی شخص اس کی رہ کو نہیں پا سکتا۔ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں۔

جیہی توں مت دے تیہی کوئی پاوے   تدھ آپے بھاوے تیویں چلاوے

یعنے جیسے تو نصیحت دے ویسے کوئی تجھے پاسکتا ہے تجھے جو اچھا لگا وہی کام تو چلاتا ہے اور پھر فرماتے ہیں

حکمے آیا حکم نہ بوجھے حکم سوارن ہارا

یعنی انسان حکم سے آیا اور حکم نہیں پہچانتا۔ اور خدا کے حکم سے ہی انسان کی اصلاح ہوتی ہے۔ اور ایسے شعر صدہا ہیں۔ اور کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ اور سب کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کے الہام اور کلام کی پیروی کرنی چاہیئے تب راہ ملے گی۔ لیکن باوا صاحب نے کسی جگہ یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ گرنتھ کے اشعار جو میرے مُنہہ سے نکلتے ہیں الہامی ہیں یا خدا کا کلام ہے۔ بلکہ اپنا نام شاعر رکھا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں۔ دیکھو صفحہ ۹۶۳

ساس ماس سب جیو تمہارا توں میں کھرا پیارا
نانک شاعر ایو کہت ہے سچے پروردگارا

یعنی سانس اور گوشت اور جان تمہاری طرف سے ہیں اور تو مجھے بہت پیارا ہے۔ نانک شاعر اسی طرح کہتا ہے اے سچے پروردگار۔ اب ظاہر ہے کہ اگر یہ کلام نانک صاحب کا خدا تعالیٰ

کی طرف سے ہوتا تو وہ اپنا نام ان شعروں میں شاعر نہ رکھتے۔ پس جبکہ نانک صاحب کا یہ اپنا ہی کلام ہوا اور دوسری طرف اُن کا یہ اقرار ہے کہ بغیر پیروی ست گور کے حکم یعنی خدا تعالیٰ کی کلام کے کوئی انسان نجات نہیں پا سکتا۔ پس اب یہ سوال بالطبع ہوتا ہے کہ باوا صاحب نے پرمیشر کی رضا حاصل کرنے کے لئے کس کتاب الٰہی کی پیروی کی اور اپنے سکھوں کو کس کتاب الہامی کی ہدایت دی اس سوال کا جواب ہم اس رسالہ میں بخوبی دے چکے ہیں کہ باوا صاحب قرآن شریف کی پیروی کرتے رہے۔ اور اسی کی پیروی کی انہوں نے نصیحت کی۔

اور اگر کوئی انسان ان تمام باتوں سے قطع نظر کر کے باوا صاحب کے ان عقاید پر نظر غور ڈالے جو گرنتھ میں اُن کی طرف سے منقول ہیں اور اُن کے اشعار میں پائے جاتے ہیں۔ تو بہت جلد یقین کر لے گا کہ ان عقیدوں کا پتہ بجز اسلام کے اور کسی دین میں نہیں ملتا پس یہ بھی ایک پختہ دلیل اس بات پر ہے کہ باوا صاحب نے اسلامی عقاید ہی قبول کئے اور انہیں کو اپنا عقیدہ ٹھہرا لیا تھا۔ **پھر ہم ایسے عقیدہ والے کو اگر مُسلمان نہ کہیں تو ہمیں بتلاؤ کہ اور کس مذہب کیطرف اُس کو منسوب کریں۔** چنانچہ اس وقت چند شعر باوا صاحب کے بطور نمونہ کے اس جگہ لکھے جاتے ہیں۔ ان کو سکھ صاحب غور سے پڑھیں کہ یہ عقیدے کس مذہب کے ہیں۔ منجملہ اُن کے یہ شعر ہے۔

ہر بن جیو جل بل جاؤ میں اپنا گور پوچھ دیکھا اور ناہیں تھاؤ

یعنے اے جاندارو خدا کے سوا جل جاؤ گے۔ میں اپنے مرشد سے پوچھ لیا اور کوئی جگہ نہیں۔ اب واضح ہو کہ یہ اس آیت قرآنی کا ترجمہ ہے۔ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ[1] یعنی جو لوگ نافرمان اور بدکار ہیں اور نفس اور ہوا کے تابع ہیں وہ جہنم میں داخل ہوں گے اور وہاں جلیں گے۔ اور اسی کے مطابق ایک دوسری آیت ہے اور وہ یہ ہے

وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ[2]

یعنی اپنے رب کو بہت ہی یاد کرو تا دوزخ کی آگ سے نجات پاؤ۔ اب ظاہر ہے کہ نافرمانی کی حالت میں

[1] الانفطار: ۱۵-۱۶ [2] الانفال: ۴۶

آگ میں جلنا ہندوؤں کا مذہب نہیں بلکہ اُن کا مذہب تو آواگون اور جونوں میں پڑنا ہے اور عیسائیوں کے مذہب میں بھی یہ تسلیم نہیں کہ خدا سے سچی محبت کر کے انسان دوزخ سے بچ جاتا ہے کیونکہ اُن کے مذہب میں مدار نجات حضرت مسیح کی خودکشی پر ایمان لانا ہے۔ سو یہ محض قرآنی تعلیم ہے جو باوا صاحب نے بیان کی۔ قرآن ہی یہ تعلیم دیتا ہے کہ قد افلح من زکٰھا یعنے جہنم کی آگ سے وہ بچے گا جو اپنے تئیں نفس پرستی اور تمام نافرمانیوں سے پاک کرے گا اور پھر ایک اور شعر باوا صاحب کا ہے اور وہ یہ ہے۔

کیتیاں تیری قدرتیں کی وڈی تیری دات　　کیتی تیرے جیا جنت صفت کریں دن رات

یعنی کس قدر تیری قدرتیں ہیں اور کس قدر تیری بخشش اور عطا ہے اور کس قدر تیری مخلوق ارواح اور اجسام ہیں جو دن رات تیری تعریف کرتے ہیں۔ یہ شعر بھی قرآن شریف کی آیات کا ترجمہ ہے۔ کیونکہ اللہ جلشانہ قرآن شریف میں فرماتا ہے

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[۱] ھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ[۲] وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا[۳] وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ[۴]

یعنی خدا وہ قادر ہے جس کے آگے کوئی بات اَن ہونی نہیں وہ نہایت بزرگ اور صاحب عظمت ہے اور اس کی نعمت اور بخشش اس قدر ہے کہ اگر تم اُس کو گننا چاہو تو یہ تمہاری طاقت سے باہر ہے اور کوئی چیز نہیں جو خدا کی حمد و ثنا میں مشغول نہیں ہر یک چیز اُس کے ذکر میں لگی ہوئی ہے۔ اب دیکھو۔ باوا صاحب کا یہ شعر انہیں آیات کا ترجمہ ہے لیکن یہ شعر وید کے عقیدہ کے صریح برخلاف ہے۔ کیونکہ وید کی رو سے پرمیشر کی عطا اور بخشش کچھ بھی چیز نہیں سب کچھ اپنے عملوں کا پھل ہے اور وید اس بات کا بھی قایل نہیں کہ آگ اور پانی اور ہوا وغیرہ خدا تعالیٰ کی صفت و ثنائیں کر رہے ہیں۔ بلکہ وید تو ان چیزوں کو خود پرمیشر ہی قرار دیتا ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ یہ نام اگرچہ مخلوق کے ہیں مگر پرمیشر کے بھی یہ نام ہیں تو اس بات کا ثبوت دینا چاہیئے کہ جیسا کہ قرآن بیان کرتا ہے کہ چاند سورج ستارے پانی آگ مٹی ہوا سب خدا کی مخلوق ہے اور اسی کی تعریف کر رہے ہیں اور ان چیزوں

[۱] البقرۃ : ۱۱۰ [۲] البقرۃ : ۲۵۶ [۳] ابراھیم : ۳۵ [۴] بنی اسراءیل : ۴۵

میں سے کسی کی پرستش جائز نہیں۔ ایسا ہی وید میں بھی یہ بیان موجود ہے۔ مگر یہ بات ہرگز نہیں۔ تعصب سے ضد کرنا اور بات ہے لیکن ثبوت دینا اور بات ہے سو باوا صاحب نے یہ تمام مضمون قرآن شریف سے لئے ہیں۔ اور پھر باوا صاحب کا ایک شعر یہ ہے۔

اوچوتھان سوہاوناں اوپر محل مرار سچ کرنی دے پائیے در گھر محل پیار

یعنے وہ بہشت اونچا مکان ہے اس میں عمارتیں خوبصورت ہیں اور راست بازی سے وہ مکان ملتا ہے اور پیار اُس محل کا دروازہ ہے جس سے لوگ گھر کے اندر داخل ہوتے ہیں اور یہ شعر اس آیت سے اقتباس کیا گیا ہے۔ جو قرآن شریف میں ہے۔

اولٓئک یجزون الغرفۃ[1] حسنت مستقرا ومقاما[2]۔

یعنے جو لوگ راستباز ہیں اور خدا سے ڈرتے ہیں انہیں بہشت کے بالاخانوں میں جگہ دی جائے گی جو نہایت خوبصورت مکان اور آرام کی جگہ ہے دیکھو اس جگہ صریح باوا صاحب نے اس آیت کا ترجمہ کر دیا ہے۔ کیا اب بھی کچھ شک باقی ہے کہ باوا صاحب قرآن شریف کے ہی تابعدار تھے اس قسم کا بیان بہشت کے بارہ میں وید میں کہاں ہے بلکہ انجیل میں بھی نہیں۔ تبھی تو بعض نابینا عیسائی اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن میں جسمانی بہشت کا ذکر ہے۔ مگر نہیں جانتے کہ قرآن بار بار کہتا ہے کہ جسم اور رُوح جو دونوں خدا تعالیٰ کی راہ میں دنیا میں کام کرتے رہے ان دونوں کو جزا ملے گی۔ یہی تو پورا بدلہ ہے کہ روح کو روح کی خواہش کے مطابق اور جسم کو جسم کی خواہش کے مطابق بدلہ ملے۔ لیکن دنیوی کدورتوں اور کثافتوں سے وہ جگہ بالکل پاک ہوگی۔ اور لوگ اپنی پاکیزگی میں فرشتوں کے مشابہ ہوں گے۔ اور باایں ہمہ جسم اور روح دونوں کے لحاظ سے لذت اور سرور میں ہوں گے۔ اور روح کی چمک جسم پر پڑے گی اور جسم کی لذت میں روح شریک ہوگا اور یہ بات دنیا میں حاصل نہیں ہوتی بلکہ دنیا میں جسمانی لذت روحانی لذت سے روکتی ہے اور روحانی لذت جسمانی لذت سے مانع آتی ہے مگر بہشت میں ایسا نہیں ہوگا بلکہ اس روز دونوں لذتوں کا ایک دوسری پر عکس پڑے گا۔ اور اسی حالت کا نام سعادت عظمیٰ ہے۔ غرض باوا صاحب نے یہ نکتۂ معرفت

[1] الفرقان : ۷۶ [2] الفرقان ۹۸ : ۷۷

قرآن شریف سے لیا ہے کیونکہ دوسری تمام قومیں اس سے غافل ہیں اور اُن کے عقیدے اِس کے برخلاف ہیں۔ پھر باوا صاحب کا ایک شعر یہ ہے۔

کیتا اکھن آکھیے اکھن ٹوٹ نہ ہو   منگن والے کیتڑی داتا ایکو سو

جس کے جیا پران ہیں من وسّے سکھ ہو

یعنے کس قدر کہیں کہنے کی انتہا نہیں۔ کس قدر مانگنے والے ہیں اور دینے والا ایک ہے جس نے روحوں اور جسموں کو پیدا کیا وہ دل میں آباد ہو جائے تو آرام ملے۔ یہ شعر ان قرآنی آیتوں کا اقتباس ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا[1]۔ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ[2]۔ يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ[3]۔ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاهَا[4]۔ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا[5]۔ یعنی زمین پر کوئی بھی ایسا چلنے والا نہیں جس کے رزق کا خدا آپ متکفل نہ ہو وہی ایک سب کا رب ہے اور اس سے مانگنے والے تمام زمین و آسمان کے باشندے ہیں۔ جان کی قسم ہے اور اس ذات کی جس نے جان کو اپنی عبادت کے لئے ٹھیک ٹھیک بنایا۔ کہ وہ شخص نجات پا گیا جس نے اپنی جان کو غیر کے خیال سے پاک کیا۔ اس آیت میں یہ نہیں کہا کہ جس نے اس محبوب کو اپنے اندر آباد کیا جیسا کہ باوا صاحب نے کہا حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ تو اندر ہیں خود آباد ہے صرف انسان کی طرف سے بوجہ التفات الی الغیر دوری ہے۔ پس جس وقت غیر کی طرف سے التفات کو ہٹا لیا تو خود اپنے اندر نور الٰہی کو مشاہدہ کر لیگا۔ خدا دُور نہیں ہے کہ کوئی اس طرف جاوے یا وہ اس طرف آوے بلکہ انسان اپنے حجاب سے آپ ہی اس سے دور ہے۔ پس خدا فرماتا ہے کہ جس نے آئینہ دل کو صاف کر لیا وہ دیکھ لیگا کہ خدا اُس کے پاس ہی ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

نحن اقرب الیہ من حبل الورید[6]

یعنی ہم انسان سے اس کی رگِ جان سے بھی قریب تر ہیں۔ یہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جیسا کہ حبل الورید کے خون کے نکلنے سے انسان کی موت ہے۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ سے دور پڑنے میں انسان کی موت ہے بلکہ اس سے زیادہ تر۔

[1] هود : ۷ [2] البقرة : ۱۶۴ [3] الرحمٰن : ۳۰ [4] الشمس : ۸ [5] الشمس : ۱۰ [6] ق : ۱۷

پھر باوا صاحب فرماتے ہیں

اک تل پیارا وسرے روگ وڈا من ماہیں ۔۔۔۔ کیوں درگہ پت پائے جاں ہر نہ وسے من ماہیں

یعنی اگر ایک ذرہ محبوب فراموش ہو جائے تو میرا دل بہت بیمار ہو جاتا ہے اور اس درگاہ میں کیونکر عزت ملے اگر اللہ دل میں آباد نہ ہو۔

اور قرآن شریف میں ہے

فاذکرونی اذکرکم[1]۔ ان الابرار لفی نعیم[2]۔ علی الارائک ینظرون[3]۔ عباد مکرمون[4]۔ من کان فی ھٰذہٖ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی و اضل سبیلاً[5]۔

یعنی تم مجھ کو یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ نیکو کار آدمی یعنی جو خدا سے دل لگاتے ہیں وہ آخرت میں نعمتوں میں ہوں گے۔ اور تختوں پر بیٹھے ہوئے خدا تعالیٰ کو دیکھیں گے۔ وہ عزت پانیوالے بندے ہیں۔ اور جو یہاں اندھا ہے وہ وہاں بھی اندھا ہی ہوگا۔ یعنی جس کو اس دنیا میں خدا کا درشن حاصل ہے اُس کو اس جہان میں بھی درشن ہوگا۔ اور جو شخص اُس کو اس جگہ نہیں دیکھتا آخرت میں بھی اس عزت اور مرتبہ سے محروم ہوگا۔ اب دیکھو اس شعر کا تمام مضمون قرآن شریف ہی سے لیا گیا ہے اور اسلام کے عقیدہ کے موافق ہے اور ہندوؤں کے وید سے اس کا کچھ تعلق نہیں پس کیا ابھی تک سمجھ نہیں آیا کہ باوا صاحب ہر یک امر میں اسلامی عقاید کے موافق بیان کرتے جاتے ہیں اور قرآن کے سرچشمہ سے ہر یک نکتہ معرفت لیتے ہیں۔

اور پھر باوا صاحب ایک شعر میں فرماتے ہیں

ونج کرو ونجاریو وکھر و لیہو سمال

تیسی وست وسا ہیئے جیسی نبھے نال ۔۔۔۔ اگے ساہ سوجان ہے لیسی وست سمال

جنہاں راس نہ سچ ہے کیوں تنہاں سکھ ہو ۔۔۔۔ کھوٹے ونج ونجیئے من تن کھوٹا ہو

یعنے اے بیوپاریو اسباب کو سنبھالو ایسی چیز لو جو ہمراہ جائے آگے مالک علیم و خبیر ہے۔ وہ دیکھ بھال کر اسباب لیگا جن کی متاع کھوٹی ہے اُن کو آرام کیونکر ملیگا۔ کھوٹے بیوپار سے دل اور جسم کھوٹا ہوگا۔

[1] البقرۃ: ۱۵۳ [2] الانفطار: ۱۴ [3] المطففین: ۲۴
[4] الانبیاء: ۲۷ [5] بنی اسرائیل: ۷۳

یہ تمام مضمون ان مفصلہ ذیل قرآنی آیات میں ہے غور سے دیکھو اور وہ یہ ہیں۔

یاایھا الذین اٰمنوا ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم۔ تومنون باللہ و رسولہ وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون[1]۔ یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ ولتنظر نفس ما قدمت لغد واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون[2]۔ بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون۔ کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون[3]۔

یعنے اے وے لوگو جو ایمان لائے کیا تمہیں میں ایک سوداگری کی خبر دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے۔ یعنے یہ سوداگریاں جو تم کر رہے ہو یہ خساروں سے خالی نہیں۔ اور ان میں آئے دن عذاب بھگتنا پڑتا ہے سو آؤ تمہیں وہ سوداگری بتلاویں جس میں نفع ہی نفع ہے۔ اور خسارہ کا احتمال نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ خدا اور اس کے بھیجے ہوئے پر ایمان لاؤ* اور اپنے مال اور جان کے ساتھ خدا کی راہ میں کوششیں کرو اگر تمہیں سمجھ ہو تو یہی سوداگری تمہارے لئے بہتر ہے جس سے تمہارا روحانی مال بہت بڑھ جائے گا۔ اے ایمان والو خدا سے ڈرتے رہو۔ اور ہر یک تم میں سے دیکھتا رہے کہ میں نے اگلے جہان میں کونسا مال بھیجا ہے اور اس خدا سے ڈرو جو خبیر اور علیم ہے اور تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے یعنی وہ خوب جاننے والا اور پرکھنے والا ہے اس لئے

* نوٹ خدا کے بھیجے ہوئے پر ایمان لانا جس کو عربی زبان میں رسول کہتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ خدا نہایت پوشیدہ اور وراء الورا اور نہاں در نہاں ہے اور اس کی ذات کے مشاہدہ کرنیوالے اس کے رسول ہیں جن کو وہ آپ تعلیم دیکر بھیجتا ہے اور انسان اپنی ابتدائی حالت میں اس دقیق در دقیق ذات کو خود بخود اور محض اپنی آنکھوں کی قوت سے دیکھ نہیں سکتا ہاں اس کے رسول کے خوردبین کے ذریعہ سے دیکھ سکتا ہے غرض جس شخص کو خدا نے اپنی معرفت سے آپ رنگین کر دیا ہے اس سچے گورو کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کو طلب کرنا یہی سیدھی راہ ہے۔ اور ایسے کامل گورو کا پیرو اسی روشنی سے حصہ پالیتا ہے یہی طریق ابتدا سے جاری ہے کہ جیسے انسان سے انسان پیدا ہوتا ہے۔ ایسا ہی خدا کے حق جو بندے خدا کے کامل بندوں کے ذریعہ سے روحانی وجود پاتے ہیں اور یہ قدیم نظام الٰہی ہے۔ آریوں کے مذہب میں یہ بھی ایک نقص ہے کہ وہ نور جو ایک سینہ سے دوسرے سینہ میں جاتا ہے اور رسول جو سچا گورو اور روحانی باپ ہے اس کا نور جو محبت کی نالی سے اس کے پیروؤں میں آتا ہے اس ضروری تعلیم کا ذکر وید میں کچھ بھی نہیں بلکہ وید کے رسولوں کا پتہ ہی نہیں
منہ

[1] الصف : ۱۱-۱۲ [2] الحشر : ۱۹ [3] المطففین : ۱۵-۱۶

وہ تمہارے کھوٹے اعمال ہرگز قبول نہیں کرے گا اور جنہوں نے کھوٹے کام کئے انہیں کاموں نے ان کے دل پر زنگار چڑھا دیا۔ سو وہ خدا کو ہرگز نہیں دیکھیں گے۔ اب غور اور انصاف سے دیکھنا چاہیئے کہ باوا صاحب صریح صریح قرآنی آیات سے اقتباس کر رہے ہیں اور قرآنی عقیدہ کو بیان فرما رہے ہیں اگر اُن کا قرآن کی طرف رجوع نہیں تھا۔ تو کیوں انہوں نے قرآنی تعلیم کو اپنا عقیدہ ٹھہرایا۔ دین میں داخل ہونا اور کس کو کہتے ہیں اسی کو تو کہتے ہیں کہ کسی دین کی تعلیموں کو سچ سمجھ کر انہیں کے موافق اپنا اعتقاد ظاہر کرنا۔ پھر باوا نانک صاحب فرماتے ہیں۔

جیتا دیہیں تیتا ہوں کھاؤ بیا در نہیں کے در جاؤ
نانک ایک کہے ارداس جیو پنڈ سب تیرے پاس

یعنے جس قدر تو دیوے اسی قدر ہم کھاتے ہیں۔ دوسرا دروازہ نہیں جس پر جاویں۔ نانک ایک ہی عرض کرتا ہے کہ رُوح اور جسم سب تیرے پاس ہیں۔ یہ مضمون نانک صاحب نے ان آیات قرآنی سے لیا ہے۔

نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا و رفعنا بعضھم فوق بعض[1]۔

ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السمٰوٰت والارض فانفذوا لاتنفذون الا بسلطان[2]۔

یعنے ہم نے تمہارے کھانے پینے اور دوسری حاجات کی چیزیں تم میں تقسیم کر دی ہیں۔ کسی کو تھوڑی اور کسی کو بہت دی ہیں اور بعض کا بعض سے مرتبہ زیادہ کر دیا ہے اور خدا تعالیٰ کے ملک سے جو زمین و آسمان ہے تم باہر نہیں جا سکتے۔ جہاں جاؤ گے خدا کا غلبہ تمہارے ساتھ ہوگا۔ اب دیکھو باوا صاحب نے نصریح ان آیتوں سے اپنا مضمون بنایا ہے۔ اور یہ مضمون **آواگون** کے عقیدے سے بالکل مخالف ہے کیونکہ آواگون والا یہ نہیں کہیگا کہ رزق کی کمی بیشی خدا تعالیٰ کی تقدیر سے ہے بلکہ وہ تو اپنی تمام عزت اور ذلت کو اپنے پہلے عملوں کی طرف منسوب کریگا۔ اور روحوں کا خالق خدا تعالیٰ کو کبھی نہ مانے گا۔ پھر باوا نانک صاحب فرماتے ہیں۔

تیرا حکم نہ جاپے کیتیرا لکھہ نہ جانے کو جے سو شاعر میلئے تل نہ پجاوے ہو

یعنی تیرے حکم کی تعداد کسی کو معلوم نہیں اگر سو شاعر جمع کریں تو ایک تل بھر بھی پورا نہ کرسکیں

[1] الزخرف : ۳۳ [2] الرحمٰن : ۳۴

اب آپ لوگ ذرا غور کر کے دیکھیں کہ یہ مضمون باوا صاحب نے قرآن شریف کی اس آیت سے لیا ہے۔[۱]

قل لوکان البحر مداداً لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولوجئنا بمثلہ مدداً

یعنی کہہ کہ اگر خدا کے کلموں کے لئے سمندر کو سیاہی بنایا جاوے تو سمندر ختم ہو جائے گا۔ قبل اس کے جو خدا کے کلمے ختم ہوں اگرچہ کئی ایک سمندر اسی کام میں اور بھی خرچ ہو جاویں۔

پھر باوا صاحب اسی شبد کے آخر میں کہتے ہیں۔

قیمت کنے نہ پائیا سب سن سن آکھن سو

یعنی خدا کی اصل حقیقت کا اندازہ کسی کو معلوم نہیں صرف سماعی باتوں پر مدار رہا مطلب یہ کہ ایسان کے طور پر خدا کو مانا گیا مگر اصل کنہہ اس کی کسی کو معلوم نہ ہوئی یہ شعر درحقیقت اس آیت کا ترجمہ ہے۔

لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار[۲]

یعنی خدا کو آنکھیں نہیں پا سکتیں اور وہ آنکھوں کو پا سکتا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کی کنہہ کوئی عقل دریافت نہیں کر سکتی پھر باوا صاحب ایک شبد میں گرنتھ میں فرماتے ہیں۔

پیر پیغمبر سالک سہدے اور شہید　　شیخ مشایخ قاضی ملا در درویش رسید

برکت تن کو اگلی پڑھدے رہن درود

یعنے جس قدر پیر پیغمبر اور سالک اور شہید گذرے اور شیخ مشایخ اور قاضی ملا اور نیک درویش ہوئے ہیں ان میں سے انہیں کو برکت ملے گی جو جناب محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ یہ اشارہ اس آیت کی طرف ہے۔

[۳]ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما ؕ

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم۔[۴]

یعنے اللہ اور تمام فرشتے اُس کے اس نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے وے لوگو جو ایمان دار ہو۔ تم بھی اس پر درود اور سلام بھیجو۔ اے نبی ان کو کہدے کہ اگر تم خدا سے پیار کرتے ہو۔ تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا بھی تم سے پیار کرے اور تمہارے گناہ بخش دیوے۔ اب ناظرین غور سے دیکھیں

لہ الکھف : ۱۱۰ ۲ہ الانعام : ۱۰۴ ۳ہ الاحزاب : ۵۷ ۴ہ آل عمران : ۳۲

کہ باوا صاحب نے یہ تمام شبد انہیں آیتوں سے نقل کئے ہیں قبول نہ کرنا اور دانستہ ضد کرنا یہ اور بات ہے ورنہ باوا صاحب کا منشا، آفتاب کی طرح چمک رہا ہے کہانتک اس کو کوئی چھپاوے اور کب تک اس کو کوئی پوشیدہ کرے۔ اور پھر ایک اور شبد میں باوا صاحب فرماتے ہیں۔

پوچھ نہ ساجی پوچھ نہ ڈھائی پوچھ نہ دیوے لئے
اپنی قدرت آپے جانے آپے کرن کرے
سبناں دیکھے ندر کرے جے بھاوے تین دے

یعنے نہ پوچھ کر وہ بناتا ہے اور نہ پوچھ کر وہ فنا کرتا ہے۔ اپنی قدرت آپ ہی جانے اور آپ ہی کاموں کا کرنے والا ہے سب کو دیکھتا ہے نظر کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اب پوشیدہ نہ رہے کہ یہ شبد مفصلہ ذیل آیات سے لیا گیا ہے۔

كَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا[1]، لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا[2]۔ اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ[3]، قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ[4]

یعنے خدا اپنے کاموں کا آپ ہی وکیل ہے کسی دوسرے کو پوچھ پوچھ کر احکام جاری نہیں کرتا۔ اُس کا کوئی بیٹا نہیں اور اُس کے ملک میں اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اور ایسا کوئی اس کا دوست نہیں جو درماندہ ہو کر اُس نے اُس کی طرف التجا کی۔ اس کو نہایت بلند سمجھ اور اس کی نہایت بڑائی کر۔ اللہ باریک نظر سے اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ ہر یک جان پر وہ کھڑا ہے۔ اس کے عمل مشاہدہ کر رہا ہے۔ پھر ایک اور شعر باوا صاحب کا ہے۔

سُن من بھولے باورے گور کی چرنی لاگ
ہر جپ نام دھیائے توں جم ڈرپی دکھ بھاگ

یعنے اے نادان دل مرشد کے قدم پر لگ جا اللہ کے نام کا وظیفہ کر ملک الموت ڈر جائے گا۔ اور

[1] النساء: ۱۳۲ [2] بنی اسرائیل: ۱۱۲ [3] الشوریٰ: ۲۰ [4] الرعد: ۳۴

دکھ بھاگ جائے گا۔ یہ تمام شبد اس آیت قرآنی کا ترجمہ ہے۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ[1]۔ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ[2]۔ یعنے جو لوگ خدا کے ہو رہتے ہیں۔ اُن کو کسی کا خوف باقی نہیں رہتا اور وہ غم نہیں کرتے۔ سو تم خدا تعالیٰ کی طرف بھاگو۔

اسی طرح ایک اور شعر باواصاحب کا ہے اور وہ یہ ہے۔

شبد مرے سو مر رہے پھر مرے نہ دوجی وار ۔۔۔ شبد ہی تیں پائی ہر نامے لگے پیار

یعنی جو شخص خدا تعالیٰ کے کلام کی پیروی میں مر رہے۔ ایسے لوگ پھر نہیں مرینگے خدا کی کلام سے خدا ملتا ہے اور اس سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ یہ شعر باواصاحب کا ان آیات سے لیا گیا ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ[3]۔ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ[4]

یعنے متقی امن کے مقام میں آ گئے وہ بجز پہلی موت کے جو اُن پر وارد ہو گئی۔ پھر موت کا مزہ نہیں چکھیں گے اور خدا اُن کو جہنم کے عذاب سے بچائے گا۔ اس میں بھید یہ ہے کہ مومن متقی کا مرنا چارپایوں اور مویشی کی طرح نہیں ہوتا بلکہ مومن خدا کے۔ لئے ہی جیتے ہیں اور خدا کے لئے مرتے ہیں۔ اس لئے جو چیزیں وہ خدا کے لئے کھوتے ہیں۔ اُن کو وہ واپس دی جاتی ہیں جیساکہ امام المومنین سید الانبیا صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں اللہ جلشانہٗ نے فرمایا۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ[5]

یعنی کہہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا مرنا اور میرا جینا سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔

فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ[6]

یعنے جو لوگ میری کلام کی پیروی کریں نہ اُن پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں سو یہ موتیں اور ذلتیں جو دنیا پرستوں پر آتی ہیں۔ ان موتوں کے خوف سے وہ لوگ رہائی پا جاتے ہیں۔ جو کہ خود رضائے الٰہی میں فانی ہو کر روحانی طور پر موت قبول کر لیتے ہیں۔ پھر ایک شعر میں باواصاحب فرماتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

[1] یونس : ۶۳ [2] الذاریات : ۵۱ [3] الدخان : ۵۲ [4] الدخان : ۵۷
[5] الانعام : ۱۶۳ [6] البقرۃ : ۳۹

دیاواں دیال توں کر کر دیکھیں ہار   دیا کریں پربھ میل لیہ کہن میں ڈاہ اسار

یعنے تو مہربان دینے والا ہے اور کر کر کے دیکھتا ہے اگر تو مہربانی کرے تو اپنے ساتھ میل لے ایک لحہ میں ٹھاوے اور اسارے۔ یہ شعر باوا صاحب کا اس آیت قرآنی کے مطابق ہے۔

اللہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب[1]۔ کل یوم ھو فی شان[2]؛

یعنی خدا جس کو چاہتا ہے اس کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جو اس کی طرف جھکتا ہے اس کو وہ راہ دکھاتا ہے ہر یک دن وہ ہر یک کام میں ہے کسی کو بلاوے اور کسی کو رد کرے اور کسی کو آباد کرے اور کسی کو ویران کرے اور کسی کو عزت دے اور کسی کو ذلت دے اور پھر باوا نانک صاحب کا ایک یہ شعر بھی ہے۔

تیاگی من کی متڑی وساری دوجی بھاؤ جی او

ایتو پاوے ہر درسا ور نہ لگے تتی واو جیو؛

یعنی دل کی خواہش کو ترک کر دیوے دوسرا خیال چھوڑ دیوے اس طرح خدا کا دیدار پاوے۔ تو اس کو ہوا گرم نہ لگے۔ یہ شعر اس آیت سے اقتباس کیا گیا ہے۔ فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بعبادۃ ربہ احداً[3] یعنے جو شخص خدا تعالےٰ کا دیدار چاہتا ہے۔ چاہیئے کہ وہ ایسے کام کرے جن میں فساد نہ ہو یعنی ایک ذرہ متابعت نفس اور ہوا کی نہ ہو اور چاہیئے کہ خدا کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ کرے نہ نفس کو نہ ہوا کو اور نہ دوسرے باطل معبودوں کو اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھویٰ فان الجنۃ ھی الماویٰ[4]

یعنے جو شخص خدا سے ڈرے اور اپنے نفس کو اس کی نفسانی خواہشوں سے روک لیوے۔ سو اس کا مقام جنت ہوگا جو آرام اور دیدار الٰہی کا گھر ہے اور پھر باوا صاحب ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

سب دنیا آون جاونی مقام ایک رحیم

یعنی تمام دنیا فنا ہونیوالی ہے ایک خدا باقی رہے گا۔ اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ یہ بالکل اس آیت کے مطابق ہے کہ

کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال والاکرام[5]؛

[1] الشوریٰ ۱۴ [2] الرحمٰن ۳۰ [3] الکہف : ۱۱۱ [4] النازعات : ۴۱-۴۲
[5] الرحمٰن : ۲۷

یعنے ہریک چیز فنا ہونے والی ہے اور ایک ذات تیرے رب کی رہ جائے گی۔ اور پھر باوا صاحب ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

گورمکھ تول تلاسی سچ تراجی تول اسامنسا موہنی گورمکھ کے سچ بول

یعنے خدا سچے ترازو سے تولیگا پورا پورا تول۔ اور امید اور طول امل تجھ کو برباد کر رہے ہیں۔ ایک خدا کو مضبوط پکڑے اور سچ بول۔ اب دیکھو باوا صاحب نے وہ عقیدہ اس جگہ ظاہر کیا ہے جو قرآن نے مسلمانوں کو عقیدہ سکھلایا ہے جیساکہ قرآن شریف میں وارد ہے۔

الوزن یومئذ الحق[۱] ۔ ولا یظلمون فتیلا[۲] ۔ یایّھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ و قولوا قولًا سدیدًا[۳] ۔ واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلًا[۴] ۔

یعنے اس دن اعمال تولے جائیں گے اور ایک تاگے کے برابر کسی پر زیادتی نہیں ہوگی۔ اے وے لوگو جو ایمان لائے ہو خدا سے ڈرو اور وہ باتیں کیا کرو جو سچی اور راست اور حق اور حکمت پر مبنی ہوں۔ اور خدا کو یاد کر اور اس کی طرف جھکا رہ۔ اور پھر باوا نانک صاحب ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

درناں درن بھانے جے کئی وڈا کرے اسے وڈے ہتھ وڈیاں جے بھاوے تن دے

یعنے طرح طرح کی اس کی تقدیر ہے جس کو چاہے بڑا کرے اسی بڑے کے ہاتھ بڑائیاں ہیں جس کو چاہے دیدے اب دیکھو ایسے طور سے تقدیر کو ماننا خاص اسلام کا اعتقاد ہے اور یہی تعلیم تمام قرآن میں بھری پڑی ہے اور ہر یک عزّت اور ذلّت خدا تعالےٰ کی طرف سے مقدر ہے جس کو چاہتا ہے عزیز بنا دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے مگر وید کے ماننے والوں کا یہ ہرگز اعتقاد نہیں وہ تو انسان کے ذرہ ذرہ رنج اور راحت کو کسی پہلے نامعلوم جنم کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

خلق کل شیئٍ فقدرہٗ تقدیرًا[۵]

یعنے اُس خدا نے ہر یک چیز کو پیدا کیا اور اس کا اندازہ بھی آپ اپنے اختیار سے مقرر کر دیا اور نیز فرماتا ہے۔

ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الّا فی کتاب من قبل ان نبراھا[۶]۔ یعنے کوئی حادثہ نہ زمین پر نازل ہوتا ہے اور نہ تمہاری جانوں پر مگر وہ سب لکھا ہوا ہے

[۱] الاعراف : ۹ [۲] النساء : ۵۰ [۳] الاحزاب : ۷۱ [۴] المزمل : ۹
[۵] الفرقان : ۳ [۶] الحدید : ۲۳

یعنے مقدر ہے اور ایسا ہی اللہ جلشانہ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ تعز من تشاء و تذل من تشاء[1] یعنے خدا جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔

پھر باوا صاحب ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

آپے نیڑے دور آپے منجھ میان   آپے دیکھے سُنے آپے قدرت[2] کرے جہان

یعنی وہ آپ ہی نزدیک ہے اور آپ ہی دُور ہے اور آپ ہی درمیان ہے اور آپ ہی دیکھتا سُنتا اور آپ ہی قدرت سے جہان بنایا۔ اب ناظرین دیکھیں اور سوچیں کہ اس اعتقاد کو وید کے اعتقاد سے کچھ بھی نسبت نہیں۔ وید کا یہ اعتقاد ہرگز نہیں کہ تمام جہان کو خدا نے قدرت سے پیدا کیا یہ تعلیم اسی کتاب کی ہے جس میں یہ لکھا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین[2] یعنے سب تعریفیں اللہ کی ذات کو ہیں جس نے تمام عالم پیدا کئے اور اسی نے فرمایا۔ ھو الاول و الاخر والظاھر والباطن[3]۔ ھوالذی فی السماء الہ وفی الارض الہ[4] واذا سألک عبادی عنی فانی قریب[5]۔ واعلموا ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ۔ یعنی وہ پہلے بھی ہے اور پیچھے بھی اور ظاہر بھی ہے اور چھپا ہوا بھی وہ آسمان میں ہے یعنی دور ہے اور زمین میں ہے یعنی نزدیک ہے اور جب میرے پرستار تجھ سے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں یعنی دوستوں کے لئے نزدیک اور دشمنوں کے لئے دور اور جانوں کہ خدا انسان اور اس کے دل کے درمیان آجاتا ہے یعنے جیسا کہ دور اور نزدیک ہونا اُس کی صفت ہے۔ ایسا ہی درمیان آجانا بھی اس کی صفت ہے۔

پھر باوا نانک صاحب گرنتھ صاحب میں ایک شبد میں فرماتے ہیں۔

توں مار جوالیں بخش ملا   جیون بھاویں تیون نام جپا

یعنی تو مار کر زندہ کرنے والا ہے اور گناہ بخش کر پھر اپنی طرف ملانے والا۔ جس طرح تیری مرضی ہو اسی طرح تو اپنی پرستش کراتا ہے۔ اب ہر یک شخص سوچ لے کہ یہ عقیدہ اسلام کا ہے یا آریوں کا۔ آریہ صاحبان بھی اگر چاہیں۔ تو گواہی دے سکتے ہیں کہ وید کی رو سے جی اُٹھنا ثابت نہیں اور نیز

[1] آل عمران : ۲۷ [2] الفاتحہ : ۲ [3] الحدید : ۴ [4] الزخرف : ۸۵
[5] البقرۃ : ۱۸۷ [6] الانفال : ۲۵

یہ بھی ثابت نہیں کہ پرمیشر توبہ قبول کر لیتا ہے اور گناہ بخش دیتا ہے یہ تو عقیدہ اسلام کا ہے
جیسا کہ اللہ جلشانہٗ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

قال من یحی العظام وھی رمیم ۔ قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ وھو بکل خلق علیم[1] غافر الذنب وقابل التوب[2]

یعنی انسان کہتا ہے کہ ایسی ہڈیوں کو کون نئے سرے زندہ کرے گا جو سڑ گل گئی ہوں۔ ان کو کہہ دے وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔ اور وہ ہر یک طور سے پیدا کرنا جانتا ہے گناہوں کو بخشتا اور توبہ قبول کرتا ہے۔ اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے۔[3]

کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون

یعنی تم اس خدا سے کیوں انکار کرتے ہو جس نے تمہیں موت کے بعد زندگی بخشی۔ پھر تمہیں موت دیگا۔ اور پھر زندہ کرے گا اور پھر اس کی درگاہ میں حاضر کئے جاؤ گے۔

غرض باوا صاحب کا تمام کلام اسلام کے عقیدے سے ملتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص بشرطیکہ متعصب نہ ہو ایک سرسری نظر سے بھی دیکھے تب بھی وہ حق الیقین کی طرح سمجھ جائیگا کہ باوا صاحب کا کلام قرآنی تعلیم اور قرآنی حقایق معارف کے رنگ سے رنگ پذیر ہے۔ اور وہ تمام ضروری عقیدے اسلام کے جو قرآن شریف میں درج ہیں باوا صاحب کے کلام میں مذکور ہیں۔ پس اس جگہ بالطبع یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر باوا صاحب نے وید کو ترک کرنے کے بعد اسلام کی طرف رجوع نہیں کیا تھا تو پھر انہوں نے اسلام کے عقیدے کیوں اختیار کر لئے تمام جہان کی کتابیں اکٹھی کر کے دیکھو باوا صاحب کے اشعار اور ان کے منہ کی باتیں بجز قرآن شریف کے اور کسی کتاب کے ساتھ مطابقت نہیں کھائیں گی اور اسی پر بس نہیں بلکہ باوا صاحب نے تو علانیہ کہہ دیا کہ بجز متابعت حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی نجات نہیں چنانچہ ہم ابھی اس رسالہ میں بعض محقق انگریزوں کی شہادت بھی اسی بارہ میں پیش کریں گے اور ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ باوا صاحب کی اصل سوانح دریافت کرنے کیلئے چولہ صاحب نہایت عمدہ رہنما ہے جس پر صد ہا سال سے اتفاق چلا آتا ہے باوا صاحب کی وفات کے بعد

[1] یٰس : ۷۹-۸۰ [2] المومن : ۴ [3] البقرۃ : ۲۹

اُن کے گھر سے نہ کوئی وید نکلا اور نہ کوئی شاستر برآمد ہوا اور نہ وہ گرنتھ کے اشعار اپنے گھر میں لکھ کر چھوڑ گئے اور نہ کسی دیوتے یا دیوی کی مورت برآمد ہوئی نکلا تو چولہ صاحب نکلا جس کی تمام زمین زری کے کام کی طرح قرآنی آیات سے بھری ہوئی ہے۔ باوا صاحب سے سچی محبت کرنے والوں کو چاہیئے کہ اس بات کو ردی کی طرح پھینک نہ دیں۔ اگر چولہ صاحب پُر برکت یادگار نہ ہوتی۔ تو کبھی کا ضائع ہو جاتا۔ ایک طرف چولہ صاحب کو دیکھئے اور دوسری طرف انگد صاحب کی جنم ساکھی نے اس بات کو تصدیق کر لیا ہے کہ جو کلام چولہ پر لکھا ہوا ہے وہ قدرت کے ہاتھ سے لکھا گیا ہے۔ اب سوچ لو کہ جو قدرت کے ہاتھ سے لکھا گیا وہ کس کا کلام ہوا خدا کا یا انسان کا۔ غرض بھائی بالا صاحب کی جنم ساکھی جو اسی زمانہ میں لکھی گئی تصدیق کرتی ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے پس کیا اس سے زیادہ کوئی اور بھی ثبوت ہوگا کہ چولہ صاحب اس وقت سے اب تک موجود ہے اور انگد صاحب کی جنم ساکھی بھی اس وقت سے اب تک موجود ہے ہم اپنے گھر سے کوئی چیز پیش نہیں کرتے۔ چولہ صاحب بھی آپ کے پاس موجود ہے۔ اور جنم ساکھی انگد صاحب کی بھی آپ کے پاس موجود ہے۔ آپ چاہو رد کرو خواہ قبول کرو۔

باوا نانک صاحب کی وفات کے متعلق

بعض واقعات

جبکہ ہم نے نہایت پختہ دلایل سے باوا صاحب کا اسلام اس کتاب میں ثابت کیا تو یہ بھی قرین مصلحت دیکھا کہ باوا صاحب کے وقت وفات پر بھی کچھ بحث کی جائے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جس شخص نے اپنے مذہبی عقاید سے ہاتھ نہ دھویا ہو اور اپنی قوم کے پُرانے عقیدہ پر پختہ ہو اور اسی پر اس کا انتقال ہو تو اس کے اخیر وقت پر جو اُس کی زندگی کے دائرہ کا آخری نقطہ ہے ہر یک خویش و بیگانہ معلوم کر لیتے ہیں جو اپنی قوم کے مذہب پر ہی اس کا خاتمہ ہوا۔ اگر کوئی غیر شخص اس کے فوت ہونے کے وقت خواہ نخواہ اس کی قوم کا جا کر مزاحم ہو کہ یہ شخص ہمارے مذہب میں تھا اس کی لاش ہمارے حوالہ کرو تا اس کو ہم اپنے

طریق پر دفن کریں۔ اور اپنے مذہب کے رو سے جنازہ وغیرہ جو کچھ مذہبی امور ہوں بجا لاویں تو اس کی وہ بات سخت اشتعال کا موجب ہوگی اور کچھ تعجب نہیں کہ قوم مشتعل ہو کر اس گستاخ اور بے ادب کو مار پیٹ کر کے نہایت ذلت سے سزا دیں کیونکہ ایسا دعوے صرف شخص متوفی کی ذات پر ہی مؤثر نہیں بلکہ اس دعوے سے ساری قوم کی سبکی ہوتی ہے اور نیز اس مذہب کی توہین بھی متصور ہے۔ اب ہم جب دیکھتے ہیں کہ باوا نانک صاحب کی وفات پر کوئی اس قسم کا ماجرا پیش آیا۔ یا نہیں اور اگر پیش آیا تو قوم کے بزرگوں نے اس وقت کیا کیا تو صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ اُن کی وفات کے وقت ہندو مسلمانوں کا ضرور جھگڑا ہوا تھا۔ ہندو باوا صاحب کی نعش کو جلانا چاہتے تھے اور مسلمان ان کے اسلام کے خیال سے دفن کرنے کے لئے اصرار کرتے تھے۔ اس تکرار نے ایسا طول کھینچا کہ جنگ تک نوبت پہنچی۔ انگریزی مورخ سب اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے آکر نہایت زور کے ساتھ دعویٰ کیا کہ باوا صاحب ہم میں سے تھے۔ اُن کی نعش ہمارے حوالہ کرو۔ تا اسلام کے طریق پر ہم اُن کو دفن کریں۔ پھر تعجب یہ کہ باوا صاحب کی قوم کے بزرگوں میں سے جن کے سامنے یہ دعویٰ ہوا۔ اس بات کا رد کوئی بھی نہیں کر سکا کہ ایسا دعویٰ کیوں کیا جاتا ہے کہ باوا صاحب مسلمان تھے بلکہ قوم کے بزرگ اور دانشمندوں نے بجائے رد کے یہ بات پیش کی کہ باوا صاحب کی نعش چادر کے نیچے گُم ہو گئی ہے۔ اب ہندو مسلمان نصف نصف چادر لے لیں اور اپنی اپنی رسوم ادا کریں۔ چنانچہ مسلمانوں نے نصف چادر لے کر اس پر نماز جنازہ پڑھی اور دفن کر دیا+ اور ہندوؤں نے دوسرے نصف کو جلا دیا۔ یہ انگریزی مورخوں نے سکھ صاحبوں

+ نوٹ ۔ باوا صاحب کا جنازہ پڑھا جانا بہت قرین قیاس ہے کیونکہ گرنتھ صاحب میں ایک شعر ہے جس میں باوا صاحب نے بطور پیشگوئی کے اپنا جنازہ پڑھے جانے کے بارہ میں فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں۔

دنیا مقام فانی تحقیق دل دانی ❊ مم سر موئے عزرائیل گرفتہ دل ہیچ ندانی ❊ زن پسر پدر برادراں کس نیست دستگیر ❊ آخر بیفتم کس نہ دارد چوں شود تکبیر ❊

یعنی دنیا فنا کا مقام ہے یہ تحقیقی بات ہے اس کو دل سے سمجھ۔ میرے سر کے بال عزرائیل کے ہاتھ میں ہیں اے دل تجھے کچھ بھی خبر نہیں عورت لڑکا باپ بھائی کوئی بھی دستگیری نہیں کر سکتا۔ آخر جب تکبیر یعنے نماز جنازہ میرے پر پڑھی جائیگی۔ تو میں اس وقت بیکس ہوں گا اور بیکس ہو کر گرا ہوا ہوں گا۔ اب تکبیر کا لفظ ایسا کھلا ہے کہ ہر یک جانتا ہے کہ موت کے وقت تکبیر انہیں کے لئے ہوتی ہے جن کا جنازہ پڑھتے ہیں۔ منہ۔

کی معتبر کتابوں سے لکھا ہے اور ساتھ اس کے یہ بھی بیان کیا ہے کہ قیاس میں آتا ہے کہ کوئی مرید نعش کو پوشیدہ طور پر نکال کر لے گیا ہوگا۔ لیکن ایسے مورخوں کو سوچنا چاہیئے تھا کہ یہ عجیب قصہ باوا صاحب کی وفات کا اور پھر اُن کی نعش کے گم ہونے کا حضرت مسیح علیہ السلام کے قصہ سے بہت ملتا ہے کیونکہ یہی واقعہ وہاں بھی پیش آیا تھا اور حضرت مسیح کی نعش کے چورایا جانے کا اب تک یہودیوں کو شبہ چلا جاتا ہے چنانچہ انجیل متی ۲۷ باب ۶۲ آیت میں ہے کہ دوسرے روز جو تیاری کے دن کے بعد ہی سردار کاہنوں اور فریسیوں نے مل کر پلاطس کے پاس جمع ہو کے کہا کہ (۶۳) اے خداوند ہمیں یاد ہے کہ وہ دغاباز (یعنے حضرت مسیح) اپنے جیتے جی کہتا تھا کہ میں تین دن بعد جی اُٹھوں گا (۶۴) اس لئے حکم کر کہ تیسرے دن تک قبر کی نگہبانی کریں۔ نہ ہو کہ اس کے شاگرد رات کو آکر اسے چورا لے جائیں اور لوگوں سے کہیں کہ وہ مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے تو یہ پچھلا فریب پہلے سے بدتر ہوگا۔ غرض جب اسی الزام کے نیچے عیسائی صاحبوں کا عقیدہ بھی ہے تو پھر باوا نانک صاحب کے قصہ پر یہ اعتراض بے جا ہے۔ بالخصوص جب باوا صاحب کے گرنتھ میں اس قسم کے شعر بھی پائے جاتے ہیں کہ جو لوگ خدا تعالےٰ کی محبت میں مرے ہوئے ہوں وہ پھر بھی زندہ ہو جایا کرتے ہیں تو ایسے شعر اُن کے اس واقعہ کے اور بھی موید ٹھہرتے ہیں۔ اگر یہ خیال درست بھی ہو کہ در پردہ کوئی مرید باوا صاحب کی نعش نکال کر لے گیا تھا۔ تو کچھ شک نہیں کہ ایسا مرید کوئی مسلمان ہوگا۔ اس پر ایک قرینہ قویہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں ایک جھوٹی قبر بنانا اور صرف کپڑا دفن کرنا اور اس کو قبر سمجھنا ایک فریب اور گناہ میں داخل ہے مسلمان ہرگز ایسا نہیں کر سکتے اور اگر اُن کو صرف چادر ملتی تو وہ تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھتے اور ہرگز نہ چاہتے کہ اس کو دفن کریں بجائے نعش کے چادر یا کسی اور کپڑا کا دفن کرنا کسی جگہ اسلام میں حکم نہیں اور نہ قرآن اور حدیث میں اس کا کچھ نشان پایا جاتا ہے بلکہ یہ دجل اور فریب کے قسم میں سے ہے جو شریعت اسلام میں کسی طرح جائز نہیں دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اس وقت پنجاب میں حنفی مذہب کے مسلمان تھے اور حنفی مذہب کی رو سے بجز حاضری نعش کے نماز جنازہ درست نہیں پھر ان حنفی مسلمانوں نے جبکہ باوا صاحب کی نماز جنازہ

پڑھی تو اس صورت میں ماننا پڑتا ہے۔ کہ کسی طرح باوا صاحب کی نعش پر ان مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا اور پھر ہندؤں کے آنسو پونچھنے کے لئے اس قصہ کو پوشیدہ رکھا گیا۔ اسی لئے باوا صاحب کا کریا کرم ہونا ثابت نہیں۔ مگر بالاتفاق جنازہ ثابت ہے اور باوا صاحب کی یہ پیشگوئی کہ میرا جنازہ پڑھا جائے گا اسی صورت میں کامل طور پر تکمیل پاتی ہے کہ جب کہ نعش کی حاضری میں جیسا کہ عام دستور ہے جنازہ پڑھا گیا ہو لیکن یہ دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ باوا صاحب کی نعش ہرگز جلائی نہیں گئی۔ کیونکہ نعش کا جلانا کسی طرح مخفی نہیں رہ سکتا۔ اگر نعش کو جلاتے تو باوا صاحب کے پھول بھی گنگا میں پہنچاتے کریا کرم بھی کرتے مگر ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ پھر ایک تیسرا قرینہ یہ ہے کہ باوا صاحب جنم ساکھی کلاں یعنی انگد کی جنم ساکھی میں دفن کئے جانا پسند کرتے ہیں اس سے صاف طور پر نکلتا ہے کہ باوا صاحب نے پوشیدہ طور پر دفن کئے جانے کے لئے اپنے مرید مسلمانوں کو وصیت کی ہو گی کیونکہ انسان جس چیز کو پسند کرتا ہے اس کے حاصل کرنے کے لئے تدبیر بھی کرتا ہے اور ایسے موقعہ پر بجز وصیت کے اور کوئی تدبیر نہیں۔

پھر ہم اصل مطلب کی طرف عود کر کے لکھنا چاہتے ہیں کہ باوا صاحب کی وفات کے وقت جب بعض مسلمانوں نے باوا صاحب کے وارثوں کے پاس آکر جھگڑا کیا کہ باوا صاحب مسلمان تھے اور ہم اسلام کے طور پر اُن کی گور منزل کریں گے تو جس قدر بزرگ باوا صاحب کے جانشینوں اور دوستوں اور اولاد میں سے وہاں بیٹھے تھے کوئی ان کی بات پر ناراض نہ ہوا۔ اور کسی نے اُٹھ کر یہ نہ کہا کہ اے نالائقو! نادانو اور آنکھوں کے اندھو اور بے ادبو!!! یہ تم کیسے بکواس کرنے لگے۔ کیا باوا صاحب مسلمان تھے تا اُن کی نعش ہم تمہارے سپرد کر دیں اور تم اس پر جنازہ پڑھو اور دفن کرو۔ اے احمقو!!! کیا تمہیں معلوم نہیں وہ تو اسلام کے سخت دشمن تھے اور تمہارے نبی کو جس کی شرع کی رُو سے تم جنازہ

نوٹ۔ جنم ساکھی کلاں صفحہ ۲۰۲۶ میں باوا صاحب کا یہ شعر قبر کے بارے میں ہے

داغ پوتر دہرتری جو دہرتی ہوے سمائے تان نکٹ نہ آوے دوزخ سندی بھا

یعنی جو لوگ داغ سے پاک ہو کر قبر میں داخل ہوئے دوزخ کی بھاپ ان کے نزدیک بالکل نہیں آئے گی۔ منہ

پڑھنا چاہتے ہو جھوٹا جانتے تھے اور گندی گالیاں نکالا کرتے تھے بلکہ چاہیئے تھا کہ قوم کے بزرگ ایسی بے ادبی سے سخت جوش میں آ کر ایسے جاہلوں کو دو چار سوٹے لگا دیتے اور دروغگو کو اس کے گھر تک پہنچانے کے لئے چند شعر باوا صاحب کے اُن کو سُنا دیتے جن میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہوتی کم سے کم وہ شعر تو ضرور سُنانے چاہیئے تھے جو پرچہ خالصہ بہادر تیس ستمبر ۱۸۹۵ء میں صفحہ ۵ و ۶ میں درج ہیں مگر یہ کیا بھول کی بات ہو گئی کہ اُن بزرگوں نے ان گستاخوں اور جھوٹوں اور بے ادبوں کو نہ ڈنڈوں کی مار کی نہ جھڑکا نہ گالیاں دیں اور نہ باوا صاحب کے ایسے شعر اُن کو سُنائے جن سے ثابت ہوتا ہو کہ وہ اسلام سے سخت بیزار تھے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا نبی اور سچا پیغمبر نہیں سمجھتے تھے۔ اور شعر بنا بنا کر گالیاں دیا کرتے تھے۔ بلکہ ان بزرگوں نے جب مسلمانوں کی یہ درخواست سُنی کہ ہم باوا صاحب کی نعش پر جنازہ ہی پڑھیں گے تو ذرہ بھی یہ جواب نہ دے سکے کہ تمہیں جنازہ پڑھنے کا کیا استحقاق ہے اور ایک ہندو جو اسلام کا مکذب ہے کیوں مسلمان اس کا جنازہ پڑھیں بلکہ اُنہوں نے ایک عذر درمیان لا کر جس کی حقیقت خدا کو معلوم ہے باوا صاحب کی چادر کو نصفا نصف کر کے ہندو مسلمان دونوں کو دیدیا تا مسلمان اُس پر جنازہ پڑھ کے دفن کریں اور ہندو اس کو جلا دیں اور معلوم ہوتا ہے کہ باوا صاحب بھی مسلمانوں کی رعایت کرنا چاہتے تھے ورنہ کیا ضرور تھا کہ ان کا جسم گم ہوتا سو جسم اسی لئے گم ہوا کہ تا ہندوؤں کی نعش پر قابض نہ ہوں اور جسم گم ہونے کے اشارہ سے باوا صاحب کا مذہب سمجھ لیں غرض جن بزرگوں نے اپنی خوشی اور رضا سے مسلمانوں کو جنازہ پڑھنے اور دفن کرنے کے لئے چادر کا نصف ٹکڑا دے دیا۔ اُن کی یہ عملی کارروائی صاف شہادت دیتی ہے کہ وہ بدل اس بات پر راضی ہو گئے۔ کہ اگر مسلمان لوگ باوا صاحب کو مسلمان سمجھتے ہیں تو ان کا اختیار ہے کہ اُن کو مسلمان سمجھیں اور ان پر جنازہ پڑھیں اور نہ صرف راضی ہوئے بلکہ چادر کا ٹکڑا دے کر ان کو جنازہ پڑھنے کی ترغیب بھی دی۔ پھر جس صورت میں وہ بزرگ جنہوں نے باوا صاحب کو دیکھا تھا۔ اُن لوگوں پر ناراض نہ ہوئے جنہوں نے باوا صاحب کو مسلمان قرار دیا۔ ان پر جنازہ پڑھا اُن کی قبر بنائی بلکہ انہوں نے چادر کا نصف ٹکڑا

دے کر آپ چاہا کہ وہ لوگ اپنے خیال کو پورا کریں۔ تو اب ہم منصف مزاج سکھ صاحبوں سے پوچھتے ہیں
کہ جو تحریر پرچہ خیر خواہ عام امرت سر مرقومہ ۲۶ اکتوبر ۱۸۹۵ء میں اس مضمون کی چھپی ہے
کہ کچھ عجب نہیں کہ ست بچن کا زہر اگلا ہوا ایک نئی رستخیز کا باعث ہو اور ایک دوسرے
۱۸۵۷ء کا پیش خیمہ ہو۔ کیا یہ اُن بزرگوں کی رائے اور خیال کے موافق ہے۔ جنہوں نے
جانشینی کے پہلے موقعہ میں ہی نہایت نرمی سے یہ فیصلہ دیا کہ مسلمان اپنے زعم اور خیال کے
موافق باوا صاحب کی گور منزل کریں اور ہندو اپنے زعم کے موافق کریں تو کیا اس فیصلہ کا
خلاصہ مطلب یہ نہیں تھا کہ باوا نانک صاحب کی نسبت ہر یک شخص ہندوؤں اور مسلمانوں میں سے
اپنی رائے زنی میں آزاد ہے۔ جو لوگ باوا صاحب کو مسلمان خیال کرتے ہیں وہ مسلمان خیال
کریں جنازہ پڑھیں اُن کا اختیار ہے اور ہندو جو کریں اُن کا اختیار۔ پھر جبکہ باوا صاحب کے بعد
پہلی جانشینی کے وقت میں ہی پہلے جانشیں اور بھاتا آدمیوں کے عہد میں جو بیشک خدا ترسی
اور عقلمندی اور حقیقت فہمی اور واقعہ شناسی میں آپ صاحبوں سے ہزار درجہ بڑھ کر تھے یہ فیصلہ
ہوا جو اوپر لکھ چکا ہوں تو پھر ایسی مقدس چیف کورٹ کے فیصلہ سے جس کی صداقت
پر آپ کو بھروسہ چاہیئے تجاوز کر کے اس عاجز کی اس رائے کو ہنگامہ محشر کا نمونہ سمجھنا
کیا ایسا کرنا اچھے اور شریف آدمیوں کو مناسب ہے۔ اے معزز سکھ صاحبان! آپ یاد رکھیں کہ یہ وہی
مسلمانوں کی طرف سے مدلل دعوے ہے جس کی ڈگری آپ کے خدا ترس بزرگ مسلمانوں کو دے
چکے ہیں اور اُن کے حق میں اپنی قلم سے فیصلہ کر چکے ہیں اب ساڑھے تین سو برس کے بعد آپکے یہ
عذر معذرت خارج از میعاد ہے کیونکہ مقدمہ ایک با اختیار عدالت سے انفصال
پاچکا ہے اور وہ حکم قریباً چار سو برس تک واقعی اور صحیح مانا گیا ہے اور آجتک کوئی جرح یا حجت
اس کی نسبت پیش نہیں ہوئی تو کچھ شک نہیں کہ اب وہ ایک ناطق فیصلہ قرار پاگیا جس کی
ترمیم تنسیخ آپ کے اختیار میں نہیں۔ آپ لوگ اُن بزرگوں کے جانشین ہیں جو اس جھگڑے کے
اول مرتبہ کے وقت مسلمان دعویداروں سے نہایت نرمی سے پیش آئے تھے اور ایک ذرہ بھی ہندوؤں

کا لحاظ نہیں کیا تھا سو ہم لوگ آپ کے دلی انصاف سے وہی امید رکھتے ہیں جس کا نمونہ آپ صاحبوں کے معزز بزرگوں اور حلیم مزاج گوروؤں سے ہمارے پہلے بھائی دیکھ چکے ہیں اور آپ صاحبوں پر یہ پوشیدہ نہیں کہ یہ رائے ہماری کچھ جدید رائے نہیں جس صورت میں ان روشن ضمیر بزرگوں نے اس رائے کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جن کے سامنے یہ واقعات موجود تھے بلکہ مسلمانوں کے دعویٰ کو قبول کیا۔ تو آپ صاحبوں کو بہرحال اُن کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے اور مجھ سے پہلے بھی رائے بڑے بڑے محقق انگریز بھی دے چکے ہیں اور وہ کتابیں برٹش انڈیا میں شائع بھی ہو چکی ہیں۔ ہاں ہم نے تمام دلائل کو اس رسالہ میں جمع کر دیا ہے۔ غرض ہماری یہ رائے ہے جو نہایت نیک نیتی سے کامل تحقیقات کے بعد ہم نے لکھی ہے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ آپ انکار کے وقت جلدی نہ کریں اور اُن عالیشان بزرگوں کو یاد کریں جو آپ سے پہلے فیصلہ دے چکے ہیں اور نیز آپ ان حلیم بزرگوں کے بزرگ اخلاق یاد کریں جنہوں نے دعویدار مسلمانوں کو درشتی سے جواب نہ دیا اور مسلمانوں کی رائے کو رد نہ کیا اور یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ نعوذ باللہ انہوں نے منافقانہ کارروائی کی ہو اور مسلمانوں کو خوش کر دیا ہو کیونکہ وہ لوگ خدا ترس اور خدا سے ڈرنے والے اور خدا پر بھروسہ رکھنے والے تھے وہ مخلوق کی کیا پرواہ رکھتے تھے خاص کر ایسے موقعہ پر کہ ہمیشہ کے لئے ایک داغ کی طرح ایک الزام باقی رہ سکتا تھا بلکہ درحقیقت وہ دلوں میں سمجھتے تھے کہ باوا صاحب کا ہندوؤں سے تو فقط یہ تعلق تھا کہ وہ اس قوم میں پیدا ہوئے اور مسلمانوں سے یہ تعلقات تھے کہ درحقیقت باوا صاحب اسلامی برکتوں کے وارث ہو گئے تھے اور ان کا اندر اس وحدہٗ لاشریک کی معرفت اور سچے کرتار کی محبت سے بھر گیا تھا جس کی طرف اسلام بُلاتا ہے اور وہ اس نبی کے مصدق تھے جو اسلام کی ہدایت لے کر آیا تھا۔ اسی واقعی علم کی وجہ سے وہ مسلمانوں کو رد نہ کر سکے۔ غرض پہلے ہمارے بھائیوں نے تو اُن بزرگوں کے اخلاق کا نمونہ دیکھا اور اب ہم آپ صاحبوں کے اخلاق کا عمدہ نمونہ دیکھنے کے لئے خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور اس بات کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ہم باوا صاحب کی خوبیوں اور بزرگیوں کو مسلمانوں میں شائع کرنا چاہتے ہیں اور یقیناً یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے

کہ ہماری اس تحریر سے جو حق اور اصل حقیقت پر مشتمل ہے نیک طبع اور سعادتمند مسلمانوں میں صلحکاری
اور مدارات کا مادہ آپ لوگوں کی نسبت ترقی کرے گا اور محبت اور اتفاق جس کے بغیر دنیوی زندگی کا
کچھ بھی لطف نہیں روز بروز زیادت پذیر ہوگی اور ہمیں باوا صاحب کی بزرگیوں اور عزتوں میں
کچھ کلام نہیں اور ایسے آدمی کو ہم درحقیقت خبیث اور ناپاک طبع سمجھتے ہیں جو ان کی شان میں
کوئی نالائق لفظ منہ پر لاوے یا توہین کا مرتکب ہو۔

ہم اس بات کو بھی افسوس سے لکھنا چاہتے ہیں کہ جو اسلامی بادشاہوں کے وقت
میں سکھ صاحبوں سے اسلامی حکومتوں نے کچھ نزاعیں کیں یا لڑائیاں ہوئیں تو یہ تمام باتیں درحقیقت
دنیوی امور تھے اور نفسانیت کے تقاضا سے اُن کی ترقی ہوئی تھی اور دنیا پرستی نے ایسی نزاعوں
کو باہم بہت بڑھا دیا تھا مگر دنیا پرستوں پر افسوس کا مقام نہیں ہوتا۔ بلکہ تاریخ بہت سی شہادتیں
پیش کرتی ہے کہ ہر ایک مذہب کے لوگوں میں یہ نمونے موجود ہیں کہ راج اور بادشاہت کی حالت میں بھائی
کو بھائی نے اور بیٹے نے باپ کو اور باپ نے بیٹے کو قتل کر دیا ایسے لوگوں کو مذہب اور دیانت
اور آخرت کی پرواہ نہیں ہوتی اور وہ لوگ دنیا میں بہت ہی تھوڑے گذرے ہیں جو حکومتوں اور طاقتوں
کے وقت میں اپنے غریب شریکوں یا پڑوسیوں پر ظلم نہیں کرتے اور ظاہر یا پوشیدہ عملی حکمتوں
سے دوسری ریاستوں کو تباہ اور نیست و نابود کرنا نہیں چاہتے اور ان کے کمزور اور ذلیل کرنے کی فکر
میں نہیں رہتے مگر ہر ایک فریق کے نیکدل اور شریف آدمی کو چاہیئے کہ خود غرض بادشاہوں اور راجوں
کے قصوں کو درمیان میں لا کر خواہ نہ خواہ اُن کے بیجا کینوں سے جو محض نفسانی اغراض پر مشتمل تھے۔
آپ حصہ نہ لے وہ ایک قوم تھی جو گذر گئی اُن کے اعمال ان کے لئے اور ہمارے اعمال ہمارے لئے
ہمیں چاہیئے کہ اپنی کھیتی میں اُن کے کانٹوں کو نہ بوئیں اور اپنے دلوں کو محض اس وجہ سے خراب کریں
کہ ہم سے پہلے بعض ہماری قوم میں سے ایسا کام کر چکے ہیں ہاں اگر ہم باوجود اپنی دلی صفائی اور سچائی
کے اور باوجود اس کے کہ اپنے غیب دان خدا کے روبرو صادق اور قوموں کے ہمدرد ہوں۔ اور کوئی
بداندیشی اور کھوٹ ہمارے دل میں نہ ہو پھر بھی کھوٹوں اور بداندیشوں اور مفسدوں میں سے شمار کئے

جانیں تو اس کا علاج ہمارے پاس کچھ نہیں ؎

توانم کہ ایں عہد و پیماں کنم | کہ جاں در رہِ خلق قرباں کنم
توانم کہ سرہم دریں رہ دہم | دے بدگماں را چہ درماں کنم

اور اب میں مناسب دیکھتا ہوں کہ باوا صاحب کی وفات پر جو مسلمانوں کا ہندوؤں سے جھگڑا ہوا تھا اس کو بھائی بالا صاحب کی جنم ساکھی سے نقل کروں تا معلوم ہو کہ باوا صاحب کے اسلام کے بارے میں پہلا مدعی میں ہی نہیں ہوں۔ سو وہ عبارت یہ ہے۔

سری ٹھاکر جی نانک جی کو آپنے انگان میں ملائے لیا۔ تاں پھیر اد تھے پروار
ترجمہ۔ خدا تعالٰے نے نانک جی کو اپنے وجود میں ملا لیا یعنی باوا صاحب فوت ہو گئے۔ تب وہاں مجلس

وچ کھلتے پی گئے۔ سب اکتر ہوئے کر لگے بیراگ کرنے جاں اتنے
میں ایک شور پڑ گیا سب اکٹھے ہو کر غم کرنے لگے اتنے میں

میں سری بابے کے مرید پٹھان سی وہ کہن ہم سری بابے جی کا دیدار کراں گے
باوا صاحب کے مرید جو پٹھان تھے وہ کہنے لگے کہ ہم باوا صاحب کا دیدار کریں گے

تاں ہندواں کہیا۔ بھائی اب تمہارا وسا نہیں۔ تاں پٹھاناں کہیا ہمارا پیر ہے
تب ہندوؤں نے کہا کہ بھائی اب تمہارا وقت نہیں تب پٹھانوں نے کہا کہ وہ ہمارا پیر ہے

تے اسیں ضرور دیدار کرانگے۔ اور جو پیراں دا راہ ہے۔ سو ہم کراں گے۔
ہم اُس کا ضرور دیدار کریں گے۔ اور جو پیروں کے لئے مسلمان رسوم ادا کرتے ہیں۔ ہم کریں گے۔✣

✣ **نوٹ** ایسے لوگ جو مسلمان اور پھر باوا صاحب کے مرید تھے اُن کا دفن اور جنازہ کے لئے اصرار کرنا اس بات کیلئے قوی دلیل ہے کہ باوا صاحب نے جو اُن کے مرشد تھے اسلام کے مخالف اُن کو کوئی تعلیم نہیں دی تھی اور نہ اسلام کے حکموں اور عملوں سے ان کو برگشتہ کیا تھا اور اگر باوا صاحب ہندو یا اسلام کے مخالف تھے تو باوا صاحب کی تاثیر اُن میں یہ چاہیئے تھی کہ وہ کم سے کم اسلام کے حکموں سے لاپروا ہو جاتے اور اُن کو فضول سمجھتے نہ یہ کہ باوا صاحب کے مرید اور ہمراز ہو کر اُن کے دفن اور جنازہ کیلئے جھگڑتے کیونکہ جس شخص کا مرشد اور مرشد بھی ایسا کامل جیسا کہ باوا صاحب تھے ایک دین کو جھوٹا سمجھتا ہو تو غیر ممکن ہے کہ اس کے مرید جو اس کے پیرو ہیں اسی دین کے موافق اس کی تجہیز تکفین کرنا چاہیں جس دین سے وہ اُن کو روکتا رہا۔ باوا صاحب ہندو مذہب میں پیدا ہوئے تھے اور ہندوؤں میں ایک زمانہ تک پرورش پائی تھی۔ پس ممکن تھا کہ ظاہری تعلقات کی وجہ سے ہندوؤں کو

تاں ہندو مسلماناں دا جھگڑا ودھ گیا۔ ہندو کہن نہیں دیکھنے دیناں۔ تاں مسلمان
تب ہندو مسلمانوں کا جھگڑا بڑھ گیا ہندو کہتے تھے کہ ہم باوا صاحب کو دیکھنے نہیں دینگے اور مسلمان
کہن اساں دیدار کرناں ہے۔ جاں بہت وادھا۔ پٹھاں کہن گور منزل کراں گے
کہتے تھے کہ ہم نے دیدار کرنا ہے جب بہت فساد ہوا تب پٹھانوں نے کہا کہ ہم تجہیز تکفین اور جنازہ
تاں وچہ بھلے لوکاں کہیا اندر چل کے دیکھو ناں سہی جاں دیکھیا تاں
وغیرہ سب رسوم اسلام ادا کریں گے تب اچھے لوگوں نے درمیان ہو کر کہا کہ ذرا اندر چل کے تو دیکھو جب اندر جاکر دیکھا تو
چادر رہی ہے۔ بابے دی دیہ ہے نہیں ووہاں دا جھگڑا چک گیا۔ جتنے
معلوم ہوا کہ فقط چادر ہی پڑی ہے جسم نہیں ہے تب دو فرقوں کا جھگڑا فیصلہ ہو گیا جسقدر
سکھ سیوک تھے سب رام رام کرا دٹھے لگے صفتاں کرن واہ باباجی توں دھن
سکھ مرید تھے سب اللہ اللہ کر اٹھے اور صفتیں کرتے تھے کہ واہ باوا صاحب آپ دھن
ہیں۔ سب کہن سری نانک جی پرتکھیا پرمیشر دی مورت سی۔ اُن کی قدرت
ہیں سب کہتے تھے کہ نانک صاحب ظاہر ظاہر مظہر الہٰی تھے ان کی قدرت لکھی
لکھی نہیں سی جاندی تے اساں سیوا بھی نا کیتی۔ تے مسلمان بھی
نہیں جاتی اور ہم نے کچھ خدمت نہ کی اور مسلمان بھی
بابے دا کھیل دیکھ کر لگے صفتاں کرن۔ دھن خدائے ہے تے دھن بابا نانک
باوا صاحب کا یہ کام دیکھ کر تعریف کرن لگے کہ کیا ہی وہ قادر خدا ہے اور کیا ہی اچھا باوا
جی ہے جسدی قدرت لکھی نہیں لئی۔ ہندو مسلمان سب تارے ہیں
نانک تھا جس کی قدرت لکھی نہیں گئی سب ہندو مسلمانوں کو اُس نے تار دیا

بقیہ نوٹ۔ دیر کا لگانا اور باوا صاحب کے اندرونی حالات کا ان کو اصل پتہ نہ ہو مگر جو مسلمان اپنے مذہب کے متعصب مرید تھے۔ اگر وہ باوا صاحب کو ہندو سمجھتے تو اُن کے ہرگز مرید نہ ہوتے اور اگر مرید ہوتے تو اسلام سے دست بردار ہو جاتے لیکن اُن کا دفن اور جنازہ کے لئے جھگڑنا اس بات پر پختہ دلیل ہے کہ وہ باوا صاحب کو مسلمان ہی سمجھتے تھے اور خود بھی اسلام پر قایم اور مضبوط تھے اگر مرشد اسلام کو بُرا جانتا ہے تو مرید اسلام پر کیونکر قایم رہ سکتا ہے بلکہ یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خود باوا صاحب نے اُن کو سمجھا رکھا تھا کہ تم نے ضرور جنازہ پڑھنا۔ منہ

پھیر ہندواں اک چادر لیکے بباں میں رکھ کے چکھا بِہ جلائی تے مسلماناں

پھر ہندوؤں نے ایک چادر لیکر اور سیڑھی پر رکھ کر چکھا میں جلا دی اور مسلمانوں

ادھی چادر دفن کیتی۔ دوہاں آپو اپنے دہرم کرم کیتے۔ تے

نے نصف چادر لے کر دفن کر دی اور دونوں فریق نے اپنی اپنی رسم کے موافق تجہیز تکفین کی یعنی

بابا جی بیکنٹھ کو سن دہے گئے۔ تے سری بابے جی دے چلانے

اپنے مذہبی واجبات جنازہ وغیرہ بجالائے اور باوا صاحب معہ جسم کے بہشت میں داخل ہو گئے + اور ایک سکھ نے جس کا

کی کتھا بڈھے نے سری انگد جی تے بالے کی ہور سنگت کے حضور سنائی۔

نام بڈھا تھا باوا نانک صاحب کے فوت ہونے کی کتھا انگد صاحب اور بالا صاحب اور دوسرے مجمع کے حضور سنائی۔

دیکھو تیتم ساکھی کلاں بھائی بالے والی صفحہ ۶۱۷

باوا نانک صاحب کے اسلام پر اسلام کے مخالفوں کی شہادتیں

برگ صاحب ترجمہ سیر المتاخرین جلد اول صفحہ ۱۱۰ کے ایک نوٹ میں لکھتے ہیں کہ بابا نانک نے اپنی ابتدائی عمر میں ایک اسلامی معلم سے تعلیم پائی اور ایک شخص سید حسین نام نے بابا نانک کی ایام

نوٹ + یہ تعلیم بالکل قرآن شریف کی تعلیم ہے کہ جسم کے ساتھ انسان بہشت میں داخل ہوگا۔ لیکن وید کی تعلیم بالکل اس کے برخلاف ہے کیونکہ وید کی رو سے صرف رُوح کو مکتی ملتی ہے اور جسم مکتی خانہ میں داخل نہیں ہوتا اور اسی وجہ سے ہندو لوگ جسم کو جلا دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اس کا تعلق مرنے کے ساتھ بالکل ختم ہو جاتا ہے لیکن مسلمان اپنے مُردوں کو دفن کرتے ہیں۔ کیونکہ اسلامی تعلیم کے رُو سے جسم کا رُوح سے تعلق باقی رہتا ہے اور وہ ابدی تعلق ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ اسی تعلق کی وجہ سے بہشت میں بہشتیوں کا جسم لذت میں شریک ہو جائیگا اور دوزخ میں دوزخیوں کا جسم عذاب میں شریک ہوگا اور باوا صاحب نے جو مسلمانوں کی مقابر پر چلہ کشی کی ہے یہی صاف دلیل اس بات پر ہے کہ باوا صاحب اس تعلق کو مانتے اور قبول کرتے تھے منہ۔

طفولیت میں اسلام کی بڑی بڑی مصنفات اُن کو پڑھائیں ۔ ڈاکٹر ٹرمپ صاحب اپنے ترجمہ گرنتھ نمبر الف صفحہ ۲۴۲ میں لکھتے ہیں کہ بابا نانک صاحب کا جنم ساکھی میں ایک یہ شعر ہے کہ قیامت کے دن نیک کام والوں کی کوئی پرسشں نہیں ہو گی ۔ اے نانک نجات وہی پائیں گے جن کی پناہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے ۔ لیکن افسوس کہ ٹرمپ نے اپنے ترجمہ گرنتھ میں بادا نانک صاحب کی نسبت یہ بھی نکتہ چینی کی ہے کہ نانک کوئی محقق اور نکتہ رس آدمی نہیں تھا ۔ اس لئے اس کا مشرب علمی اصول پر مبنی نہیں ۔ اسے باقاعدہ مدرسہ کی تعلیم نہیں ملی تھی اس لئے وہ اپنے خیالات نہایت غیر منتظم اور پریشان اسلوب سے ظاہر کرتا تھا اور ٹرمپ صاحب نے ایک طنز اور ٹھٹھے کے طور پر دیباچہ صفحہ ۶ میں لکھا ہے کہ جنم ساکھیوں میں نانک کا پانچواں سفر گورکھ ہتری کی طرف بیان کیا گیا ہے مگر اب تک جغرافیہ دانوں کو اس مقام کا کچھ پتہ نہیں ملا ۔ ڈاکٹر نے اپنے تعصب سے گو بادا صاحب کو ہندو قرار دیا ہے مگر جس مقام پر اُس نے بادا صاحب کے اس شعر کا ترجمہ کیا ہے کہ بغیر شفاعت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نجات نہیں پائے گا ۔ وہاں گھبرا کر اُس کو کہنا پڑا کہ یہ آخری شعر ظنی اور نانک کے مشرب کے برخلاف ہے اگرچہ اس میں اُس کا نام بھی ہے اس لئے کہ اس میں نانک نے صاف صاف اقرار کیا ہے کہ بغیر شفاعت اسلام کے نبی محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو نجات نہیں ملے گی ۔ لیکن واضح رہے ۔ کہ ڈاکٹر ٹرمپ صاحب کا یہ خیال کہ یہ شعر جس سے نانک کا اسلام سمجھا جاتا ہے نانک کے مشرب کے برخلاف ہے سراسر تعصب کے راہ سے ہے کیونکہ خود ٹرمپ صاحب نے اپنے ترجمہ میں بابا نانک صاحب کے وہ بہت سے اشعار لکھے ہیں جو بادا صاحب کے اس شعر کے موید ہیں ۔ اور نہ ایک نہ دو بلکہ جیسیوں ایسے اشعار کا ترجمہ اپنی قلم سے کیا ہے پھر اس شعر پر تعجب کرنا اگر تعصب نہیں تو اور کیا ہے ۔ ٹرمپ صاحب نے اپنے ترجمہ میں برابر اول سے آخر تک ان اشعار کو تصریح سے لکھا ہے ۔ کہ بادا نانک صاحب خدا تعالےٰ کو روحوں اور جسموں کا خالق جانتے تھے اور توبہ قبول ہونے اور حشر جسمانی کے قائل تھے نجات کو جاودانی سمجھتے تھے ۔ اور خدا تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک اسلامی تعلیم کے موافق

سمجھتے تھے تو پھر یہ شعر اُن کے مشرب کے مخالف کیوں ہُوا افسوس کہ ٹرمپ صاحب نے اس بات سے بھی آنکھیں بند کرلیں کہ باوا صاحب گرنتھ میں خود اقرار کرتے ہیں کہ بغیر کلمہ پڑھنے کے بخت بیدار نہیں ملسکتا اور بغیر درود پڑھنے کے آخرت کے برکات حاصل نہیں ہوسکتیں۔ اور جنم ساکھی کلاں کے وہ اشعار بھی ٹرمپ کو یاد نہ رہے جس میں لکھا ہے کہ وہ لوگ لعنتی ہیں جو نماز نہیں پڑھتے۔ کیا یہ تمام اشعار ٹرمپ صاحب کی نظر سے نہیں گذرے ہے۔ تعجب کہ ڈاکٹر ٹرمپ صاحب خود اپنے ہاتھ کی تحریروں کے برخلاف رائے ظاہر کر رہے ہیں اور گو اُن کا بیان ہے کہ میں نے سات برس محنت کر کے گرنتھ کا ترجمہ لکھا ہے مگر اُن کی رائے ویسی ہلکی اور خفیف اور سطحی ہے کہ اگر ایک گہری نگاہ کا آدمی سات دن بھی اس بارے میں کوشش کرے تو بے شک اس کی مخالفانہ رائے ان کے سات برس کی رائے پر غالب آجائیگی۔ ہمیں ٹرمپ صاحب کے بیان پر نہایت افسوس آیا ہے کہ وہ اقرار کے ساتھ پھر انکار کو جمع کرتے ہیں اور اس نتیجہ تک نہیں پہنچ سکے جس تک ایک صاف دل اور محقق آدمی پہنچ جاتا ہے بہرحال ہم نے اُن کی وہ شہادت جس نے اُن کو نہایت گھبراہٹ میں ڈال دیا ہے انہیں کی کتاب میں سے نقل کر کے اس جگہ لکھدی ہے یعنی باوا صاحب کا یہ مقولہ کہ بغیر شفاعت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو نجات نہیں ملیگی ایسی باتوں کو یقینی طور پر قبول کرنے کے لئے یہ قرینہ کافی ہے کہ یہ تمام کتابیں سکھ صاحبوں کی قلم سے نکلی ہیں اور وہ کسی طرح اس بات پر راضی نہیں ہوسکتے تھے کہ باوا صاحب کے اسلام کی نسبت کوئی اشارہ بھی اُن کی کتابوں میں پایا جائے پس جو کچھ برخلاف منشا اُن کی کتابوں میں ابتک موجود ہے یہ قوی دلیل اس بات پر ہے کہ یہ باتیں باوا صاحب کی نہایت یقینی تھیں اور بہت شہرت پاچکی تھیں اس لئے وہ لوگ باوجود سخت مخالفت کے پوشیدہ نہ کرسکے اور نہ اپنی کتابوں سے مٹا سکے اور بہرحال اُن کو لکھنا پڑا مگر ان کا درجہ ثبوت کم کرنے کے لئے یہ دوسری تدبیر اُن کو سوجھی کہ اُن کے مخالف باتیں بھی لکھ دیں پس اس صورت میں وہ

مخالف باتیں ظنی اور مشتبہ ٹھہریں گی جو نفسانی اغراض کی تحریک سے لکھی گئیں نہ ایسی باتیں جن کے لکھنے کا کوئی بھی محرک موجود نہیں تھا۔ اسی وجہ سے دانشمند انگریزوں نے باوا صاحب کے اسلام کا صاف اقرار کر دیا ہے اور ہماری طرح یہی رائے لکھی ہے کہ باوا نانک صاحب درحقیقت مسلمان تھے چنانچہ ہم ذیل میں بطور نمونہ پادری ہیوز صاحب کی رائے باوا نانک صاحب کی نسبت لکھتے ہیں جن کی نظر ڈاکٹر ٹرمپ صاحب کے ترجمہ پر بھی گذر چکی ہے اور جنہوں نے اور بہت سی تحقیقات بھی علاوہ اس کے کی ہے ناظرین کو چاہیئے کہ اُس کو غور سے پڑھیں اور وہ یہ ہے

ہیوز ڈکشنری آف اسلام صفحہ ۵۸۳، ۵۹۱

سکھوں کی ابتدائی روایات کو بغور پڑھنے سے پختہ طور پر ثابت ہوتا ہے کہ نانک نے درحقیقت ایسا مذہب بایں غرض ایجاد کیا کہ اسلام اور ہندو مذہب میں مصالحت ہو جائے جنم ساکھیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اوایل عمر میں نانک (جو باوجودیکہ ہندو تھا) صوفیوں کی تاثیر سے سخت متاثر ہوا۔ اور ان صوفیوں کی پاک صاف طرز زندگی نے جو اُن دنوں بکثرت شمالی ہند اور پنجاب میں منتشر تھے بڑا گہرا اثر اس پر کیا اس بات سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ جس ہندو پر اہل اسلام کی تاثیر ہوگی اس کے کوائف میں تصوف کے نشان پائے جائیں گے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ سکھوں کے گوروؤں کی تعلیمات میں ہم صاف صاف تصوف کی آمیزش پاتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ پہلے گورو فقراء کے لباس اور وضع میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اور اس طریق سے صاف ظاہر کرتے تھے کہ مسلمانوں کے فرقہ صوفیہ سے ہمارا تعلق ہے۔ تصاویر میں انہیں ایسا دکھایا گیا ہے کہ چھوٹے چھوٹے گلدستے اُن کے ہاتھوں میں ہیں (جیسے مسلمانوں کا طریق تھا) اور طریق ذکر کے ادا کرنے پر آمادہ ہیں۔ نانک کی نسبت جو روایات جنم ساکھی میں محفوظ ہیں۔ پوری شہادت دیتی ہیں کہ اسلام سے اس کا تعلق تھا۔ مذکور الصدر نواب دولت خاں۔ قاضی اور نانک کی گفتگو بیان سے صاف پایا جاتا ہے کہ نانک کے پہلے بلافصل خلفاء یقین رکھتے تھے کہ نانک اسلام سے

بہت قریب ہو گیا تھا اور ہمیں خود اس وقت کی تحریروں کو دیکھ کر اس امر کی تصدیق ہوتی ہے اور اس میں کوئی بھی شبہ نہیں رہتا اور در حقیقت اور بہت سی شہادتیں اور خود نانک کا مذہب بھی اس شک کو باقی رہنے نہیں دیتا۔ نانک کے حالات سے یہ بھی واضح ہوگا کہ مسلمان بھی اس کو تعظیم کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور نانک بھی اُن سے ایسی صاف باطنی سے ملتا کہ کھلا کھلا مسجدوں میں اُن کے ساتھ جاتا اور اس چال سے اپنے ہندو دوستوں اور ہمسائیوں کو سخت اضطراب میں ڈالتا۔ کہ وہ درحقیقت مسلمان ہے جب نانک اور شیخ فرید نے سفر میں مرافقت اختیار کی۔ تو لکھا ہے کہ یہ ایک گاؤں بسیار نام میں پہنچے ✣ اور جہاں بیٹھتے تو اُن کے اُٹھ جانے کے بعد وہاں کے ہندو لوگ اس جگہ کو گائے کے گوبر سے لیپ کر پاک کرتے۔ اس کا باعث صاف یہ ہے کہ سخت پابند مذہب ہندو ان دونوں رفیقوں کی نشست گاہوں کو ناپاک خیال کرتے تھے اگر نانک مذہب کے لحاظ سے ہندو رہتا تو ایسی باتیں اس کی نسبت کبھی مذکور نہ ہوتیں۔ ان نتائج کی بڑی موید وہ روایت ہے جو نانک کے حج مکہ کے سفر کی نسبت ہے اگرچہ ڈاکٹر ٹرمپ کی سفر مکہ کے بارے میں یہ رائے ہے کہ یہ قصہ موضوعہ معلوم ہوتا ہے مگر بہر حال اس داستان کی ایجاد ہی صاف بتاتی ہے کہ نانک کے محرم راز دوست نانک کے مذہبی حالات پر نظر کر کے سفر حج کو کچھ بھی بعید از عقل نہیں سمجھتے تھے نانک کے مقالات میں اس سے منقول ہے۔ کہ اس نے کہا۔ اگرچہ وہ مرد ہیں مگر حقیقت میں عورتیں ہیں جو محمد مصطفٰےؐ اور کتاب اللہ (قرآن) کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے" نانک اسلام کے نبی محمدؐ کی شفاعت کا اعتراف کرتا ہے اور بھنگ شراب وغیرہ اشیا کے استعمال سے منع کرتا ہے۔ دوزخ بہشت کا اقرار کرتا اور انسان کے حشر اور یوم الجزا کا قایل ہے سولاریب یہ اقوال جو نانک کی طرف منسوب ہیں صاف ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اسلام کا قایل اور معتقد ہے۔

✣ نوٹ۔ اس سے ثابت ہے کہ صلحاء اہل اسلام کی صحبت میں رہ کر کیسی کیسی پاک تاثیریں ہندوؤں کے دلوں میں ہوتی تھیں جن سے تھوڑے ہی عرصہ میں جھ کروڑ ہندو مسلمان ہو گیا۔ منہ

✣ نوٹ بسیار کسی گاؤں کا نام نہیں مترجم کی غلطی ہے۔ اصل مطلب یہ ہے کہ وہ بہت سے دیہات میں پھرے اور ہندو بخت بغض سے پیش آئے۔ کیونکہ بسیار بہت کو کہتے ہیں۔

نوٹ۔ اور ہم نے انگریزی کا اصل عبارت صفحہ کی معہ پرمٹ کی عبارت کے آخر کتاب میں شامل کر دی ہے ناظرین جو انگریزی پڑھ سکتے ہیں اس کو ضرور پڑھیں۔ منہ

پنڈت دیانند کی باوا نانک صاحب کی نسبت رائے

ہم پہلے اِس سے پنڈت دیانند کے اُن تمام اعتراضات کا جواب دے چکے ہیں جو اُس نے باوا صاحب کی نسبت اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں لکھے ہیں۔ لیکن اِس وقت ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس کی وہ تمام عبارت جو باوا صاحب کے متعلق ستیارتھ پرکاش میں ہے سکھ صاحبوں کے ملاحظہ کے لئے اس جگہ تحریر کردیں تا معلوم ہو کہ پنڈت دیانند اور ان کے پیرو آریہ درحقیقت باوا صاحب کی عزت اور بزرگی کے ذاتی دشمن ہیں اور تا وہ اس بات پر غور کریں کہ ہم نے باوا صاحب کی نسبت جو کچھ لکھا ہے وہ ان کی کمال معرفت اور سچے گیان کے مناسب حال ہے لیکن دیانند نے اس بات پر بہت زور مارا ہے کہ تا خواہ نہ خواہ باوا صاحب کو نادان اور گیان اور ودیا سے محروم ٹھہراوے مگر یہ درحقیقت اس کی غلطی ہے جو اس کی دلی تاریکی کی وجہ سے اُس پر غالب آگئی ہے سچا گیان اور سچی معرفت انسان کو خدا تعالےٰ کی طرف توجہ کرنے سے ملتی ہے یہی وجہ ہے کہ دیانند کا کلام باوجود اس دعوے وید دانی کے نہایت بے برکت اور خشک اور سچی معرفت اور گیان سے ہزاروں کوس دور اور بات بات میں خود پسندی اور تکبر اور سطحی خیال کی بدبوؤں سے بھرا ہوا ہے۔ لیکن باوا صاحب کا کلام ایسے شخص کا کلام معلوم ہوتا ہے جس کے دل پر درحقیقت خدا تعالےٰ کی محبت اور عشق نے غلبہ کیا ہوا ہے اور ہر یک شعر توحید کی خوشبو سے بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ دیانند کی کلام پر نظر ڈال کر فی الفور دل گواہی دیتا ہے کہ یہ شخص ایک موٹے خیال کا آدمی اور صرف لفظ پرستی کے گڑھے میں گرفتار اور فقر اور جوگ کے سچے نور سے بے نصیب اور محروم ہے لیکن باوا صاحب کی کلام پر نگاہ کر کے یقین آجاتا ہے کہ اس شخص کا دل الفاظ کے خشک بیابان کو طے کر کے نہایت گہرے دریائے محبت الٰہی میں غوطہ زن ہے پس باوا صاحب کی مثال دیانند کے ساتھ ایک ہرے بھرے باغ اور خشک لکڑی کی مثال ہے ہمارے یہ کلمات کسی کی خوشامد کیلئے اور نہ کسی کو رنج دینے

کے لئے ہیں بلکہ ایک واقعی امر ہے جس کو محض للہ بطور شہادت ہم نے ادا کر دیا ہے اور اب ہم ستیارتھ
پرکاش کا وہ مقام لکھتے ہیں جس میں دیانند نے سراسر اپنی جہالت اور دلی عناد سے باوا صاحب کی نسبت
بدگوئی کے مکروہ لفظ استعمال کئے ہیں اور وہ یہ ہے۔

ستیارتھ پرکاش صفحہ ۳۵۶ مطبوعہ اجمیر ۱۹۲۸ء[1]

اردو	हिन्दी
نانک جی کا آشے تو اچھا تھا پر ودیا کچھ بھی نہیں ترجمہ۔ نانک جی کا خیال تو اچھا تھا پر علم کچھ بھی نہیں تھا تھی ہاں بھاشا اُس دیس کی جو گراموں کی ہے ہاں بولی اُس دیس کی جو کہ دیہاتی ہے	नानक जी का आशय तो अच्छा था परन्तु विद्या कुछ भी नहीं थी हाँ भाषा उस देश की जो कि ग्रामों की है
اُسے جانتے تھے ویدادشاستر اور سنسکرت کچھ اُسے جانتے تھے وید وغیرہ شاستر اور سنسکرت کچھ	उसे जानते थे वेदादि शास्त्र और संस्कृत कुछ
بھی نہیں جانتے تھے جو جانتے ہوتے تو نربھے بھی جانتے نہیں تھے جو جانتے ہوتے (نربھے)	भी नहीं जानते थे जो जानते होते तो निर्भय
شبد کو نربھو کیوں لکھتے اور اس کا درشٹانت اُن کا لفظ کو (نربھو) کیوں لکھتے اور اس کی نظیر اُن کا	शब्द को निर्भो क्यों लिखते और इसका दृष्टान्त उनका
بنایا سنسکرتی ستوتر ہے چاہتے تھے کہ میں سنسکرت بنایا ہوا سنسکرتی ستوتر ہے چاہتے تھے کہ میں سنسکرت	बनाया संस्कृती स्तोत्र है चाहते थे कि मैं संस्कृत
میں بھی پگ اڑاؤں پرنتو بنا پڑھے سنسکرت میں بھی ٹانگ اڑاؤں لیکن بغیر پڑھے سنسکرت کیسے آسکتا ہے ہاں اُن گرامیوں کے سامنے کیسے آسکتا ہے ہاں اُن دیہاتیوں کے سامنے	में भी पग अड़ाऊं परन्तु बिना पढ़े संस्कृत कैसे आ सकता है हाँ उन ग्रामीयों के सामने
کہ جنہوں نے سنسکرت کبھی سُنا بھی نہیں تھا کہ جنہوں نے سنسکرت کبھی سُنی بھی نہیں تھی	कि जिन्होंने संस्कृत कभी सुना भी नहीं था
سنسکرتی بنا کر سنسکرت کے بھی پنڈت بن گئے سنسکرتی بنا کر سنسکرت کے بھی پنڈت بن گئے ہونگے یہ بات اپنی مان پرتشٹھا اور اپنی ہونگے یہ بات اپنے فخر اور بڑائی اور اپنی	संस्कृती बनाकर संस्कृत के भी पंडित बन गये होंगे यह बात अपने मान प्रतिष्ठा और अपनी

[1] سہو کاتب ہے۔ صحیح

پرکھیاتی کی اچھیا کے بنا کبھی نہ کرتے ان کو اپنی
شہرت کی خواہش کے بغیر کبھی نہ کرتے ان کو اپنی

प्रख्याति की इच्छा के बिना
कभी न करते इनको अपनी

پرتشٹھا کی اچھیا اوش تھی۔ نہیں تو جیسی
بڑائی کی خواہش ازبس ضروری تھی نہیں تو جیسی

प्रतिष्ठा की इच्छा अवश्य थी
नहीं तो जैसी

بھاشا جانتے کہتے رہتے اور یہ بھی کہہ دیتے
بولی جانتے تھے کہتے رہتے اور یہ بھی کہہ دیتے

भाषा जानते थे कहते रहते
और यह भी कह देते

کہ میں سنسکرت نہیں پڑھا جب کچھ ابھیمان تھا
کہ میں سنسکرت نہیں پڑھا ہوں جب کچھ غرور تھا

कि मैं संस्कृत नहीं पढ़ा
जब कुछ अभिमान था

تو مان پرتشٹھا کیلئے کچھ دنب بھی کیا ہوگا
تو بڑائی کے لئے کچھ دھوکا بازی بھی کی ہوگی

तो मान प्रतिष्ठा के लिये कुछ
दंभ भी किया होगा

اس لئے اُن کے گرنتھ میں جہاں تہاں ویدوں
اس لئے اُن کے گرنتھ میں جہاں تہاں ویدوں

इसीलिये इन के ग्रन्थ में
जहां तहां वेदों

کی نندیا اور استتی بھی ہے کیونکہ جو ایسا نہ کرتے
کی بُرائی اور تعریف بھی ہے کیونکہ جو ایسا نہ کرتے

की निन्दा और स्तुति भी है
क्योंकि जो ऐसा न करते

تو اُن سے بھی کوئی وید کا ارتھ پوچھتا جب نہ آتا
تو اُن سے بھی کوئی وید کا مطلب پوچھتا جب نہ آتا

तो इन से भी कोई वेद का
अर्थ पूछता जब न आता

تب پرتشٹھا نشٹ ہوتی اس لئے پہلے ہی اپنے
تب بڑائی کا ناس ہوتا اس لئے پہلے ہی اپنے

तब प्रतिष्ठा नष्ट होती इस
लिये पहिले ही अपने

ششیوں کے سامنے کہیں کہیں ویدوں کے
شاگردوں کے سامنے کہیں کہیں ویدوں کے

शिष्यों के सामने कहीं २
वेदों के

وردھ بولتے تھے اور کہیں کہیں وید کیلئے اچھا
خلاف بولتے تھے اور کہیں کہیں وید کے لئے اچھا

विरुद्ध बोलते थे और कहीं २
वेद के लिये अच्छा

بھی کہا ہے کیونکہ جو کہیں اچھا نہ کہتے تو لوگ
بھی کہا ہے اگر کہیں اچھا نہ کہتے تو لوگ

भी कहा है क्योंकि जो कहीं
अच्छा न कहते तो लोग

ان کو ناستک بناتے۔ جیسے ہے
ان کو ناستک بناتے۔ جیسا کہ ہے

उन को नास्तिक बनाते
जैसे

اردو	हिन्दी
وید پڑھت برہما مرے چاروں وید کہانی ساد وید پڑھ کے برہما مرا چاروں وید کہانیاں ہیں سادھ	द पढ़त ब्रह्मा मरे चारों वेद कहानी सन्त
کی مہماں وید نہ جانے ۔ نانک برہم گیانی کی تعریف وید نہیں جانتے ۔ نانک سب کچھ جاننے	की महिमा वेद न जाने ब्रह्म ज्ञानी
آپ پرمیشر سکھ منی پوڑی ۷، وہ چوک ۶ والا آپ پرمیشر	आप परमेश्वर
کیا وید پڑھنے والے مر گئے اور نانک جی کیا وید پڑھنے والے مر گئے اور نانک جی	क्या वेद पढ़ने वाले मर गये और नानक जी
آدی اپنے کو امر سمجھتے تھے ۔ کیا وے نہیں مر گئے وغیرہ اپنے آپ کو غیر فانی سمجھتے تھے کیا وہ نہیں مر گئے	आदि अपने आप को अमर समझते थे क्या वे नहीं मर गये
وید تو سب ودّیاؤں کا بھنڈار ہے پرنتو وید تو سب علموں کا خزانہ ہے مگر	वेद तो सब विद्याओं का भंडार है परन्तु
جو چاروں ویدوں کو کہانی کہے اس کی سب باتیں جو چاروں ویدوں کو کہانی کہے اس کی سب باتیں	जो चारों वेदों को कहानी कहे उस की सब
کہانی ہیں ۔ جو مورکھوں کا نام سنت کہانی ہیں جن بیوقوفوں کا نام سنت	बातें कहानी हैं जो मूर्खों का नाम सन्त
ہوتا ہے وے بیچارے ویدوں کی مہما کبھی ہوتا ہے وہ بیچارے ویدوں کی تعریف کبھی	होता है वे बिचारे वेदों की महिमा कभी
نہیں جان سکتے جو نانک جی ویدوں کا نہیں جان سکتے اگر نانک جی ویدوں کا	नहीं जान सकते जो नानक जी वेदों का
مان کرتے تو اُن کا سمپردائے نہ چلتا نہ وے ہی فخر کرتے تو اُن کا داؤ نہ چلتا نہ وہ	मान करते तो उनका संप्रदाय न चलता न वे
گورو بن سکتے تھے ۔ کیونکہ سنسکرت گورو بن سکتے تھے سنسکرت کا	गुरु बन सकते थे क्योंकि संस्कृत
ودھیا تو پڑھے ہی نہیں تھے تو دوسرے کو پڑھا کر علم تو پڑھے ہی نہیں تھے دوسرے کو پڑھا کر	विद्या तो पढ़े ही नहीं थे तो दूसरे को पढ़ा कर

शिष्य कैसे बना सकते थे यह सच है कि जिस	ششش کیسے بنا سکتے تھے یہ سچ ہے کہ جس شاگرد کیسے بنا سکتے تھے یہ سچ ہے کہ جس
समय नानक जी पंजाब में हुए थे उस समय	سمے نانک جی پنجاب میں ہوئے تھے اس سمے زمانہ میں نانک جی پنجاب میں ہوئے تھے اس وقت
पंजाब संस्कृत की विद्या से सर्वथा रहित	پنجاب سنسکرت ودھیا سے سروہتا رہت پنجاب سنسکرت کے علم سے بالکل خالی تھی
मुसलमानों से पीड़ित था उस समय उन्होंने	مسلمانوں سے پیڑت تھا اُس سمے اُنہوں نے اور مسلمانوں سے دُکھی تھا اس وقت انہوں نے
कुछ लोगों को बचाया। नानक जी के सामने	کچھ لوگوں کو بچایا۔ نانک جی کے سامنے کچھ لوگوں کو بچایا نانک جی کے سامنے
उन का कुछ सम्प्रदाय बहुत से शिष्य नहीं हुए थे क्योंकि अविद्वानों में चाल है	اُن کا کچھ سمپردائے وا بہت سے ششش نہیں ہوئے کچھ اُن کا طریقہ یا بہت سے شاگرد نہیں ہوئے تھے کیونکہ اودھوانوں میں یہ چال ہے تھے کیونکہ جاہلوں میں یہ دستور ہے
कि मरे पीछे उन को सिद्ध बना लेते हैं पश्चात	کہ مرے پیچھے اُن کو سدھ بنا لیتے ہیں پسچات کہ مرنے کے بعد اُن کو بزرگ بنا لیتے ہیں اس کے بعد
बहुत सा महात्म्य करके ईश्वर के समान मान	بہت سا مہاتم کرکے ایشر کے سمان مان بہت سی تعریفیں کرکے پرمیشر کے برابر مان
लेते हैं हां नानक जी बड़े धनाढ्य	لیتے ہیں۔ ہاں نانک جی بڑے دھناڈھی لیتے ہیں۔ ہاں نانک جی بڑے مالدار
और रईस भी नहीं थे परन्तु उन के चेलों ने	اور رئیس بھی نہیں تھے پرنتو اُن کے چیلوں نے اور رئیس بھی نہیں تھے لیکن ان کے چیلوں نے
"नानक चन्द्रोदय" और जन्मसाखी आदि में	(نانک چندرودی) اور جنم ساکھی۔ آدی میں نانک چندرودی اور جنم ساکھی وغیرہ میں
बड़े सिद्ध और बड़े २ ऐश्वर्य वाले थे	بڑے سدھ اور بڑے بڑے ایشرج والے تھے بڑے ولی اور بڑے بڑے سامانوں والے تھے

हिन्दी	اردو
लिखा है नानक जी ब्रह्मा आदि से मिले बड़ी	لکھا ہے نانک جی برہما آدی سے ملے بڑی لکھ دیا ہے نانک جی برہما وغیرہ سے ملے بڑی
बात चीत की सब ने उन का मान किया नानक जी	بات چیت کی سب نے ان کا مان کیا نانک جی بات چیت کی سب نے ان کا مانا نانک جی
के विवाह मे बहुत से घोड़े रथ हाथी सोना	کے ویواہ میں بہت سے گھوڑے رتھ ہاتی سونا کے بیاہ میں بہت سے گھوڑے رتھ ہاتی سونا
चाँदी मोती पन्ना आदि रत्नों से जड़े हुए	چاندی موتی پنا آدی رتنوں سے جڑے ہوئے چاندی موتی پنا وغیرہ جوہروں سے جڑاؤ
और अमूल्य रत्नों का पारावार न था लिखा है भला ये	اور اَمُل رتنوں کا پارا وار نہ تھا لکھا ہے بھلا یہ اور بیش بہا جواہر کا انتہا نہ تھا لکھا ہے بھلا یہ
गपोड़े नहीं तो क्या है इस में उन के चेलों का	گپوڑے نہیں تو کیا ہے اس میں اُن کے چیلوں کا جھوٹی گپ نہیں تو کیا ہے اس میں اُن کے چیلوں کا
दोष है नानक जी का नहीं दूसरा जो उन के	دوش ہے نانک جی کا نہیں دوسرا جو اُن کے قصور ہے نانک جی کا نہیں دوسرا جو اُن کے
पीछे उन के लड़के से उदासी चले और रामदास	پیچھے اُن کے لڑکے سے اُداسی چلے اور رامداس پیچھے اُن کے بیٹے سے اوداسی سکھ چلے اور رامداس
आदि से निर्मले कितने ही गद्दी वालों ने	آدی سے نرملے کتنے ہی گدی والوں نے وغیرہ سے نرملے کتنے ہی گدی والوں نے
भाषा बनाकर ग्रंथ में रक्खी अर्थात् इन का	بھاشا بنا کر گرنتھ میں رکھی ہے ارتھات اُن کا بولی بنا کر گرنتھ میں ملا دی یعنی اُن کا
गुरु गोविंद सिंह जी दसवां हुआ उन के पीछे उस ग्रंथ में किसी का	گورو گوبند سنگھ جی دسوان ہوا اُس کے پیچھے کسی کی گورو گوبند سنگھ جی دسوان ہوا اس کے پیچھے کسی کی
भाषा नहीं मिलाई गई किन्तु वहां	بھاشا اُس گرنتھ میں نہیں ملائی گئی کنتو وہاں بولی اس گرنتھ میں نہیں ملائی گئی لیکن وہاں
तक के जितने छोटे 2 पुस्तक थे	تک کے جتنے چھوٹے چھوٹے پستک تھے تک کے یعنی گوبند سنگھ کی جتنی چھوٹی چھوٹی پوتھیاں تھیں

उन सब को इकट्ठे करके जिल्द बंधवा दी इन	اُن سب کو اکٹھے کر کے جلد بندھوا دی اُن	ان سب کو اکٹھی کر کے جلد بندھوا دی اُن
	لوگوں نے بھی نانک جی کے پیچھے بہت سی	لوگوں نے بھی نانک جی کے پیچھے بہت سی
भाषा बनाई कितने ही ने नाना प्रकार की	بھاشا بنائی کتنے ہی نے نانا پرکار کی	بحثیں لکھیں بہتوں نے طرح طرح کے
पुराणों की मिथ्या कथा के तुल्य बना दिये परन्तु	پرانوں کی متھیا کتھا کے تل بنا دیئے پرنتو	پرانوں کی جھوٹی کتھا کی مانند بنا دی لیکن
ब्रह्मज्ञानी आप परमेश्वर बन के उस पर कर्म उपासना	برہم گیانی آپ پرمیشر بن کے اس پر کرم اُپاسنا	برہم گیانی آپ پرمیشر بن کے اس پر عمل عبادت
छोड़कर इन के शिष्य झुकते आए इसने	چھوڑ کر اُن کے ششش جھکتے آئے اس نے	چھوڑ کر اُن کے سکھ جھکتے آئے اس بات نے
बहुत बिगाड़ कर दिया नहीं जो नानक जी ने कुछ	بہت بگاڑ کر دیا نہیں جو نانک جی نے کچھ	بہت بگاڑ دیا نہیں تو اگر نانک جی نے کچھ
विशेष भक्ति ईश्वर की लिखी थी उसे करते आते	بشیش بھگتی ایشر کی لکھی تھی اُسے کرتے آتے	خاص کر بھگتی ایشر کی لکھی تھی وہ ہی کرتے آتے
तो अच्छा था अब उदासी कहते हैं हम बड़े	تو اچھا تھا اب اوداسی کہلاتے ہیں ہم بڑے	تو اچھا تھا اب اوداسی سکھ کہتے ہیں ہم بڑے
निर्मले कहते हैं हम बड़े अकाली तथे सुतरसाई	نرملے کہتے ہیں ہم بڑے اکالیت تھے ستھرے شاہی	نرملے کہتے ہیں ہم بڑے اکالیت تھے یعنی حیات جاودانی ہیں ستھرے
कहते हैं सर्वोपरि हम है इन में गोविंद सिंह जी	کہتے ہیں کہ سرواُپرہم ہیں ان میں گوبند سنگھ جی	شاہی کہتے ہیں کہ سب پرہم ہیں ان میں گوبند سنگھ جی
शूरवीर हुए जो मुसलमानों ने इन के पुरुषाओं	شُر بیر ہوئے جو مسلمانوں نے اُن کے پرشاون	بڑے بہادر ہوئے جو مسلمانوں نے اُن کے بڑوں کو
को बहुत सा दुःख दिया था उन से वैर लेना चाहते थे	کو بہت سا دکھ دیا تھا ان سے بیر لینا چاہتے تھے	بہت ستایا تھا ان سے بدلہ لینا چاہتے تھے

परन्तु इन के पास कुछ सामग्री न थी और उधर	پرنتو ان کے پاس کچھ ساگری نہ تھی اور اُدھر لیکن اُن کے پاس کچھ توفیق نہ تھی اور اودہر
मुसलमानों की बादशाही प्रज्वलित हो रही थी	مسلمانوں کی بادشاہی پرجولت ہو رہی تھی مسلمانوں کی بادشاہی چمک رہی تھی
इन्हों ने एक पुरश्चरण करवाया प्रसिद्ध	انہوں نے ایک پرشس چرن کروایا پرسدھ انہوں نے ایک پڑی جمائی
की कि मुझ को देवी ने वर और खड्ग दिया है कि	کی کہ مجھ کو دیوی نے ور کھنگ دیا ہے کہ مجھ کو دیوی نے حکم اور تلوار دی ہے کہ
तुम मुसलमानों से लड़ो तुम्हारा विजय होगा बहुत से लोग	تم مسلمانوں سے لڑو تمہارا بجے ہوگا بہت سے لوگ تم مسلمانوں سے لڑو تمہاری. فتح ہوگی بہت سے لوگ
उन के साथी हो गये और इन्हों ने जैसे वाम मार्गियों	اُن کے ساتھی ہو گئے اور انہوں نے جیسے بام مارگیو اُن کے ساتھی ہو گئے اور انہوں نے جیسے بام مارگیوں
ने पंच मकार चक्रांकितों ने पंच संस्कार चलाये	نے پنچ مکار چکرانکتو نے پنچ سنسکار چلائے نے پانچ میم چکرانتیوں نے پانچ تمسین چلائے
थे वैसे पंच कारक अर्थात् इन के पंच ककार	تھے ویسے پنچ کارک ارتھات ان کے پنچ ککار تھے ویسے پانچ کاف چلائے یعنی ان کے پانچ کاف
युद्ध के उपयोगी थे एक केश अर्थात् जिस के	جُدھ کے اپیوگی تھے ایک کیش ارتھات جسکے لڑائی کے لئے تھے ایک کیش سر کے بال جن کے
रखने से लड़ाई में लकड़ी और तलवार से कुछ बचाव	رکھنے سے لڑائی میں لکڑی اور تلوار سے کچھ بچاؤ رکھنے سے لڑائی میں لکڑی اور تلوار سے کچھ بچاؤ
हो दूसरा कंगण जो शिर के ऊपर पगड़ी में अकाली	ہو دوسرا کنگن جو شر کے اوپر پگڑی میں اکالی ہوتا ہے دوسرا کنگن جو سر کے اوپر پگڑی میں اکالی
लोग रखते हैं और हाथ में कड़ा जिस से हाथ	لوگ رکھتے ہیں اور ہاتھ میں کڑا جس سے ہاتھ سکھ رکھتے ہیں اور ہاتھ میں کڑا جس سے ہاتھ
और शिर बच सके तीसरा काछ अर्थात् जानु के	اور سر بچ سکے تیسرا کاچھ ارتھات جانوں کے اور سر بچ سکے تیسرا کچھ یعنی زانوں سے اوپر

हिन्दी	اردو
ऊपर एक आँगिया कि जो दौड़ने और कूदने में अच्छा	اوپر ایک جانگیا کہ جو دوڑنے اور کودنے میں اچھا اوپر جانگیا جو دوڑنے اور کودنے میں اچھا
होता है बहुत करके अखाड़े के मल्ल और नट	ہوتا ہے بہت کرکے اکھاڑے کے مل اور نٹ ہوتا ہے۔ اکثر اکھاڑے کے پہلوان اور نٹ
भी इसको इसी लिये धारण करते हैं कि जिस से	بھی اس کو اسی لئے دھارن کرتے ہیں کہ جس سے بھی اس کو اسی لئے پہنتے ہیں کہ جس سے
शरीर का मर्मस्थान बचा रहे और अटकाव न हो चौथा	شریر کا مرم استھان بچا رہے اور اٹکاو نہ ہو چوتھا ستر گاہ بچی رہے اور حرج بھی نہ ہو چوتھا
कंगा कि जिस से केश सुधरते हैं पांचवां कार्द्	کنگھا کہ جس سے کیش سدھرتے ہیں پانچواں کاچو کنگھا کہ جس سے بال سدھارتے ہیں پانچواں چاقو
कि जिस से शत्रु से भेट भटका होने को लड़ाई में	کہ جس سے شترو سے بھیٹ بھٹکا ہونے سے لڑائی کہ جس سے دشمن سے لڑنے کے وقت لڑائی میں
काम आवे इसी लिये यह रीति गोबिंद सिंह जी ने	میں کام آوے اس لئے یہ ریتی گوبند سنگھ جی نے کام آوے اسی لئے یہ رسم گوبند سنگھ نے
अपनी बुद्धिमत्ता से उस समय के लिये की थी अब	اپنی بدھ متا سے اس سمے کیلئے کی تھی۔ اب اپنی عقل اور سمجھ سے اس وقت نکالی تھی ان
इस समय में उनका रखना कुछ उपयोगी नहीं परन्तु अब	اس سمے میں اُن کا رکھنا کچھ اپیوگی نہیں ہے پرنتو اب دنوں ان کا رکھنا کچھ ضروری نہیں لیکن جو
जो युद्ध के प्रयोजन के लिये बातें कर्तव्य थीं उन को धर्म	جو جدھ کے پریوجن کیلئے باتیں کرتب تھیں اُن کو دھرم باتیں لڑائی کی وجہ سے برتی گئی تھیں اب اُن کو دھرم
के साथ मान ली हैं मूर्तिपूजा तो नहीं करते	کے ساتھ مان لی ہیں۔ مورتی پوجا تو نہیں کرتے کے ساتھ مان لی ہیں بت پرستی تو نہیں کرتے
किन्तु इस से विशेष ग्रंथ की पूजा करते हैं क्या	کنتو اس سے وشیش گرنتھ کی پوجا کرتے ہیں کیا مگر اس سے خاص کر گرنتھ کی پوجا کرتے ہیں کیا
यह मूर्ति पूजा नहीं है किसी जड़ पदार्थ के सामने	یہ مورتی پوجا نہیں ہے کسی جڑ پدارتھ کے سامنے یہ بت پرستی نہیں ہے کسی غیر متحرک چیز کے سامنے

سرجھکانا و اُس کی پوجا کرنی سب مورتی پوجا ہے
سرجھکانا یا اس کی عبادت کرنا سب بت پرستی ہے
جیسے مورتی والوں نے اپنی دوکان جما کر جیوکا ٹھاڑی
جیسی بت پرستوں اپنی دوکان جما کر جیو کا مضبوط
کی ہے ویسے ان لوگوں نے بھی کر لی ہے جیسے پجاری
اسباب معاش کر رکھی ہے ویسے ہی ان لوگوں نے بھی کر لی ہے
لوگ مورتی کا درشن کراتے بھیٹ چڑھواتے ہیں ویسے
جیسے پجاری لوگ بت کی زیارت کراتے نذریں چڑھواتے ہیں ویسے
نانک پنتھی لوگ گرنتھ کی پوجا کرتے کراتے بھیٹ
نانک پنتھی لوگ گرنت کی پوجا کرتے کراتے نذریں
بھی چڑھاتے ہیں ارتھات مورتی پوجا والے جتنا وید کا
چڑھاتے ہیں یعنی بت پرست جتنا وید کا ادب
مان کرتے ہیں اتنا یہ لوگ گرنتھ والے نہیں کرتے
کرتے ہیں اوتنا گرنتھ صاحب والے نہیں کرتے ہیں
یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ویدوں کو نہ سُنا نہ دیکھا کیا
یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے ویدوں کو نہ سُنا نہ دیکھا کیا
کریں جو سننے اور دیکھنے میں آویں تو بدھمان لوگ جو کہ
کریں جو سُننے اور دیکھنے میں آویں تو سمجھدار لوگ جو کہ
ہٹھی دُراگرہی نہیں ہیں وے سب سمپردائے والے ویدمت میں آ
ضدی اور متعصب نہیں ہیں وے سب فرقہ والے وید مذہب
جاتے ہیں پرنتو ان سب نے بھوجن کا بکھیڑا بہت سا ہٹا دیا ہے
میں آجاتے ہیں لیکن ان سکھوں نے روٹیوں کا جھگڑا بہت سا ہٹا دیا ہے
جیسے اس کو ہٹایا ویسے وشیا سکتی و دربھیمان کو بھی ہٹا کر ویدمت
جیسے اس کو دور کیا ہے ویسے اور نفسانی خواہشوں کو بھی ہٹا کر وید مذہب
کی اونتی کریں تو بہت اچھی بات ہے۔
کی اشاعت کریں تو بہت اچھی بات ہے۔

फिर झुकना अथवा उसकी पूजा करनी
सब मूर्ति पूजा है
जैसे मूरति वालों ने अपनी दुकान
जमा कर जीविका ठाढी
की है वैसे इन लोगों ने भी
कर ली है जैसे पुजारी
लोग मूरत्ति का दर्शन कराते
भेट चढ़वाते हैं वैसे
नानक पन्थी लोग ग्रंथ
की पूजा करते कराते भेट
भी चढ़वाते हैं अर्थात् मूर्ति
पूजा वाले जितना वेद का
मान्य करते हैं उतना ये
लोग ग्रन्थ साहब वाले
नहीं करते हैं
यह कहा जा सकता है कि
इन्हों ने वेदों को न सुना
न देखा क्या
करें जो सुनने और देखने में
आवें तो बुद्धिमान लोग जो कि
हठी दुराग्रही नहीं हैं वे
सब संप्रदाय वाले वेदमत में
आ जाते हैं परन्तु इन सबने
भोजन का बखेड़ा बहुत सा हटा
दिया है
जैसे इसको हटाया वैसे विषयासक्ति
दुरभिमान को भी हटाकर वेदमत
की उन्नति करें तो बहुत अच्छी
बात है।

باوانانک صاحب کی بعض کرامات کا ذکر

یہ بات اللہ جلشانہٗ کی عادت میں داخل ہے کہ جب ایک انسان اپنے دل سے اپنی جان سو اپنے تمام وجود سے اس کی طرف جُھک جاتا ہے اور اپنی زندگی کا اصل مقصد اسی کو ٹھہراتا ہے اور غیر سے قطع تعلق کرتا اور اُس کی محبت سے بھر جاتا ہے تو پھر وہ قادر و کریم و رحیم خدا ایک خاص طور سے اس سے تعلق پکڑتا ہے اور ایک ایسے نئے رنگ میں اس پر تجلّی فرماتا ہے جس سے دُنیا غافل ہوتی ہے سو جو کچھ اُس کے کامل اخلاص اور کامل صدق اور کامل وفا کی پاداش میں عنایت الٰہی وقتاً فوقتاً اُس کی عزت ظاہر کرتی ہے مثلاً مشکلات کے وقت میں اس کی دستگیری فرماتی ہے اور ناقدر شناسوں پر اس کا قدر و منزلت کھول دیتی ہے اور اُس کے دوستوں پر فضل اور احسان کا پرتوہ ڈالتی ہے اور اس کے موذی دشمنوں کو قہر کے ساتھ پکڑتی ہے اور اس کو معارف اور دقائق سے حصہ بخشتی ہے اور اُس کی قبولیت کو دنیا میں پھیلا دیتی ہے اور اُس کے ہریک قول اور فعل میں برکت رکھ دیتی ہے اور اُس کے ہر یک بوجھ کی آپ متکفل ہو جاتی ہے اور عجیب طور پر اُس کی تمام حاجتوں کو پورا کر دیتی ہے تو ان تمام صورتوں کا نام **کرامت** ہے اور جب انسان خدا کا ہو جاتا ہے تو خدا اُس کا ہو جاتا ہے اور جب خدا اُس کا ہو جاتا ہے تو بہتوں کو جو اُس کے نیک بندے ہیں اُس کی طرف رجوع دیتا ہے اور یہ تمام عنایات ربانیہ اس بندہ کی کرامات میں داخل ہوتی ہیں سو چونکہ باوانانک صاحب درحقیقت خدا تعالیٰ کے مخلص بندوں میں سے تھے اور اپنی زندگی میں ایک کھلی کھلی تبدیلی کر کے اللہ جلشانہٗ کی طرف جھک گئے تھے اس لئے عنایات ربانیہ نے وہ کرامات بھی اُن میں ظاہر کیں جو خدا تعالیٰ کے مقبول بندوں میں ظاہر ہوا کرتی ہیں۔

چنانچہ نسخہ انڈیا آفس میں لکھا ہے کہ جب قاضی نے باوانانک صاحب پر بدظنی کی کہ یہ کیوں ایسا کہتا ہے کہ نہ ہندو ہے نہ مسلمان ہے تو باوانانک صاحب نے اپنی فوق الفطرت قوت سے قاضی کے

خیالات کا اندازہ کرلیا اور قاضی کو اُنہوں نے کہا کہ سچا مسلمان اپنے آپ کو پاک اور بے لوث بناتا ہے اُس میں راستبازی صبر اور صداقت قوی ہوتی ہے جو کچھ قایم ہے اُس میں کسی کو مضرت نہیں پہنچاتا اور جو کچھ مُردہ ہے اس کو نہیں کھاتا یعنی کسی کی غیبت نہیں کرتا اے نانک ایسا ہی مسلمان سیدھا جنت میں جاتا ہے جب نانک نے یہ فقرے ابیات میں پڑھے تو اس وقت جتنے ہندو مسلمان بیٹھے ہوئے تھے اُنہوں نے کہا کہ بابا نانک میں خدا بول رہا ہے۔ از نسخہ انڈیا آفس صفحہ ۳۶ سے ۴۱ تک۔

اب جاننا چاہیئے کہ باوا نانک صاحب کی اس تقریر سے دو کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں (۱) اول یہ کہ جب قاضی نے ایک ایسی جگہ پر جہاں باوا صاحب موجود نہیں تھے یہ تذکرہ کیا کہ نانک یہ کیا کہتا ہے کہ نہ ہندو ہے نہ مسلمان ہے تو باوا صاحب نے اس ذکر کو جو غائبانہ ہوا تھا کشفی طور پر معلوم کر لیا اور قاضی کو اپنے ابیات میں یہ جتلا دیا کہ اسلام کی مذمت میرا مقصود نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس زمانہ کے اکثر مسلمان رسم اور عادت کے طور پر مسلمان ہیں اسلام کی حقیقت ان میں نہیں پائی جاتی سچا مسلمان راستباز اور پاک طبع ہوتا ہے اور نیز جتلا دیا کہ مردہ کھانا یعنی گلہ کرنا مسلمانوں کا کام نہیں چونکہ قاضی نے غائبانہ باوا صاحب کا گلہ کیا تھا اور قرآن میں ہے کہ گلہ کرنا مردہ کھانے کے برابر ہے اس لئے باوا صاحب نے قاضی کو متنبہ کر دیا کہ تو نے مسلمان کہلا کر میرا گلہ کیوں کیا۔ کیا تجھے خبر نہیں کہ اپنے بھائی کا گلہ کرنا مردہ کھانا ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ قرآن میں فرماتا ہے ولا یغتب بعضکم بعضا ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتاً[1]۔ یعنی ایک مسلمان کو چاہیئے کہ دوسرے مسلمان کا گلہ نہ کرے کیا کوئی مسلمان اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاوے (۲) دوسری یہ کرامت تھی کہ اسلام کی ٹھیک حقیقت بتلا دی کیونکہ صبر اور استقامت کے ساتھ تمام راست بازی کی راہوں کو پورا کرنا اور پاک اور بے لوث زندگی اختیار کرنا یہی اسلام کی جڑھ اور اصل حقیقت ہے اور باقی تمام شریعت کے احکام اس اجمال کی تفصیل ہیں چنانچہ ہم عنقریب کسی قدر حقیقت اسلام کی بیان کریں گے۔

[1] الحجرات : ۱۳

اور منجملہ باوا صاحب کی کرامات کے چولا صاحب بھی ایک بڑی کرامت ہے ہم نے خود اپنی جماعت کے ساتھ ڈیرہ نانک میں جاکر چولا صاحب کو دیکھا ہے ایسے لطیف اور خوبصورت حرفوں میں قرآن شریف کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں کہ ایسے کپڑے پر اس خوبصورتی کے ساتھ لکھنا انسان کا کام معلوم نہیں ہوتا اور جابجا ایسے خوبصورت دائرے ہیں جو گویا نہایت عمدہ پرکار کے ساتھ کھینچے گئے ہیں اور جس عمدگی سے کسی جگہ موٹے حروف ہیں اور کسی جگہ باریک حرفوں میں قرآنی آیات لکھی گئی ہیں اور نہایت موزوں مقامات میں رکھی گئی ہیں ان پر نظر غور کرکے تعجب آتا ہے کہ کیونکر ایسے ایک معمولی کپڑے پر ایسی لطافت سے یہ تمام آیتیں لکھی گئیں ہیں۔ اور ایک جگہ کلمہ

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

نہایت موٹا اور جلی لکھا ہوا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ پڑھنے والوں کے دلوں کو اپنی لطافت اور حسن سے اپنی طرف کھینچ رہا ہے غرض وہ تمام نقوش قدرتی ہی معلوم ہوتے ہیں اور پھر عجب تر یہ کہ باوجود صدہا حوادث کے جو ملک پنجاب پر وارد ہوتے رہے اُن سب کے صدمہ سے چولہ صاحب ابتک محفوظ رہا۔ سو بلاشبہ اول درجہ کی کرامت باوا صاحب کی وہی چولہ ہے جن لوگوں نے چولہ صاحب کو نہیں دیکھا یا غور کے ساتھ نظر نہیں کی وہ اس کی عظمت کو پہچان نہیں سکتے۔ لیکن جو لوگ غور سے دیکھیں گے اُن کو بیشک خدا تعالیٰ کی قدرت یاد آئے گی اور بلاشبہ اس وقت جنم ساکھی کلاں یعنی بھائی بالا والی کے جنم ساکھی کا وہ بیان اُن کی نظر کے سامنے آجائے گا جس میں لکھا ہے کہ وہ قرآنی آیات قدرت کے ہاتھ سے چولہ صاحب پر لکھی گئی ہیں *

اور بعض کرامات باوا نانک صاحب سے مجھ کو سردار سیوا سنگھ سپرنٹنڈنٹ مدرسہ خالصہ بہادر امرت سر نے بذریعہ اپنے خط ۲۸ ستمبر ۱۸۹۵ء اطلاع دی چنانچہ بعینہ ان کے خط کی عبارت ذیل میں لکھی جاتی ہے اور وہ یہ ہے۔

سلطان پور میں نواب دولت خاں لودھی اور قاضی کے ساتھ نانک صاحب

* نوٹ۔ چولہ صاحب میں باوا نانک صاحب کی ایک یہ صریح کرامت ہے کہ اس میں ایک پیشگوئی پائی جاتی ہے کہ دین اسلام میں بیشمار لوگ داخل ہوں گے چنانچہ اس کے بعد کتنے کروڑ قومیں ہندوستان میں ہندوؤں میں سے مسلمان ہوئے اور ۷ کروڑ چین میں مسلمان ہوئے اور ابتک افریقہ میں بڑے زور سے اسلام پھیل رہا ہے اور کچھ تعجب نہیں کہ سکھ صاحبوں میں بھی اسلام پھیلے اور ہر طرف خدا تعالیٰ کا جلال ظاہر ہو۔ منہ

کا نماز پڑھنا* ان دونوں کی حضوری نہ ہونے سے نیت سے علیحدہ ہوا۔ نواب دولت خاں نے سبب پوچھا کہ آپ نے نماز کو کیوں توڑا۔ گورونانک صاحب نے فرمایا کہ اس وقت آپ کابل میں گھوڑے خریدتے پھرتے تھے۔ قاضی کو بتلایا کہ ان کی گھوڑی بیاہی تھی صحن میں کھڑا تھا اندیشہ ہوا کہ کہیں اُس میں بچھیرا نہ گر پڑے۔ دونوں صاحبوں نے قبول کیا کہ ٹھیک نماز کے وقت ہمارے خیال ٹھکانے نہ تھے۔

اور منجملہ اُن کی کرامات کے جو سیوا سنگھ صاحب نے اپنے خط میں لکھی ہیں ایک یہ ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ حسن ابدال کے متصل ایک جگہ پنجہ صاحب ہے وہاں نانک صاحب کا بابا ولی قندھاری کے ساتھ یہ ماجرا گذرا کہ ولی قندھاری صاحب پہاڑ کے اُوپر ایک چشمہ کے متصل رہتے تھے۔ اتفاق سے وہاں گورونانک صاحب اور مردانہ جا نکلے۔ مردانہ نے گورو صاحب سے التماس کی کہ اگر حکم ہو تو میں پانی لے آؤں اُنہوں نے اجازت

* نوٹ بعض سکھ صاحبان اپنی ناواقفی کے سبب سے باوا نانک صاحب کے اسلام سے انکار کرتے ہیں اور جب اُن کے اسلام کا ذکر کیا جائے تو ناراض ہوتے ہیں مگر ان میں سے جو صاحب اپنے مذہب کے واقف اور عقلمند ہیں وہ خود ان کے اسلام کا اقرار کرتے ہیں دیکھو سردار سیوا سنگھ نے اپنے خط ۲ ستمبر ۱۸۹۵ء میں کیونکر صاف صاف اقرار کر دیا کہ باوا نانک صاحب نے نواب دولت خاں اور قاضی کے ساتھ نماز پڑھی اور ان کی عدم حضور نیت کی وجہ سے پھر نماز سے علیحدہ ہو گئے ظاہر ہے کہ اگر باوا صاحب کی عادت نماز پڑھنا نہ ہوتا اور وہ اپنے تئیں غیر مسلمان سمجھتے تو مسلمانوں کے ساتھ نماز میں ہرگز شامل نہ ہوتے پس نمازیوں کے ساتھ اُن کا نماز میں کھڑا ہو جانا ایک نہایت پختہ دلیل اس بات پر ہے کہ وہ نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ بات ہماری طرف سے نہیں بلکہ سردار سیوا سنگھ صاحب کے خط کا بیان ہے جو خالصہ بہادر امرتسر وغیرہ کے سپرنٹنڈنٹ ہیں اور عرصہ قریب چھ سال کا ہوا ہے کہ ایک صاحب بھائی نرائن سنگھ نام جن کو اَور گرنتھ کنٹھ تھا امرتسر سے قادیان میں تشریف لائے اور بازار میں ہماری مسجد کے قریب اُنہوں نے وعظ کیا اور بہت سے مسلمان اور ہندو اُن کی باتیں سننے کیلئے جمع ہوئے اور اس تقریر کی اثنا میں اُنہوں نے بیان فرمایا کہ باوا نانک صاحب پانچ وقت نماز پڑھا کرتے تھے ہندو یہ بات سُنکر سخت ناراض ہوئے اور قریب تھا کہ اُن پر حملہ کریں مگر مسلمانوں نے اُن کی حمایت کی اور اُنہوں نے فرمایا کہ یہ لوگ سب نادان ہیں ان کو خبر نہیں جو باتیں میں بیان کرتا ہوں اُن کے بڑے بڑے ثبوت میرے پاس ہیں مگر ہندو بیٹھ نہ سکے اور بُرا کہتے چلے گئے۔ یہ واقعہ قریباً صدہا ہندوؤں اور مسلمانوں کو قادیان میں معلوم ہے۔ منہ

دے دی جب مردانہ اوپر گیا تو بابا ولی قندھاری نے اُس سے کہا کہ تمہارے ساتھ بھی تو صاحب کرامات ہیں* وہاں ہی پانی کیوں نہیں نکال لیتے۔ اُس نے گرو صاحب سے آکر اسی طرح عرض کر دیا گورو صاحب نے برچھی گاڑ کر وہاں سے پانی نکال لیا۔ ولی صاحب کا پانی خشک ہو گیا۔ اونہوں نے طیش میں آکر پہاڑ کو اُن پر گرانا چاہا۔ بابا نانک صاحب نے ہاتھ سے تھام دیا چنانچہ پانچ انگل کا نشان ابتک موجود ہے۔

ازانجملہ سیوا سنگھ صاحب کے خط میں ایک یہ کرامت لکھی ہے کہ باوا نانک صاحب نے ایک ریٹھہ کے درخت کو میٹھا کر دیا اور صاحب موصوف اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ اُس درخت کی اصل جگہ مجھ کو معلوم نہیں کوئی تو دارجیلنگ کی طرف بتلاتا ہے کوئی اوڑیسہ کی طرف بتلاتا ہے بادی یا بیدی وہاں سے لاتے ہیں یہ پھل بہتوں نے کھائی ہیں اور میں نے بھی کھایا ہے۔ ایسا ہی اور بھی کرامات سردار سیوا سنگھ صاحب نے لکھے ہیں مگر افسوس کہ ہم بباعث بڑھ جانے رسالہ کے تمام کرامات کے نہیں لکھ سکتے ہمارے نزدیک بابا نانک صاحب کا چولہ صاحب اور اُن کے اشعار جو حقایق اور معارف سے پُر ہیں اعلیٰ درجہ کی کرامت ہے اور ایک نہایت عجیب پیشگوئی چولہ صاحب میں پائی جاتی ہے اور وہ ایک ایسی عظیم الشان کرامت ہے کہ اگر باوا صاحب کیطرف سے کوئی کرامت منقول نہ ہوتی تو وہی ایک کافی تھی اور وہ یہ ہے کہ چولہ صاحب پر بار بار قرآن کی اس آیت کو لکھا ہے کہ قل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد و لم یولد ولم یکن لہ کفوا احد[1] یعنی کہ خدا وہ عظیم الشان خدا ہے جو اس سے پاک ہے جو کسی عورت کے پیٹ سے نکلے اور جنایا جائے اور ہر یک چیز اس کیطرف محتاج ہے اور وہ کسی کیطرف محتاج نہیں اور اس کا کوئی قرابتی اور ہمجنس نہیں نہ باپ* ماں نہ بھائی نہ بہن اور نہ کوئی

* نوٹ صاحب کرامات کا لفظ بھی باوا نانک صاحب کے اسلام پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر کسی ایسے شخص سے کوئی عجوبہ امر صادر ہو جو مسلمان نہیں تو اس کے اُس عجوبہ کا نام کرامت نہیں رکھتے بلکہ اس کا نام استدراج رکھتے ہیں سو بابا ولی قندھاری نے جو باوا نانک صاحب کو صاحب کرامت قرار دیا جو اس سے صاف طور پر پایا گیا کہ انہوں نے کشفی طور پر معلوم کر لیا کہ باوا صاحب اہل اسلام ہیں ورنہ بابا قندھاری اُن کا نام صاحب کرامت نہ رکھتا بلکہ اُن کو صاحب استدراج کہتا اور بابا نانک صاحب نے بھی اس لفظ کو رد نہیں کیا اور مردانہ کا پانی کے لئے جانا صاف دلالت کرتا ہے کہ باوا صاحب بلا کراہت مردانہ کے ہاتھ سے کھانا پانی لیتے تھے ایسے ملکوں میں باوا صاحب کا دور دور برس رہنا جہاں ہندوؤں کا نام و نشان نہ تھا جیسا کہ ملک عرب کیا بالخیر کھانے پینے کے ممکن تھا۔ منہ

[1] الاخلاص: ۲ - ۵

ہم ترجمہ اور پھر یہ کمال کیا ہے کہ لَمْ یَلِدْ کا لفظ جس کے یہ معنی ہیں کہ خدا کسی کا بیٹا نہیں کسی کا جنایا ہوا نہیں خدا کے تنا فوے اسما کے ساتھ ملایا ہے مثلاً کہا ہے وہ قدّوس ہے کسی کا بیٹا نہیں۔ وہ قیّوم ہے کسی کا جنایا ہوا نہیں وہ قادر ہے کسی کے پیٹ سے نہیں نکلا غرض ان صفات کو بار بار ذکر فرمایا ہے جس سے انسان نہایت اطمینان سے یہ سمجھتا ہے کہ باوا صاحب نے عیسائی مذہب کے بارے میں یہ پیشگوئی کی ہے گویا یہ جتلا دیا ہے کہ تین سو برس کے بعد عیسائی مذہب پنجاب میں پھیلے گا اور خبردار کر دیا ہے کہ وہ لوگ باطل پرست اور کاذب ہیں اور ناحق ایک عاجز انسان کو خدا بنا رہے ہیں اُن کے فریب میں نہ آنا اور اُن کے مذہب کو قبول نہ کرنا کہ وہ جھوٹے مکار ہیں۔ ہم جب اس پیشگوئی کو دیکھتے ہیں تو ایک نہایت عظمت اس کی ہمیں معلوم ہوتی ہے اور پھر کمال یہ ہے کہ قرآنی آیات کے ساتھ اُس کو بیان کیا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ اُس پُر آشوب زمانہ میں تم اسلام میں داخل ہو جاؤ کہ یہی دین الٰہی ہے جس نے کوئی بناوٹی خدا پیش نہیں کیا۔ اسی طرح چولہ صاحب میں بار بار یہ بیان کیا گیا ہے کہ خدا وہ خدا ہے جس نے روحوں اور جسموں کو پیدا کیا ہے اور ایک وقت آنیوالا ہے جو مُردے جی اُٹھیں گے اور خدا انصاف کریگا اور یہ اشارات باوا صاحب کے اشعار میں بھی پائے جاتے ہیں بعض اشعار میں وہ خدا کے خالق الارواح ہونے اور دارالجزا پر اس قدر زور دیتے ہیں کہ گویا وہ ایک آنیوالے فرقہ کے وجود کی خبر دے رہے ہیں اور چولہ صاحب اور اُن کے بعض اشعار سے جو ایک ذخیرہ کثیرہ ہے صریح یہ پیشگوئی محسوس ہوتی ہے کہ وہ دیانند اور اس کے بدرہ فرقہ کی خبر دے رہے ہیں یہ ایسی پیشگوئیاں ہیں جو ایک دانشمند نظر تامل کے بعد ضرور اُن پر یقین کریگا اور ہم نے بہت سوچا کہ اس میں کیا بھید ہے کہ باوا نانک صاحب کے چولہ پر بار بار لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ لکھا گیا ہے اور بار بار یہ ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس سے خدا تعالیٰ کی راہ ملتی ہے حالانکہ صرف ایک مرتبہ لکھنا کافی تھا آخر اس میں یہ بھید معلوم ہوا کہ باوا صاحب کے چولہ پر یہ بھی ایک قسم کی پیشگوئی اس تاریک زمانہ کے لئے ہے کیونکہ اس پُر فریب زمانہ نے بہت سی آنکھوں میں غبار ڈال دی ہے اور بہت سی باطل

خدا پوجے جاتے ہیں پس گویا چولہ صاحب بزبان حال ہر یک مذہب کے انسان کو کہہ رہا ہے۔ کہ اے غافل تو کہاں جاتا ہے اور کن خیالات میں لگا ہے اگر سچے مذہب کا طالب ہے تو ادھر آ اور اُس خدا پر ایمان لا جس کی طرف لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ بلاتا ہے کہ وہی غیر فانی اور کامل خدا اور تمام عیبوں سے منزہ اور تمام صفات کاملہ سے متصف ہے۔

باوا نانک صاحب پر پادریوں کا حملہ

یہ عجیب بات ہے کہ اس زمانہ کے پادری جس قدر دوسرے مذاہب پر نکتہ چینی کرنے کیلئے اپنا وقت اور اپنا مال خرچ کر رہے ہیں اس کا کروڑواں حصہ کبھی اپنے مذہب کی آزمایش اور تحقیق میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ جو شخص ایک عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے اور اُس ازلی ابدی غیر متغیر خدا پر یہ مصیبت روا رکھتا ہے کہ وہ ایک عورت کے پیٹ میں نو مہینہ تک بچہ بن کر رہا اور خون حیض کھاتا رہا اور انسانوں کی طرح ایک گندی راہ سے پیدا ہوا اور پکڑا گیا اور صلیب پر کھینچا گیا ایسے قابل شرم اعتقاد والوں کو چاہیئے تھا کہ کفارہ کا ایک جھوٹا منصوبہ پیش کرنے سے پہلے اس قابل رحم انسان کی خدائی ثابت کرتے اور پھر دوسرے لوگوں کو اس عجیب خدا کی طرف بلاتے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ ان لوگوں کو اپنے مذہب کا ذرہ بھی فکر نہیں۔ تھوڑے دن ہوئے ہیں کہ ایک پرچہ امریکن مشن پریس لودھیانہ میں سے پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی کی کارروائیوں کیواسطے ایم وایلی مینجر کے اہتمام سے نکلا ہے جس کی سرخی یہ ہے۔ وہ گرو جو انسان کو خدا کا فرزند بنا دیتا ہے اس پرچہ میں سکھ صاحبوں پر حملہ کرنے کے لئے آدگرنتھ کا یہ شعر ابتدائی تقریر میں لکھا ہے۔

جے سو چاندا اوگویں سورج چڑھے ہزار — ایتےچانن ہندیاں گر بن گھور اندھار

یعنی اگر سو چاند نکلے اور ہزار سورج طلوع کرے تو اتنی روشنی ہونے پر بھی گورو یعنے مرشد اور ہادی کے بغیر سخت اندھیرا ہے پھر اس کے بعد لکھا ہے کہ افسوس کہ ہمارے سکھ بھائی ناحق دس بادشاہیوں کو گورو مان بیٹھے ہیں اور اس ست گورو کو نہیں ڈھونڈتے جو منش کو دیوتا بنا سکتے ہیں

پھر آگے لکھتا ہے کہ وہ ست گورو یسوع مسیح ہے جس نے اپنی جان قربان کی اور گنہگاروں کے بدلے آپ لعنتی ہوا۔ اس کے ماننے سے لوگ گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں۔" اور پھر سکھ صاحبوں کو مخاطب کر کے لکھتا ہے کہ جن لوگوں کو آپ ابتک گورو سمجھے بیٹھے ہیں اور ان سے روشنی پانے کی امید رکھتے ہیں وہ لوگ اس لائق نہیں ہیں کہ آپ کے تاریک دل کو روشن کریں ہاں اس گورو یسوع مسیح میں یہ خاصیت ہے کہ کیسا ہی دل تاریک اور ناپاک کیوں نہ ہو وہ اس کو روشن اور پاک کر سکتا ہے۔ غرض یہ کہ تم یسوع کو خدا کر کے مان لو۔ پھر تم خاصے پاک اور پوتر ہو جاؤ گے اور سب گناہ جھڑ جائیں گے۔ اور منش سے دیوتا بن جاؤ گے۔ مگر افسوس کہ یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ اگر انسانوں کو ہی خدا بنانا ہے تو کیا اس قسم کے خدا ہندوؤں میں کچھ کم ہیں۔ باوا نانک صاحب ہندوؤں کے مت سے کیوں بیزار ہوئے اسی لئے تو ہوئے کہاں کا وید بھی فانی چیزوں کو خدا قرار دیتا ہے اور پانی اور آگ اور ہوا اور سورج اور چاند کو پرستش کے لائق سمجھتا ہے اور اس سچے خدا سے بیخبر ہے جو ان سب چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے پھر جبکہ باوا صاحب اس سچے خدا پر ایمان لائے جس کی ہمیشہ اور کامل ذات پر زمین و آسمان گواہی دے رہا ہے اور نہ صرف ایمان لائے بلکہ اس کے انوار کی برکتیں بھی حاصل کرلیں تو پھر ان کے پیروؤں کی عقلمندی سے بہت بعید ہے کہ وہ اس تعلیم کے بعد جو ان کو دی گئی ہے پھر باطل خداؤں کی طرف رجوع کریں۔ ہندو لوگ ہزار ہا برس ایسے خداؤں کی آزمائش کر چکے ہیں اور نہ سرسری طور پر بلکہ بہت تحقیق کے بعد ایسے خدا ان کو چھوڑنے پڑے اب پھر اس جھوٹی کیمیا کی تمنا ان کی دانشمندی سے بہت دور ہے باوا نانک صاحب نے اس خدا کا دامن پکڑا تھا جو مرنے اور جنم لینے سے پاک ہے اور جو لوگوں کے گناہ بخشنے کے لئے آپ لعنتی بننے کا محتاج نہیں اور نہ کسی کی جان بچانے کے لئے اپنی جان دینے کی اس کو حاجت ہے مگر ہمیں سمجھ نہیں آتا کہ عیسائیوں کا یہ کیسا خدا ہے جس کو دوسروں کے چھوڑانے کے لئے بجز اپنے تئیں ہلاک کرنے کے اور کوئی تدبیر ہی نہیں سوجھتی۔ اگر درحقیقت زمین و آسمان کا مدبّر اور مالک اور خالق یہی بیچارہ ہے تو پھر خدائی کا انتظام سخت خطرہ میں ہے۔ بے شک یہ خواہش تو نہایت

عمدہ ہے جو انسان گناہ سے پاک ہو۔ مگر کیا گناہ سے پاک ہونے کا یہی طریق ہے کہ ہم کسی غیر آدمی کی خودکشی پر بھروسہ رکھ کر اپنے ذہن میں آپ ہی یہ فرض کر لیں کہ ہم گناہ سے پاک ہو گئے بالخصوص ایسا آدمی جو انجیل میں خود اقرار کرتا ہے جو میں نیک نہیں وہ کیونکر اپنے اقتدار سے دوسروں کو نیک بنا سکتا ہے۔ اصل حقیقت نجات کی خداشناسی اور خداپرستی ہے۔ پس کیا ایسے لوگ جو اس غلط فہمی کے دوزخ میں پڑے ہوئے ہیں جو مریم کا صاحبزادہ ہی خدا ہے وہ کیسے حقیقی نجات کی امید رکھ سکتے ہیں۔ انسان کی عملی اور اعتقادی غلطیاں ہی عذاب کی جڑھ ہیں۔ وہی درحقیقت خدا تعالیٰ کے غضب سے آگ کی صورت پر متمثل ہونگی اور جس طرح پتھر پر سخت ضرب لگانے سے آگ نکلتی ہے اسی طرح غضب الٰہی کی ضرب انہیں بداعتقادیوں اور بدعملیوں سے آگ کے شعلے نکالیگی اور وہی آگ بداعتقادوں اور بدکاروں کو کھا جائے گی جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ بجلی کی آگ کے ساتھ خود انسان کی اندرونی آگ شامل ہو جاتی ہے تب دونوں مل کر اس کو بھسم کر دیتی ہیں۔ اسی طرح غضب الٰہی کی آگ بداعتقادی اور بداعمالی کی آگ کے ساتھ ترکیب پا کر انسان کو جلا دے گی اسی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے نار اللّٰہ الموقدۃ الّتی تطلع علی الافئدۃ[1] یعنے جہنم کیا چیز ہے وہ خدا کے غضب کی آگ ہے جو دلوں پر پڑیگی یعنے وہ دل جو بداعمالی اور بداعتقادی کی آگ اپنے اندر رکھتے ہیں وہ غضب الٰہی کی آگ سے اپنے آگ کے شعلوں کو مشتعل کریں گے تب یہ دونوں قسم کی آگ باہم مل کر ایسا ہی اُن کو بھسم کرے گی جیسا کہ صاعقہ گرنے سے انسان بھسم ہو جاتا ہے پس نجات وہی پائیگا جو بداعتقادی اور بدعملی کی آگ سے دُور رہیگا سو جو لوگ ایسے طور کی زندگی بسر کرتے ہیں کہ نہ تو سچی خداشناسی کی وجہ سے اُن کے اعتقاد درست ہیں اور نہ وہ بداعمالیوں سے باز رہتے ہیں بلکہ ایک جھوٹے کفارہ پر بھروسہ کر کے دلیری سے گناہ کرتے ہیں وہ کیونکر نجات پا سکتے ہیں یہ بیچارے ابتک سمجھے نہیں کہ درحقیقت ہر یک انسان کے اندر ہی دوزخ کا شعلہ اور اندر ہی نجات کا چشمہ ہے دوزخ کا شعلہ فرو ہونے سے خود نجات کا چشمہ جوش مارتا ہے اس عالم میں خدا تعالیٰ یہ سب باتیں محسوسات کے رنگ میں مشاہدہ کرا دے گا اگر عیسائیوں

[1] الھمزۃ : ۷-۸

کو اس سچے فلسفہ کی خبر ہوتی تو مارے شرمندگی کے کسی کو منہ نہ دکھا سکتے ہزاروں فسق و فجور اور مکر اور فریب کے ساتھ یہ دعوے کرنا کہ ہم گناہ سے پاک ہو گئے ہیں عجیب قسم کی چالاکی ہے۔ جس مذہب کا یہ اصول ہے کہ مسیح کی خودکشی نے تمام عبادتوں اور نیک کاموں اور نیک عملوں کو نکما اور ہیچ کر دیا ہے اور ان کی ضرورت کچھ بھی باقی نہیں رہی کیا ایسے عقیدے کے لوگوں کی نسبت کچھ امید کر سکتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی بندگی میں دل لگاویں اور سچے دل سے تمام بدکاریوں کو چھوڑ دیں۔ پھر جبکہ ایسے قابل شرم عقیدہ میں گرفتار ہو کر انواع اقسام کی غفلتوں اور فریبوں اور ناجائز کاموں میں گرفتار ہو رہے ہیں تو تعجب ہے کہ اپنے حال پر کچھ بھی نہیں روتے اور اپنی مصیبت پر ایک ذرہ ماتم نہیں کرتے بلکہ خود اندھے ہو کر دوسروں پر کمی بصارت کی تہمت لگاتے ہیں ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ جسقدر باوا نانک صاحب کے اشعار میں توحید الٰہی کے متعلق اور سچی وحدانیت کے بیان کرنے میں عمدہ عمدہ مضامین پائے جاتے ہیں اگر وہ موجودہ انجیلوں میں پائے جاتے تو ہمیں بڑی ہی خوشی ہوتی۔ مگر ایسے جعلی کتابوں میں سچے حقایق اور معارف کیونکر پائے جائیں جو حقیقی خدادانی اور حقیقی خداپرستی اور حقیقی نجات کے بھید سے بہت ہی دور جا پڑے ہیں ناد انوں کے مُنہ پر ہر وقت کفارہ اور مسیح کی خودکشی اور ایک فانی انسان کا خدا ہونا چڑھا ہوا ہے اور باقی تمام اعمال صالحہ سے فراغت کر رکھی ہے بیشک خدا کے بندوں اور اپنے بنی نوع کے لئے جان دینا اور انسان کی بھلائی کے لئے دُکھ اُٹھانا نہایت قابل تعریف امر ہے مگر یہ بات ہرگز قابل تعریف نہیں کہ ایک شخص بے اصل وہم پر بھروسہ کر کے کنوئیں میں کود پڑے کہ میرے مرنے سے لوگ نجات پا جائیں گے جان قربان کرنے کا یہ طریق تو بے شک صحیح ہے کہ خدا کے بندوں کی معقول طریقہ سے خدمت کریں اور اُن کی بھلائی میں اپنے تمام انفاس خرچ کر دیں اور اُن کے لئے ایسی کوشش کریں کہ گویا اس راہ میں جان دے دیں مگر یہ ہرگز صحیح نہیں ہے کہ اپنے سر پر پتھر مار لیں یا کنوئیں میں ڈوب مریں یا پھانسی لے لیں اور پھر تصور کریں کہ اس بیجا حرکت سے نوع انسان کو کچھ فائدہ پہنچیگا عیسائیوں کو سمجھنا چاہیئے کہ باوا نانک صاحب حقیقی نجات کی راہوں کو خوب معلوم کر چکے تھے وہ سمجھتے تھے کہ وہ پاک ذات بجز اپنی

سعی اور کوشش کے نہیں ملتا اور وہ خوب جانتے تھے کہ خدا ہر یک جان سے اُسی جان کی قربانی چاہتا ہے نہ کسی غیر کی نید کی خودکشی بکر کے کام نہیں آتی۔ بات یہی سچ ہے کہ خدا کو وہی پاتے ہیں جو آپ خدا کے ہو جاتے ہیں۔ جو لوگ ہر ایک ناپاکی کے دروازے اپنے پر بند کرتے ہیں اُنہیں پر اُس پاک کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔

اسلام کیا چیز ہے

جبکہ ہم اس ثبوت کے دینے سے فارغ ہو چکے کہ درحقیقت باوا نانک صاحب ان پاک طبع بزرگوں میں سے تھے جن کے دلوں پر اسلام کا نور چمکا تو اب اس سوال کا جواب باقی رہا کہ اسلام کیا چیز ہے سو واضح ہو کہ خدا تعالےٰ نے ہر ایک چیز کو دنیا میں پیدا کر کے اس کی پیدائش کے مناسب حال اس میں ایک کمال رکھا ہے جو اس کے وجود کی علت غائی ہے اور ہر یک چیز کی واقعی قدر و قیمت اسی صورت میں ہوتی ہے کہ جب وہ چیز اپنے کمال تک پہنچ جائے مثلاً بیلوں میں کلبہ رانی اور آب پاشی اور بار برداری کا ایک کمال ہے اور گھوڑوں میں انسانوں کی سواری کے نیچے ان کی منشا کے موافق کام دینا ایک کمال ہے اور اگرچہ ان کمالات تک پہنچنا ان جانوروں کی استعداد میں داخل ہے مگر تاہم کاشت کاروں اور چابک سواروں کی تعلیم سے یہ کمالات اُن کے ظہور میں آتے ہیں کیونکہ وہ لوگ ریاضت اور تعلیم دینے سے اسی طرز سے ان جبلی استعدادوں کو اُن جانوروں میں پیدا کر دیتے ہیں جو اُن کے اپنی منشا کے موافق ہوں پس اس قاعدہ کے رُو سے ماننا پڑتا ہے کہ انسان بھی کسی کمال کے حاصل کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے کیونکہ جبکہ دنیا کی کسی چیز کا وجود عبث اور بے کار نہیں تو پھر انسان جیسا ایک نادر الخلقت جاندار جس میں بہت سی عمدہ اور ہمیشگی قوتیں پائی جاتی ہیں کیونکر اپنی خلقت کی رو سے محض بے فائدہ اور نکما ٹھیر سکتا ہے۔ لیکن یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ

انسان کا عمدہ کمال یہی ہے کہ وہ کھانے پینے اور ہر یک قسم کی عیاشی اور دولت اور حکومت کی لذات میں عمر بسر کرے کیونکہ اس قسم کی لذات میں دوسرے جانور بھی اس کے شریک ہیں بلکہ انسان کا کمال ان قوتوں کے کمال پر موقوف ہے جو اس میں اور اس کے غیر میں مابہ الامتیاز ہیں۔ اور انسان کے دین کا کمال یہ ہے کہ اس کی ہر یک قوت میں دین کی چمک نظر آوے اور ہر یک فطرتی طاقت اس کی ایک دین کا چشمہ ہو جاوے اور وہ قوتیں یہ ہیں۔

عقل۔ عفت۔ شجاعت۔ عدل۔ رحم۔ صبر۔ استقامت۔ شکر۔ محبت۔ خوف۔ طمع۔ حزن۔ غم۔ ایثار۔ سخاوت۔ ہمت۔ حیا۔ سخط۔ غضب۔ اعراض۔ رضا۔ شفقت۔ تذلل۔ حمد۔ ذم۔ امانت۔ دیانت۔ صدق۔ عفو۔ انتقام۔ کرم۔ جود۔ مواسات۔ ذکر۔ تصور۔ مروت۔ غیرت۔ شوق۔ ہمدردی۔ حلم۔ شدت۔ فہم۔ فراست۔ تدبیر۔ تقویٰ۔ فصاحت۔ بلاغت۔ تحمل جوارح۔ ذوق۔ اُنس۔ دعا۔ نطق۔ ارادہ۔ تواضع۔ رفق۔ مدارات۔ تحفظ۔ وفا۔ حسن عہد۔ صلہ رحم۔ وقار۔ خشوع۔ خضوع۔ زہد۔ غبطہ۔ ایجاد۔ معاونت۔ طلب تمدن۔ تسلیم۔ شہادت صدق۔ رضا بقضا۔ احسان۔ توکل۔ اعتماد۔ تحمل۔ ایفاء عہد۔ تبتل۔ اطاعت۔ موافقت۔ مخالطت۔ عشق۔ فنا۔ نظری۔ تطہر۔ فکر۔ حفظ۔ ادراک۔ بغض۔ عداوت۔ حسرت۔ اخلاص۔ علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین۔ جہد۔ توبہ۔ ندامت۔ استغفار۔ بذلِ روح۔ ایمان۔ توحید۔ رویا۔ کشف۔ سمع۔ بصر۔ خطرات۔ یہ تمام قوتیں انسان میں ہی پائی جاتی ہیں اور کوئی دوسرا جاندار ان میں شریک نہیں۔ اور اگرچہ بظاہر ایک ایسا شخص جس کو تدبر اور تفکر کرنے کی عادت نہیں کہہ سکتا ہے کہ ان قوتوں میں کئی ایک ایسی قوتیں بھی ہیں جن میں بعض دوسرے جانور بھی شریک ہیں مثلاً محبت یا خوف یا عداوت۔ مگر پوری غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ شراکت صرف صورت میں ہے نہ کہ حقیقت میں۔ انسانی محبت اور خوف اور عداوت انسانی عقل اور معرفت اور تجربہ کا ایک نتیجہ ہے پھر جبکہ انسانی عقل اور معرفت اور تجربہ دوسرے حیوانات کو حاصل نہیں ہو سکتا تو پھر اس کا نتیجہ کیونکر حاصل ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ انسانی محبت اور خوف اور عداوت کا کوئی انتہا نہیں انسانی محبت رفتہ رفتہ عشق تک پہنچ جاتی

ہے یہاں تک کہ وہ محبت انسان کے دل میں اس قدر گھر کر جاتی ہے کہ اس کے دل کو چیر کر اندر چلی جاتی ہے اور کبھی اس کو دیوانہ سا بنا دیتی ہے اور نہ صرف محبوب تک ہی محدود رہتی ہے بلکہ انسان اپنے محبوب کے دوستوں سے بھی محبت کرتا ہے اور اس شہر سے بھی محبت کرتا ہے جس میں رہتا ہے اور ان اوضاع اور اطوار سے بھی محبت کرتا ہے جو محبوب میں پائے جاتے ہیں اور اس ملک سے بھی محبت کرتا ہے جہاں محبوب رہتا ہے۔ ایسا ہی انسانی عداوت بھی صرف ایک شخص تک محدود نہیں رہتی اور بعض اوقات پشتوں تک اس کا اثر باقی رہتا ہے۔ ایسا ہی انسانی خوف بھی دور دراز نتیجہ سے پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ آخرت کا خوف بھی دامنگیر ہو جاتا ہے لہٰذا دوسرے حیوانات کی قوتیں انسانی قوتوں کے منبع اور سرچشمہ میں سے ہرگز نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ایک طبعی خواص ہیں جو بے اختیار اُن سے ظہور میں آتے ہیں اور جو کچھ انسان کو دیا گیا ہے۔ وہ انسان ہی کے ساتھ خاص ہے۔

اب جاننا چاہیئے کہ جسقدر انسان کو قوتیں دی گئی ہیں جن کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے اُن کو خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے اپنے محل پر خرچ کرنا اور ہر یک قوت کا خدا تعالیٰ کی مرضی اور رضا کے راہ میں جنبش اور سکون کرنا بھی وہ حالت ہے جس کا قرآن شریف کی رو سے اسلام نام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اسلام کی یہ تعریف فرماتا ہے۔ بَلٰى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ[1] یعنے انسان کا اپنی ذات کو اپنے تمام قویٰ کے ساتھ خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دینا اور پھر اپنی معرفت کو احسان کی حد تک پہنچا دینا یعنی ایسا پردہ غفلت درمیان سے اُٹھانا کہ گویا خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے یہی اسلام ہے پس ایک شخص کو مسلمان اُس وقت

نوٹ۔ وجہ کے اصل معنے لغت کی رُو سے مُنہ کے ہیں چونکہ انسان مُنہ سے شناخت کیا جاتا ہے۔ اور کروڑہا انسانوں میں مابہ الامتیاز مُنہ سے قایم ہوتا ہے اس لئے اس آیت میں مُنہ سے مراد استعارہ کے طور پر انسان کی ذات اور اس کی قوتیں ہیں جن کی مدد سے وہ دوسرے جانوروں سے امتیاز رکھتا ہے گویا وہ قوتیں اس کی انسانیت کا مونہہ ہے۔

[1] البقرۃ : ۱۱۳

کہہ سکتے ہیں کہ جب یہ تمام قوتیں اس کی خدا تعالیٰ کے راہ میں لگ جائیں اور اس کے زیرِ حکم واجب طور پر اپنے اپنے محل پر مستعمل ہوں اور کوئی قوت بھی اپنی خودروی سے نہ چلے ۔ یہ تو ظاہر ہے کہ نئی زندگی کامل تبدیلی سے ملتی ہے اور کامل تبدیلی ہرگز ممکن نہیں ۔جب تک انسان کی تمام قوتیں جو اس کی انسانیت کا نچوڑ اور لب لباب ہیں اطاعت الٰہی کے نیچے نہ آجائیں اور جب تمام قوتیں اطاعت الٰہی کے نیچے آگئیں اور اپنے نیچرل خواص کے ساتھ خط استقامت پر چلنے لگیں ۔ تو ایسے شخص کا نام مسلمان ہوگا لیکن ان تمام قوتوں کا اپنے اپنے مطالب میں پورے پورے طور پر کامیاب ہوجانا اور رضائے الٰہی کے نیچے گم ہوکر اعتدال مطلوب کو حاصل کرنا بجز تعلیم الٰہی اور تائید الٰہی غیر ممکن اور محال ہے اور ضرور تھا کہ کوئی کتاب دُنیا میں خدا تعالےٰ کی طرف سے ایسی نازل ہوتی کہ جو اسلام کا طریق خدا کے بندوں کو سکھاتی ۔ کیونکہ جس طرح ہم اپنے ماتحت جانوروں گھوڑوں گدھوں بیلوں وغیرہ کو تربیت کرتے ہیں تا اُن کی مخفی استعدادیں ظاہر کریں اور اپنی رضی کے موافق اُن کو چلاویں ۔ اسی طرح خدا تعالےٰ پاک فطرت انسانوں کی فطرتی قوتیں ظاہر کرنے کے لئے اُن کی طرف توجہ فرماتا ہے اور کسی کامل الفطرت پر وحی نازل کرکے دوسروں کی اس کے ذریعہ سے اصلاح کرتا ہے تا وہ اس کی اطاعت میں محو ہوجائیں ۔یہی قدیم سے سنت اللہ ہے اور ہمیشہ خدا تعالےٰ ہر یک زمانہ کی استعداد کے موافق اسلام کا طریق اس زمانہ کو سکھلاتا رہا ہے ۔

اور چونکہ پہلے نبی ایک خاص قوم اور خاص ملک کے لئے آیا کرتے تھے اس لئے اُن کی تعلیم جو ابھی ابتدائی تھی مجمل اور ناقص رہتی تھی کیونکہ بوجہ کمی قوم اصلاح کی حاجت کم پڑتی تھی اور چونکہ انسانیت کے پودہ نے ابھی پورا نشوونما بھی نہیں کیا تھا اس لئے استعدادیں بھی کم درجہ پر تھیں اور اعلیٰ تعلیم کی برداشت نہیں کرسکتی تھیں پھر ایسا زمانہ آیا کہ استعدادیں تو بڑھ گئیں مگر زمین گناہ اور بدکاری اور مخلوق پرستی سے بھر گئی اور سچی توحید اور سچی راستبازی نہ ہندوستان میں باقی رہی اور نہ مجوسیوں میں اور نہ یہودیوں میں اور نہ عیسائیوں میں اور تمام قوتیں ضلالت اور نفسانی جذبات کے نیچے دب گئیں ۔ اس وقت خدا نے قرآن شریف کو اپنے پاک نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کرکے دنیا کو کامل اسلام

سکھایا اور پہلے نبی ایک ایک قوم کے لئے آیا کرتے اور اسی قدر سکھلاتے تھے جو اسی قوم کی استعداد کے اندازہ کے موافق ہو اور جن تعلیموں کی وہ لوگ برداشت نہیں کر سکتے تھے وہ تعلیمیں اسلام کی ان کو نہیں بتلاتے تھے اس لئے ان لوگوں کا اسلام ناقص رہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان دینوں میں سے کسی دین کا نام اسلام نہیں رکھا گیا۔ مگر یہ دین جو ہمارے پاک نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت دنیا میں آیا اس میں تمام دنیا کی اصلاح منظور تھی اور تمام استعدادوں کے موافق تعلیم دینا مدنظر تھا۔ اس لئے یہ دین تمام دُنیا کے دینوں کی نسبت اکمل اور اتم ہوا۔ اور اسی کا نام بالخصوصیت اسلام رکھا گیا اور اسی دین کو خدا نے کامل کہا جیسا کہ قرآن شریف میں ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینًا[1] یعنی آج میں نے دین کو کامل کیا اور اپنی نعمت کو پورا کیا اور میں راضی ہوا جو تمہارا دین اسلام ہو۔ چونکہ پہلے دین کامل نہیں تھے اور ان قوانین کی طرح تھے جو مختص القوم یا مختص الزمان ہوتے ہیں۔ اس لئے خدا نے ان دینوں کا نام اسلام نہ رکھا۔ اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا کیونکہ وہ انبیاء تمام قوموں کے لئے نہیں آتے تھے بلکہ اپنی اپنی قوم کے لئے آتے تھے اور اسی خرابی کی طرف اُن کی توجہ ہوتی تھی جو ان کی قوم میں پھیلی ہوئی ہوتی تھی اور انسانیت کی تمام شاخوں کی اصلاح کرنا ان کا کام نہیں تھا کیونکہ اُن کے زیر علاج ایک خاص قوم تھی جو خاص آفتوں اور بیماریوں میں مبتلا تھی اور ان کی استعدادیں بھی ناقص تھیں اسی لئے وہ کتابیں بھی ناقص رہیں کیونکہ تعلیم کی اغراض خاص خاص قوم تک محدود تھے۔ مگر اسلام تمام دنیا اور تمام استعدادوں کے لئے آیا۔ اور قرآن کو تمام دنیا کی کامل اصلاح مدنظر تھی جن میں عوام بھی تھے اور خواص بھی تھے اور حکماء اور فلاسفر بھی۔ اس لئے انسانیت کے تمام قویٰ پر قرآن نے بحث کی اور یہ چاہا کہ انسان کی ساری قوتیں خدا تعالیٰ کی راہ میں فدا ہوں اور یہ اس لئے ہوا کہ قرآن کا مدنظر انسان کی تمام استعدادیں تھیں اور ہر یک استعداد کی اصلاح منظور تھی اور اسی وجہ سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ٹھہرے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر وہ تمام کام پورا ہو گیا جو پہلے اس سے کسی نبی کے ہاتھ پر پورا نہیں ہوا تھا۔ چونکہ قرآن کو نوع انسان کی تمام استعدادوں سے کام پڑنا تھا اور وہ دنیا کی عام اصلاح کے لئے نازل

[1] المائدۃ: ۴

کیا گیا تھا اس لئے تمام اصلاح اس میں رکھی گئی اور اسی لئے قرآنی تعلیم کا دین اسلام کہلایا اور اسلام کا لقب کسی دوسرے دین کو نہ مل سکا کیونکہ وہ تمام ادیان ناقص اور محدود تھے غرض جبکہ اسلام کی حقیقت یہ ہے تو کوئی عقلمند مسلمان کہلانے سے عار نہیں کرسکتا۔ ہاں اسلام کا دعویٰ اسی قرآنی دین نے کیا ہے اور اسی نے اس عظیم الشان دعویٰ کے دلایل بھی پیش کئے ہیں اور یہ بات کہنا کہ میں مسلمان نہیں ہوں یہ اس قول کے مساوی ہے کہ میرا دین ناقص ہے۔

یہ بات بھی مجھے بیان کرنا ضروری ہے کہ وہ حقیقی خوش حالی جس کی طلب نے انسان کو مذہب کا طالب بنایا ہے بجز اسلام کے اور کسی جگہ مل نہیں سکتی جس وقت اس ضروری سوال پر ہم غور کرتے ہیں کہ کیونکر ہم نہایت خوشحالی سے اس پُرفتنہ دنیا سے سفر کرسکتے ہیں تو ہماری روح جو سچے اور کامل آرام کو چاہتی ہے معاً یہ جواب دیتی ہے کہ ہماری کامل اور لازوال خوش حالی کیلئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔

اول یہ کہ اس فانی زندگی کے فانی تعلقات میں ہم ایسے اسیر اور مقید نہ ہوں کہ ان کا چھوڑنا ہمارے لئے عذاب الیم ہو۔

دوم یہ کہ ہم درحقیقت خدا تعالیٰ کو ان تمام چیزوں پر مقدم رکھ لیں اور جس طرح ایک شخص بالارادہ سفر کرکے ایک شہر کو چھوڑتا اور دوسرے شہر میں آجاتا ہے اسی طرح ہم اپنے ارادہ سے دُنیا کی زندگی کو چھوڑ دیں اور خدا کے لئے ہر یک دُکھ کو قبول کریں اگر ہم ایسا کریں تو اپنے ہاتھ سے اپنے لئے بہشت کی بنیادی اینٹ رکھیں گے۔ **اسلام کیا چیز ہے ؟** یہی کہ ہم اس سفلی زندگی کو کھودیں اور نابود کریں اور ایک اور نئی پاک زندگی میں داخل ہوں اور یہ ناممکن ہے جبتک کہ ہمارے تمام قویٰ خدا کی راہ میں قربان نہ ہو جائیں اسلام **پر قدم مارنے سے نئی زندگی ملتی ہے اور وہ انوار اور برکات** حاصل ہوتے ہیں کہ اگر میں بیان کروں تو مجھے شک ہے کہ اجنبی لوگوں میں سے کوئی اُن پر اعتبار بھی کرلے گا۔ **خدا ہے** اور اس کی ذات پر ایمان لانا اور درحقیقت اُسی کا

ہوجانا یہی راہ ہے جس کا نام اسلام ہے لیکن اس راہ پر وہی قدم مارتا ہے جس کے دل پر اُس زندہ خدا کا خوف ایک قوی اثر ڈالتا ہے۔ اکثر لوگ بیہودہ طریقوں پر نجات کے خواہشمند رہتے ہیں۔ لیکن اسلام وہی طریق نجات بتاتا ہے جو درحقیقت خدا تعالیٰ کی طرف سے ازل سے مقرر ہے اور وہ یہ ہے کہ سچے اعتقاد اور پاک عملوں اور اس کی رضا میں محو ہونے سے اُس کے قرب کے مکان کو تلاش کیا جائے اور کوشش کی جائے کہ اس کا قرب اور اس کی رضا حاصل ہو کیونکہ تمام عذاب خدا تعالیٰ کی دُوری اور غضب میں ہے پس جس وقت انسان سچی توبہ اور سچے طریق کے اختیار کرنے سے اور سچی تابعداری حاصل کرنے سے اور سچی توحید کے قبول کرنے سے خدا تعالیٰ سے نزدیک ہو جاتا ہے اور اس کو راضی کر لیتا ہے تو تب وہ عذاب اُس سے دور کیا جاتا ہے لیکن یہ سوال کہ کیونکر انسان جھوٹے عقیدوں اور باطل خیالات میں مبتلا ہو جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ انسان اس وقت غلط خیالات اور بدعقاید میں پھنس جاتا ہے جبکہ خدا تعالیٰ کی سچی وحی کی پیروی نہیں کرتا بلکہ اپنے خود تراشیدہ خیالات یا اپنے جیسے کسی دوسرے انسان کے خیالات کا پیرو بن جاتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انسان غلطی سے بچ نہیں سکتا اور اس کی فطرت پر سہو و نسیان غالب ہے پھر ایسی راہ میں جو نہایت باریک اور ساتھ اس کے نفسانی جذبات بھی لگے ہوئے ہیں کیونکر بچ سکتا ہے لہٰذا تمام سچے طالبوں اور حقیقی راست بازوں نے اس بات کی تصدیق پر اپنے سر جھکا دیئے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی رضامندی کی راہوں کو دریافت کرنے کے لئے اسی کی وحی اور الہام کی ضرورت ہے حق کے طالب کے لئے سب سے پہلے ضروری یہی مسئلہ ہے کہ کسی طرح خدا تعالیٰ کی ہستی اور وجود پر یقین کامل پیدا ہو جائے لیکن جو ذات بالکل پوشیدہ اور غیب الغیب اور وراء الوراء ہے انسان محض اپنی کوششوں اور اپنے ہی خود ساختہ گیان اور معرفت سے اس پر یقین کامل نہیں ہو سکتا بلکہ یکطرفہ کوششوں کا آخری نتیجہ شک اور وہم اور ہستی باری کا انکار ہے۔ کیونکہ جو شخص دس یا بیس برس یا مثلاً پچاس برس تک خدا تعالیٰ کی طلب میں لگا رہے

اور زمین و آسمان کی عجائب قدرت دیکھ کر اس بات کی ضرورت کو تسلیم کرے کہ اس احسن ترتیب اور ابلغ ترکیب اور پُر حکمت اشیاء کا ضرور کوئی خالق ہوگا تو بالطبع اُس کو اس بات کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی اس کو کوئی نشان ملے صرف خود ساختہ خیالات ہی پر مدار نہ رہے لیکن جب ایک زمانہ دراز تک اُس خالق کی طلب میں رہ کر پھر بھی اُس طرف سے کوئی آواز نہ آوے اور کوئی نشان پیدا نہ ہو تو وہ یقین جو اُس نے محض اپنی عقل کی تراش خراش سے پیدا کیا تھا آخر وہ بھی ایک بوسیدہ عمارت کی طرح گر جائے گا اور اس کا پچھلا حال پہلے حال سے بدتر ہوگا کیونکہ یہ انسان میں ایک فطرتی خاصیت ہے کہ اگر اپنے وجود کے تمام زور اور تمام قوت سے ایک چیز کو ڈھونڈے اور طلب کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے اور پھر بھی وہ چیز میسر نہ آوے تو اس چیز کے وجود کی نسبت اس کا اعتقاد قایم نہیں رہتا بالخصوص اگر کسی ایسے شخص کو ڈھونڈتا ہو جس کی نسبت اس کا یہ اعتقاد بھی ہو کہ وہ میری اس کوشش اور اضطراب سے واقف ہے اور میری اس بیقراری پر مطلع ہے تو پھر اگر اس کی طرف سے کوئی پیغام نہ پہنچے تو بلا شبہ انکار اور نومیدی کا موجب ہوگا

پس اس تحقیق کی رو سے یہ بات ثابت شدہ امر ہے کہ خدا

تعالیٰ پر سچا یقین بغیر ذریعہ وحی اور الہام کے ہرگز

حاصل نہیں ہو سکتا ۔ اور اب ہم ہر یک مذہب

کا معیار بیان کرتے ہیں اور تینوں مذہبوں

آریہ ۔ عیسائی ۔ اسلام

کو بالمقابل لکھ کر کھرے کھوٹے

کی تمیز ناظرین پر ہی

چھوڑتے ہیں ؎

فطرتی معیار سے مذاہب کا مقابلہ

اور گورنمنٹ انگریزی کے احسان کا کچھ تذکرہ

میرے خیال میں مذاہب کے پرکھنے اور جانچنے اور کھرے کھوٹے میں تمیز کرنے کے لئے اس سے بہتر کسی ملک کے باشندوں کو موقعہ ملنا ممکن نہیں جو ہمارے ملک پنجاب اور ہندوستان کو ملا ہے اس موقع کے حصول کے لئے پہلا فضل خدا تعالےٰ کا گورنمنٹ برطانیہ کا ہمارے اس ملک پر تسلط ہے۔ ہم نہایت ہی ناسپاس اور منکر نعمت ٹھہریں گے اگر ہم سچے دل سے اس محسن گورنمنٹ کا شکر نہ کریں جس کے بابرکت وجود سے ہمیں دعوت اور تبلیغ اسلام کا وہ موقع ملا جو ہم سے پہلے کسی بادشاہ کو بھی نہیں مل سکا کیونکہ اس علم دوست گورنمنٹ نے اظہار رائے میں وہ آزادی دی ہے جس کی نظیر اگر کسی اور موجودہ عملداری میں تلاش کرنا چاہیں تو لاحاصل ہے کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ہم لنڈن کے بازاروں میں دین اسلام کی تائید کیلئے وہ وعظ کر سکتے ہیں جس کا خاص مکہ معظمہ میں میسر آنا ہمارے لئے غیر ممکن ہے اور اس گورنمنٹ نے نہ صرف اشاعت کتب اور اشاعت مذہب میں ہر یک قوم کو آزادی دی بلکہ خود بھی ہر یک فرقہ کو بذریعہ اشاعت علوم و فنون کے مددی اور تعلیم اور تربیت سے ایک دنیا کی آنکھیں کھول دیں۔ پس اگرچہ اس محسن گورنمنٹ کا یہ احسان بھی کچھ تھوڑا نہیں کہ وہ ہمارے مال اور آبرو اور خون کی جہاں تک طاقت ہے سچے دل سے محافظت کر رہی ہے اور ہمیں اس آزادی سے فایدہ پہنچا رہی ہے جس کے لئے ہم سے پہلے بہتیرے نوع انسان کے سچے ہمدرد ترستے گذر گئے لیکن یہ دوسرا احسان گورنمنٹ کا اس سے بھی بڑھ کر ہے کہ وہ جنگلی وحشیوں اور نام کے انسانوں کو انواع و اقسام کی تعلیم کے ذریعہ سے اہل علم و عقل بنانا چاہتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس گورنمنٹ کی متواتر کوششوں

سے وہ لوگ جو قریب قریب مویشی اور چارپایوں کے تھے کچھ کچھ حصہ انسانیت اور فہم و فراست کا
لے چکے ہیں اور اکثر دلوں اور دماغوں میں ایک ایسی روشنی پیدا ہو گئی ہے جو علوم کے حصول کے
بعد پیدا ہوا کرتی ہے معلومات کی وسعت نے گویا ایک دفعہ دنیا کو بدل دیا ہے لیکن جس طرح
شیشے میں سے روشنی تو اندر گھر کے آسکتی ہے مگر پانی نہیں آسکتا اسی طرح علمی روشنی تو دلوں اور
دماغوں میں آگئی ہے مگر ہنوز وہ مصفا پانی اخلاص اور روبحق ہونے کا اندر نہیں آیا جس سے روح کا پودہ
نشوونما پاتا اور اچھا پھل لاتا لیکن یہ گورنمنٹ کا قصور نہیں ہے بلکہ ابھی ایسے اسباب مفقود
یا قلیل الوجود ہیں جو سچی **روحانیت** کو جوش میں لاویں۔ یہ عجیب بات ہے کہ علمی ترقی سے
مکر اور فریب کی بھی کچھ ترقی معلوم ہوتی ہے اور اہل حق کو ناقابل برداشت وساوس کا سامنا ہے
ایمانی سادگی بہت گھٹ گئی ہے اور فلسفیانہ خیالات نے جن کے ساتھ دینی معلومات ہمقدم نہیں
ہیں ایک زہریلا اثر نو تعلیمیافتہ لوگوں پر ڈال رکھا ہے جو دہریت کی طرف کھینچ رہا ہے۔
اور واقعی نہایت مشکل ہے کہ اس اثر سے بغیر حمایت دینی تعلیم کے لوگ بچ سکیں پس وائے
برحال اس شخص کے جو ایسے مدرسوں اور کالجوں میں اس حالت میں چھوڑا گیا ہے جبکہ اس کو **دینی
معارف** اور حقایق سے کچھ بھی خبر نہیں۔ ہاں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس عالی ہمت گورنمنٹ
نے جو نوع انسان کی ہمدرد ہے۔ اس ملک کے دلوں کی زمین کو جو ایک بنجر پڑا ہوا تھا
اپنے ہاتھ کی کوششوں سے جنگلی درختوں اور جھاڑیوں اور مختلف اقسام کے گھاس سے جو بہت
اونچے اور فراہم ہو کر زمین کو ڈھک رہے تھے پاک کر دیا ہے اور اب قدرتی طور پر وہ وقت آ
گیا ہے جو سچائی کا بیج اس زمین میں بویا جائے اور پھر آسمانی **پانی** سے آبپاشی ہو پس وہ
لوگ بڑے ہی خوش نصیب ہیں جو **اس مبارک گورنمنٹ** کے ذریعہ سے آسمانی بارش کے
قریب پہنچ گئے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس گورنمنٹ کے وجود کو خدا تعالیٰ کا فضل سمجھیں۔
اور اس کی سچی اطاعت کے لئے ایسی کوشش کریں کہ دوسروں کے لئے نمونہ ہو جائیں کیا احسان
کا عوض احسان نہیں۔ کیا نیکی کے بدلہ نیکی کرنا لازم نہیں۔ سو چاہیئے کہ ہر یک شخص سوچ لے۔

اور اپنا نیک جوہر دکھلاوے۔ اسلامی شریعت کسی کے حق اور احسان کو ضایع کرنا نہیں چاہتی۔ پس نہ منافقانہ طور پر بلکہ دل کی سچائی سے اس محسن گورنمنٹ سے اطاعت کیساتھ پیش آنا چاہیئے۔ کیونکہ ہمارے دین کی روشنی پھیلانے کے لئے پہلی تقریب خدا تعالیٰ نے یہی قایم کی ہے۔

پھر دوسرا ذریعہ جو مذاہب کے شناخت کرنے کا ہمارے ملک میں پیدا ہو گیا چھاپے خانوں کی کثرت ہے کیونکہ ایسی کتابیں جو گویا زمین میں دفن تھیں ان چھاپہ خانوں کے ذریعہ سے گویا پھر زندہ ہو گئیں یہانتک کہ ہندوؤں کا وید بھی نئے اوراق کا لباس پہن کر نکل آیا۔ گویا نیا جنم لیا۔ اور جمعتار اور عوام کی بنائی ہوئی کہانیوں کی پردہ دری ہو گئی۔

تیسرا ذریعہ راہوں کا کھلنا اور ڈاک کا احسن انتظام اور دور دور ملکوں سے کتابوں کا اس ملک میں آجانا اور اس ملک سے اُن ملکوں میں جانا یہ سب وسایل تحقیق حق کے ہیں۔ جو خدا کے فضل نے ہمارے ملک میں موجود کر دیئے۔ جن سے ہم پوری آزادی کے ذریعہ سے فایدہ اُٹھا رہے ہیں۔ یہ سب فوایداس محسن اور نیک نیت گورنمنٹ کے ذریعہ سے ہمیں ملے ہیں۔ جس کے لئے بے اختیار ہمارے دل سے دعا نکلتی ہے لیکن اگر یہ سوال ہو کہ پھر ایسی مہذب اور دانا گورنمنٹ ایسے مذہب سے کیوں تعلق رکھتی ہے جس میں انسان کو خدا بنا کر سچے خدا کے بدیہی اور قدیم اور غیر متغیر جلال کی کسرشان کی جاتی ہے۔ تو افسوس کہ اس سوال کا جواب بجز اس کے کچھ نہیں کہ سلاطین اور ملوک کو جو ملک داری کا خیال واجبی حد سے بڑھ جاتا ہے۔ لہٰذا تدبر اور تفکر کی تمام قوتیں اسی میں خرچ ہو جاتی ہیں اور قومی حمایت کی مصلحت آخرت کے امور کی طرف سر اُٹھانے نہیں دیتی۔ اور اسی طرح ایک مسلسل اور غیر منقطع دنیوی مطالب کے نیچے دبکر خدا شناسی اور حق جوئی کی رُوح کم ہو جاتی ہے اور بایں ہمہ خدا تعالیٰ کے فضل سے نومیدی نہیں کہ وہ اس باہمت گورنمنٹ کو صراط مستقیم کی طرف توجہ دلاوے۔ ہماری دعا جیسا کہ اس گورنمنٹ کی دُنیوی بھلائی کے لئے ہے ایسا ہی آخرت کیلئے بھی ہے پس کیا تعجب ہے کہ دُعا کا اثر ہم دیکھ لیں

اس زمانہ میں جبکہ حق اور باطل کے معلوم کرنے کے لئے بہت سے وسایل پیدا ہو گئے ہیں۔ ہمارے ملک میں تین بڑے مذہب بالمقابل کھڑے ہو کر ایکدوسرے سے ٹکرا رہے ہیں۔ ان مذاہب ثلثہ میں سے ہر یک صاحب مذہب کو دعویٰ ہے کہ میرا ہی مذہب حق اور درست ہے اور تعجب کہ کسی کی زبان بھی اس بات کے انکار کی طرف مایل نہیں ہوتی کہ اُس کا مذہب سچائی کے اصولوں پر مبنی نہیں۔ لیکن میں اس امر کو باور نہیں کر سکتا کہ جیسا کہ ہمارے مخالفوں کی زبانوں کا دعویٰ ہے ایسا ہی ایک سیکنڈ کے لئے اُن کے دل بھی اُن کی زبانوں سے اتفاق کر سکتے ہیں۔ سچے مذہب کی یہ ایک بڑی نشانی ہے کہ قبل اس کے جو ہم اس کی **سچائی** کے دلایل بیان کریں خود وہ اپنی **ذات** میں ہی ایسا روشن اور درخشاں ہوتا ہے کہ اگر دوسرے مذاہب اس کے مقابل پر رکھے جائیں تو وہ سب **تاریکی** میں پڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اس دلیل کو اُس وقت ایک دانشمند انسان صفائی سے سمجھ سکتا ہے جبکہ ہر یک مذہب کو اس کے دلایل مخترعہ سے علیحدہ کر کے صرف اس کے اصل الاصول پر نظر کرے۔ یعنی ان مذاہب کے طریق خداشناسی کو فقط ایک دوسرے کے مقابل پر رکھ کر جانچے۔ اور کسی مذہب کے عقیدہ خداشناسی پر **بیرونی دلایل** کا حاشیہ نہ چڑھاوے بلکہ مجرد عن الدلایل کر کے اور ایک مذہب کو دوسرے مذہب کے مقابل پر رکھ کر پرکھے اور سوچے کہ کس مذہب میں ذاتی سچائی کی چمک پائی جاتی ہے اور کس میں یہ **خاصیت** ہے کہ فقط اس کے طریق خداشناسی پر ہی نظر ڈالنا **دلوں** کو اپنی طرف کھینچتا ہے مثلاً وہ **تین مذہب** جن کا میں ابھی ذکر کر چکا ہوں یہ ہیں **آریہ۔ عیسائی۔ اسلام** اگر ہم ان تینوں کی اصل تصویر دکھلانا چاہیں۔ تو بتفصیل ذیل ہے۔

آریہ مذہب کا ایک ایسا خدا ہے جس کی خدائی اپنی ذاتی قوت اور قدرت پر چلنا غیر ممکن ہے اور اس کی تمام امیدیں ایسے وجودوں پر لگی ہوئی ہیں جو اُس کے ہاتھ سے پیدا نہیں ہوئے **حقیقی خدا** کی قدرتوں کا انتہا معلوم کرنا انسان کا کام نہیں۔ مگر آریوں کے **پرمیشر** کی قدرت

انگلیوں پر گن سکتے ہیں۔ وہ ایک ایسا کم سرمایہ پرمیشر ہے کہ اس کی تمام قدرتوں کی حد معلوم ہو چکی ہے اور اگر اُس کی قدرتوں کی بہت ہی تعریف کی جائے تو اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اپنے جیسی قدیم چیزوں کو معماروں کی طرح جوڑنا جانتا ہے اور اگر یہ سوال ہو کہ اپنے گھر سے کونسی چیز ڈالتا ہے تو نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کچھ نہیں۔ غرض اس کی طاقت کا انتہائی مرتبہ صرف اس حد تک ہے کہ موجودہ روحوں اور اجسام صغار کو جو قدیم اور اس کے وجود کی طرح انادی اور واجب الوجود ہیں جن کی پیدایش پر اس کے وجود کا کچھ بھی اثر نہیں باہم پیوند کر دیتا ہے لیکن اس بات پر دلیل قایم ہونا مشکل ہے کہ کیوں ان قدیم چیزوں کو ایسے پرمیشر کی حاجت ہے جبکہ کل چیزیں خود بخود ہیں اُن کے تمام قویٰ بھی خود بخود ہیں۔ اور ان میں باہم ملنے کی استعداد بھی خود بخود ہے اور اُن میں قوت جذب اور کشش بھی قدیم سے ہے اور اُن کے تمام خواص جو ترکیب کے بعد بھی ظاہر ہوتے ہیں خود بخود ہیں تو پھر سمجھ نہیں آتا کہ کس دلیل سے اس ناقص اور ناطاقت پرمیشر کی ضرورت ثابت ہوتی ہے اور اس میں اور اس کے غیر میں مابہ الامتیاز بجز زیادہ ہوشیار اور ذہین ہونے کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ آریوں کا پرمیشر ان بےانتہا قدرتوں سے ناکام ہے جو الوہیت کے کمال کے متعلق ہیں اور یہ اس فرضی پرمیشر کی بد قسمتی ہے کہ اس کو وہ کمال تام میسر نہ ہو سکا جو اُلوہیت کا پورا جلال چمکنے کے لئے ضروری ہے اور دوسری بد نصیبی یہ ہے کہ بجز چند ورق وید کے قانون قدرت کی رُو سے اُس کے شناخت کرنے کی کوئی بھی راہ نہیں کیونکہ اگر یہی بات صحیح ہے کہ ارواح اور ذرات اجسام معہ اپنی تمام قوتوں اور کششوں اور خاصیتوں اور عقلوں اور ادراکوں اور شعوروں کے خود بخود ہیں تو پھر ایک عقل سلیم ان چیزوں کے جوڑنے کے لئے کسی دوسرے شخص کی ضرورت نہیں سمجھتی وجہ یہ کہ اس صورت میں اس سوال کا جواب دینا امکان سے خارج ہے کہ جو چیزیں اپنے وجود کی قدیم سے آپ ہی خدا ہیں اور اپنے اندر وہ تمام قوتیں بھی رکھتی ہیں جو اُن کے باہم جوڑنے کے لئے ضروری ہیں تو پھر جس حالت میں اُن کو اپنے وجود کے لئے پرمیشر کی حاجت نہیں ہوئی اور اپنے

قوتوں اور خاصیتوں میں کسی بنانے والے کی محتاج نہیں ٹھہریں تو پھر کیا وجہ ہے کہ اُن کو باہم تعلق کے لئے کسی دوسرے جوڑنے والے کی حاجت پڑ گئی حالانکہ روحوں کے ساتھ اُن کے قویٰ کا جوڑنا اور ذرات اجسام کے ساتھ اُن کی قوتوں کا جوڑنا یہ بھی ایک جوڑنے کی قسم ہے پس اس سے تو یہ ثابت ہے کہ ان قدیم چیزوں کو جیسا کہ اپنے وجود کے لئے کسی خالق کی ضرورت نہیں اور اپنی قوتوں کے لئے کسی موجد کی حاجت نہیں ایسا ہی باہم جوڑ پیدا ہونے کے لئے کسی صانع کی حاجت نہیں اور یہ نہایت بیوقوفی ہوگی کہ جب اول خود اپنی ہی زبان سے ان چیزوں کی نسبت مان لیں کہ وہ اپنے وجود اور اپنی قوتوں اور اپنے باہم جوڑ کے لئے دوسرے کے محتاج نہیں تو پھر اسی مُنہ سے یہ بھی کہیں کہ بعض چیزوں کے جوڑنے کے لئے ضرور کسی دوسرے کی حاجت ہے پس یہ تو ایک دعوے ہوگا جس کے ساتھ کوئی دلیل نہیں۔ غرض اس عقیدہ کی رُو سے پرمیشر کا وجود ہی ثابت کرنا مشکل ہوگا سو اس انسان سے زیادہ کوئی بدقسمت نہیں جو ایسے پرمیشر پر بھروسہ رکھتا ہے جس کو اپنا وجود ثابت کرنے کے لئے بھی باعث کمی قدرت کے کوئی عُمدہ اسباب میسر نہیں آسکے۔ یہ تو ہندوؤں کے پرمیشر میں خدائی کی طاقتیں ہیں اور اخلاقی طاقتوں کا یہ حال ہے کہ وہ انسانوں کی طاقتوں سے بھی کچھ گری ہوئی معلوم ہوتی ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک نیک دل انسان بارہا ایسے قصورواروں کے قصور بخش دیتا ہے جو عجز اور نیاز کے ساتھ اس سے معافی چاہتے ہیں اور بارہا اپنے کرم نفس کی خاصیت سے ایسے لوگوں پر احسان کرتا ہے جن کا کچھ بھی حق نہیں ہوتا۔ لیکن آریہ لوگ اپنے پرمیشر کی نسبت یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ان دونوں قسموں کے خلقوں سے بھی بےنصیب ہے اور اُن کے نزدیک ہر یک گناہ کروڑہا جونوں کا موجب ہے اور جبتک کوئی گنہگار بے انتہا جونوں میں پڑ کر پوری سزا نہ پالے تب تک کوئی صورت مخلصی نہیں اور اُن کے عقیدہ کی رُو سے یہ امید بالکل بیہودہ ہے کہ انسان کی توبہ اور پشیمانی اور استغفار اس کے دوسرے جنم میں پڑنے سے روک دیگی یا حق کی طرف رجوع کرنا گذشتہ ناحق کے اقوال و اعمال کی سزا سے اُسے

بچالے گا بلکہ بیشمار جونوں کا بھگتنا ضروری ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا اور کرم اور جود کے طور پر کچھ بخشش کرنا تو پرمیشر کی **عادت** ہی نہیں۔ جو کچھ انسان یا حیوان کوئی عمدہ حالت رکھتا ہے یا کوئی نعمت پاتا ہے وہ کسی پہلی جون کا **پھل** ہے مگر افسوس کہ باوجودیکہ آریوں کو وید کے اُصولوں پر بہت ہی ناز ہے۔ مگر پھر بھی یہ ویدکی **باطل تعلیم** اُن کی انسانی **کانشنس** کو مغلوب نہیں کرسکی اور مجھے اُن ملاقاتوں کی وجہ سے جو اکثر اس فرقہ کے بعض لوگوں سے ہوتی ہیں یہ بات بارہا تجربہ میں آچکی ہے کہ جس طرح نیوگ کے ذکر کے وقت ایک **ندامت** آریوں کو دامنگیر ہوجاتی ہے اسی طرح وہ نہایت ہی ندامت زدہ ہوتے ہیں جب کہ اُن سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ پرمیشر کی قدرتی اور اخلاقی طاقتیں کیوں ایسی محدود ہوگئیں جن کی شامت سے اس کی خدائی بھی عند العقل ثابت نہیں ہوسکتی اور جس کی وجہ سے بدنصیب آریہ **دائمی نجات** پانے سے محروم رہے۔ غرض ہندوؤں کے پرمیشر کی **حقیقت** اور ماہیت یہی ہے کہ وہ اخلاقی اور **اُلوہیّت** کی طاقتوں میں نہایت کمزور اور قابلِ رحم ہے اور شاید یہی سبب ہے کہ ویدوں میں پرمیشر کی پرستش چھوڑ کر اگنی اور وایو اور چاند اور سورج اور پانی کی پرستش پر زور ڈالا گیا ہے اور ہر یک عطا اور بخشش کا سوال اُن سے کیا گیا ہے کیونکہ جبکہ پرمیشر آریوں کو کسی منزل تک نہیں پہنچا سکتا بلکہ خود پوری قدرتوں سے محروم رہ کر نامرادی کی حالت میں زندگی بسر کرتا ہے تو پھر دوسرے کا اُس پر بھروسہ کرنا صریح غلطی ہے۔ ہندوؤں کے پرمیشر کی **کامل تصویر** آنکھوں کے سامنے لانے کے لئے اسی قدر کافی ہے جو ہم لکھ چکے۔

اب دوسرا مذہب یعنی **عیسائی** باقی ہے جس کے حامی نہایت زور و شور سے اپنے خدا کو جس کا نام اُنہوں نے **یسوع مسیح** رکھا ہوا ہے بڑے مبالغہ سے **سچا خدا** سمجھتے ہیں۔ اور عیسائیوں کے خدا کا حلیہ یہ ہے کہ وہ ایک آدمی مریم بنت یعقوب کا بیٹا ہے۔ جو ۳۲ برس کی عمر پاکر اس دار الفنا سے گذر گیا۔ جب ہم سوچتے ہیں کہ کیونکر وہ گرفتار ہونے کے وقت ساری رات دعا کرکے پھر بھی اپنے **مطلب** سے **نامراد** رہا اور ذلت کے ساتھ پکڑا گیا۔

اور بقول عیسائیوں کے سُولی پر کھینچا گیا اور ایلی ایلی کرتا مر گیا تو ہمیں یکدفعہ بدن پر لرزہ پڑتا ہے۔ کہ کیا ایسے انسان کو جس کی دُعا بھی جناب الٰہی میں قبول نہ ہو سکی اور نہایت ناکامی اور نامرادی سے ماریں کھاتا کھاتا مر گیا قادر خدا کہہ سکتے ہیں۔ ذرا اُس وقت کے نظارہ کو آنکھوں کے سامنے لاؤ جبکہ یسوع مسیح حوالات میں ہو کر پلاطوس کی عدالت سے ہیرودیس کی طرف بھیجا گیا۔ کیا یہ خدائی کی شان ہے کہ حوالات میں ہو کر ہتھکڑی ہاتھ میں زنجیر پیروں میں چند سپاہیوں کی حراست میں چالان ہو کر جھڑکیاں کھاتا ہوا گلیل کی طرف روانہ ہوا۔ اور اس حالت پر ملالت میں ایک حوالات سے دوسری حوالات میں پہنچا۔ پلاطوس نے کرامت دیکھنے پر چھوڑنا چاہا اُس وقت کوئی کرامت دکھلا نہ سکا۔ ناچار پھر حراست میں واپس کر کے یہودیوں کے حوالہ کیا گیا اور اُنہوں نے ایک دم میں اس کی جان کا قصہ تمام کر دیا۔

اب ناظرین خود سوچ لیں کہ کیا اصلی اور حقیقی خدا کی یہی علامتیں ہوا کرتی ہیں کیا کوئی پاک کانشنس اس بات کو قبول کر سکتا ہے کہ وہ جو زمین و آسمان کا خالق اور بے انتہا قدرتوں اور طاقتوں کا مالک ہے وہ اخیر پر ایسا بدنصیب اور کمزور اور ذلیل حالت میں ہو جائے کہ شریر انسان اُس کو اپنے ہاتھوں میں مَل ڈالیں۔ اگر کوئی ایسے خدا کو پوجے۔ اور اس پر بھروسہ کرے تو اُسے اختیار ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ اگر آریوں کے پرمیشر کے مقابل پر بھی عیسائیوں کے خدا کو کھڑا کر کے اس کی طاقت اور قدرت کو وزن کیا جائے۔ تب بھی اس کے مقابل پر بھی یہ ہیچ محض ہے کیونکہ آریوں کا فرضی پرمیشر اگرچہ پیدا کرنے کی کچھ بھی طاقت نہیں رکھتا لیکن کہتے ہیں کہ پیدا شدہ چیزوں کو کسی قدر جوڑ سکتا ہے مگر عیسائیوں کے یسوع میں تو اتنی بھی طاقت ثابت نہ ہوئی جس وقت یہودیوں نے صلیب پر کھینچ کر کہا تھا۔ کہ اگر تو اب اپنے آپ کو بچائے تو ہم تیرے پر ایمان لاویں گے تو وہ اُن کے سامنے اپنے تئیں بچا نہ سکا ورنہ اپنے تئیں بچانا کیا کچھ بڑا کام تھا۔ صرف اپنے روح کو اپنے جسم کے ساتھ جوڑنا تھا۔ سو اس کمزور کو جوڑنے کی بھی طاقت نہ ہوئی۔ پیچھے سے پردہ داروں

نے باتیں بنالیں کہ وہ قبر میں زندہ ہو گیا تھا مگر افسوس کہ انہوں نے نہ سوچا کہ یہودیوں کا تو یہ سوال تھا
کہ ہمارے روبرو ہمیں زندہ ہو کر دکھلاوے۔ پھر جبکہ اُن کے روبرو زندہ نہ ہو سکا اور
نہ قبر میں زندہ ہو کر اُن سے آکر ملاقات کی تو یہودیوں کے نزدیک بلکہ ہر یک محقق کے نزدیک
اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ حقیقت میں زندہ ہو گیا تھا اور جبتک ثبوت نہ ہو۔ تب تک
اگر فرض بھی کرلیں کہ قبر میں لاش گم ہو گئی تو اس سے زندہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ عند العقل
یقینی طور پر یہی ثابت ہو گا کہ درپردہ کوئی کرامات دکھلانے والا چورا کر لے گیا ہو گا۔ دنیا
میں بہتیرے ایسے گذرے ہیں کہ جن کی قوم یا معتقدوں کا بھی اعتقاد تھا کہ اُن کی نعش گم ہو
کر وہ معہ جسم بہشت میں پہنچ گئی ہے تو کیا عیسائی قبول کرلیں گے کہ فی الحقیقت ایسا ہی
ہوا ہو گا مثلاً دُور نہ جاؤ بابا نانک صاحب کے واقعات پر ہی نظر ڈالو کہ بالا کہ سکھ صاحبوں
کا اسی پر اتفاق ہے کہ درحقیقت وہ مرنے کے بعد معہ اپنے جسم کے بہشت میں پہنچ گئے اور نہ
صرف اتفاق بلکہ ان کی معتبر کتابوں میں جو اسی زمانہ میں تالیف ہوئیں یہی لکھا ہوا ہے۔ اب کیا عیسائی
صاحبان قبول کر سکتے ہیں کہ حقیقت میں بابا نانک صاحب معہ جسم بہشت میں ہی چلے گئے ہیں افسوس کہ
عیسائیوں کو دوسروں کے لئے تو فلسفہ یاد آجاتا ہے مگر اپنے گھر کی نامعقول باتوں سے فلسفہ کو چھونے
بھی نہیں دیتے اگر عیسائی صاحبان کچھ انصاف سے کام لینا چاہیں تو جلد سمجھ سکتے ہیں کہ سکھ صاحبوں
کے دلایل بابا نانک صاحب کی نعش گم ہونے اور معہ جسم بہشت میں جانے کے بارے میں
عیسائیوں کے مزخرفات کی نسبت بہت ہی قوی اور قابل توجہ ہیں اور بلاشبہ انجیل
کی وجوہ سے زبردست ہیں کیونکہ اول تو وہ واقعات اسی وقت بالا والی جنم ساکھی میں لکھے
گئے مگر انجیلیں یسوع کے زمانہ سے بہت برس بعد لکھی گئیں۔ پھر ایک اور ترجیح بابا نانک
صاحب کے واقعہ کو یہ ہے کہ یسوع کی طرف جو یہ کرامت منسوب کی گئی ہے تو یہ درحقیقت
اس ندامت کی پردہ پوشی کی غرض سے معلوم ہوتی ہے جو یہودیوں کے سامنے حواریوں کو اُٹھانی
پڑی کیونکہ جب یہودیوں نے یسوع کو صلیب پر کھینچ کر پھر اس سے یہ معجزہ چاہا کہ اگر وہ اب زندہ

ہو کر صلیب پر سے اُتر آئے تو ہم اُس پر ایمان لائیں گے تو اس وقت یسوع صلیب پر سے اُتر نہ سکا
پس اس وجہ سے یسوع کے شاگردوں کو بہت ہی ندامت ہوئی اور وہ یہودیوں کے سامنے
مونہہ دکھانے کے قابل نہ رہے لہذا ضرور تھا کہ وہ ندامت کے چھپانے کے لئے کوئی ایسا حیلہ
کرتے جس سے سادہ لوحوں کی نظر میں اُس طعن اور ٹھٹھے اور ہنسی سے بچ جاتے سو اس بات کو عقل
قبول کرتی ہے کہ انہوں نے فقط ندامت کا کلنک اپنے مونہہ پر سے اُتارنے کی غرض سے ضرور
یہ حیلہ بازی کی ہوگی کہ رات کے وقت جیسا کہ اُن پر الزام لگا تھا یسوع کی نعش کو اس کی قبر میں سے
نکال کر کسی دوسری قبر میں رکھ دیا ہوگا اور پھر حسب مثل مشہور کہ خواجہ کا گواہ ڈڈو کہہ دیا ہوگا۔ کہ لو
جیسا کہ تم درخواست کرتے تھے یسوع زندہ ہوگیا مگر وہ آسمان پر چلا گیا ہے لیکن یہ مشکلیں بابا نانک
صاحب کے فوت ہونے پر سکھ صاحبوں کو پیش نہیں آئیں اور نہ کسی دشمن نے اُن پر یہ الزام لگایا اور
نہ ایسے فریبوں کیلئے ان کو کوئی ضرورت پیش آئی اور نہ جیسا کہ یہودیوں نے شور مچایا تھا کہ نعش
چرائی گئی ہے کسی نے شور مچایا سو اگر عیسائی صاحبان بجائے یسوع کے بابا نانک صاحب کی
نسبت یہ عقیدہ رکھتے تو کسی قدر معقول بھی تھا مگر یسوع کی نسبت تو ایسا خیال صریح بناوٹ اور
جعلسازی کی بدبو سے بھرا ہوا ہے۔

اخیر عذر یسوع کے دُکھ اُٹھانے اور مصلوب ہونے کا یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ خدا
ہو کر پھر اس لئے سولی پر کھینچا گیا کہ تا اس کی موت گناہگاروں کے لئے کفارہ ٹھہرے لیکن یہ بات
بھی عیسائیوں کی ہی ایجاد ہے کہ خدا بھی مرا کرتا ہے گو مرنے کے بعد پھر اُس کو زندہ کر کے عرش
پر پہنچا دیا اور اس باطل وہم میں آج تک گرفتار ہیں کہ پھر وہ عدالت کرنے کے لئے دنیا میں آئیگا اور جو
جسم مرنے کے بعد اس کو دوبارہ ملا وہی جسم خدائی کی حیثیت میں ہمیشہ اُس کے ساتھ رہیگا مگر عیسائیوں کا
یہ مجسم خدا جس پر بقول اُن کے ایک مرتبہ موت بھی آچکی ہے اور خون گوشت ہڈی اور اوپر نیچے کے
سب اعضاء رکھتا ہے یہ ہندوؤں کے اُن اوتاروں سے مشابہ ہے جن کو آج کل آریہ لوگ بڑے
جوش سے چھوڑتے جاتے ہیں صرف فرق یہ ہے کہ عیسائیوں کے خدا نے تو صرف ایک مرتبہ

مریم بنت یعقوب کے پیٹ سے جنم لیا مگر ہندوؤں کے خدا بشن نے نو مرتبہ دُنیا کے گناہ دور کرنے کیلئے تولد کا داغ اپنے لئے قبول کر لیا خصوصاً آٹھویں مرتبہ کا جنم لینے کا قصہ نہایت دلچسپ بیان کیا جاتا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ جب زمین دیئتوں کی طاقت سے مغلوب ہو گئی۔ تو بشن نے آدھی رات کو کنواری لڑکی کے پیٹ سے پیدا ہو کر اوتار لیا۔ اور جو پاپ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے اُن سے لوگوں کو چھوڑایا۔ یہ قصہ اگرچہ عیسائیوں کے مذاق کے موافق ہے مگر اس بات میں ہندوؤں نے بہت عقلمندی کی کہ عیسائیوں کی طرح اپنے اوتاروں کو سولی نہیں دیا اور نہ اُن کے لعنتی ہونے کے قایل ہوئے قرآن شریف کے بعض اشارات سے نہایت صفائی کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو خدا بنانے کے موجد پہلے آریہ ورت کے برہمن ہی ہیں اور پھر یہی خیالات یونانیوں نے ہندوؤں سے لئے آخر اس مکروہ اعتقاد میں ان دونوں قوموں کے فضلہ خوار عیسائی بنے۔ اور ہندوؤں کو ایک اور بات دُور کی سوجھی جو عیسائیوں کو نہیں سوجھی اور وہ یہ کہ ہندو لوگ خدائے ازلی ابدی کے قدیم قانون میں یہ بات داخل رکھتے ہیں کہ جب کبھی دُنیا گناہ سے بھر گئی تو آخر اُن کے پرمیشر کو یہی تدبیر خیال میں آئی کہ خود دنیا میں جنم لے کر لوگوں کو نجات دیوے اور ایسا واقعہ صرف ایک دفعہ نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ ضرورت کے وقتوں میں ہوتا رہا۔ لیکن گو عیسائیوں کا یہ تو عقیدہ ہے کہ خدا تعالیٰ قدیم ہے اور گذشتہ زمانہ کی طرف خواہ کیسے ہی اوپر سے اوپر چڑھتے جائیں اس خدا کے وجود کا کہیں ابتدا نہیں اور قدیم سے وہ خالق اور رب العالمین بھی ہے۔ لیکن وہ اس بات کے قایل نہیں ہیں کہ وہ ہمیشہ سے اور غیر متناہی زمانوں سے اپنے پیارے بیٹوں کو لوگوں کے لئے سولی پر چڑھاتا رہا ہے بلکہ کہتے ہیں کہ یہ تدبیر ابھی اس کو کچھ تھوڑے عرصہ سے ہی سوجھی ہے اور ابھی بڈھے باپ کو یہ خیال آیا ہے کہ بیٹے کو سولی دلا کر دوسروں کو عذاب سے بچا دے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اس بات کے ماننے سے کہ خدا قدیم اور ابد الآباد سے چلا آتا ہے۔ یہ دوسری بات بھی ساتھ ہی ماننی پڑتی ہے کہ اس کی مخلوقات بھی بحیثیت قدامت نوعی ہمیشہ سے ہی چلی آئی ہے

ہو صفات قدیمہ کے تجلیات قدیمہ کی وجہ سے کبھی ایک عالم ممکن عدم میں مختفی ہوتا چلا آیا ہے اور کبھی دوسرا عالم بجائے اس کے ظاہر ہوتا رہا ہے اور اس کا شمار کوئی بھی نہیں کر سکتا کہ کس قدر عالموں کو خدا نے اس دُنیا سے اُٹھا کر دوسرے عالم بجائے اس کے قایم کئے چنانچہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ فرما کر کہ ہم نے آدم سے پہلے جان کو پیدا کیا تھا اسی قدامت نوع عالم کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لیکن عیسائیوں نے باوجود بدیہی ثبوت اس بات کے کہ قدامت نوع عالم ضروری ہے پھر اب تک کوئی ایسی فہرست پیش نہیں کی جس سے معلوم ہو کہ ان غیر محدود عالموں میں جو ایک دوسرے سے بالکل بے تعلق تھے کتنی مرتبہ خدا کا فرزند سولی پر کھینچا گیا۔ کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ بموجب اصول عیسائی مذہب کے کوئی شخص بجز خدا کے فرزند کے گناہ سے خالی نہیں پس اس صورت میں تو یہ سوال ضروری ہے کہ وہ مخلوق جو ہمارے اس آدم سے بھی پہلے گذر چکی ہے جن کا ان بنی آدم کے سلسلہ سے کچھ تعلق نہیں ان کے گناہ کی معافی کا کیا بندوبست ہوا تھا اور کیا یہی بیٹا اُن کو نجات دینے کے لئے پہلے بھی کئی مرتبہ پھانسی مل چکا ہے یا وہ کوئی دوسرا بیٹا تھا جو پہلے زمانوں میں پہلی مخلوق کے لئے سولی پر چڑھتا رہا۔ جہاں تک ہم خیال کرتے ہیں ہمیں تو یہ سمجھ آتا ہے کہ اگر صلیب کے بغیر گناہوں کی معافی نہیں تو عیسائیوں کے خدا کے بے انتہا اور اَن گنت بیٹے ہوں گے جو وقتاً فوقتاً ان معرکوں میں کام آئے ہونگے اور ہر یک اپنے وقت پر پھانسی ملا ہوگا پس ایسے خدا سے کسی بہبودی کی امید رکھنا لاحاصل ہے جس کے خود اپنے ہی نوجوان بچے مرتے رہے۔*

امرتسر کے مباحثہ میں بھی ہم نے یہ سوال کیا تھا کہ عیسائی یہ اقرار کرتے ہیں کہ اُن کا خدا کسی کو گناہ میں ہلاک کرنا نہیں چاہتا۔ پھر اس صورت میں ان پر یہ اعتراض ہے کہ اُس خدا نے اُن شیاطین کی پلید روحوں کی نجات کے لئے کیا بندوبست کیا جن پلید روحوں کا ذکر انجیل میں موجود ہے ** کیا کوئی ایسا بیٹا بھی دنیا میں آیا۔ جس نے شیاطین کے گناہوں کے

* نوٹ۔ اسلامی تعلیم سے ثابت ہے کہ شیاطین بھی ایمان لے آتے ہیں چنانچہ ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

** دیکھو صفحہ ۱۰۰

لئے اپنی جان دی ہو یا شیاطین کو گناہ سے باز رکھا ہو۔ اگر ایسا کوئی انتظام نہیں ہوا تو اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسائیوں کا خدا اس بات پر ہمیشہ راضی رہا ہے جو شیاطین کو جو عیسائیوں کے اقرار سے بنی آدم سے بھی زیادہ ہیں ہمیشہ کی جہنم میں جلاوے پھر جبکہ ایسے کسی بیٹے کا نشان نہیں دیا گیا تو اس صورت میں تو عیسائیوں کو اقرار کرنا پڑا کہ اُن کے خدا نے شیاطین کو جہنم کیلئے ہی پیدا کیا ہے۔ غرض بیچارے عیسائی جب سے ابن مریم کو خدا بنا بیٹھے ہیں بڑی بڑی مصیبتوں میں پڑے ہوئے ہیں کوئی ایسا دن نہیں ہوگا کہ خود اُنہیں کی رُوح ان کے اس اعتقاد کو نفرت سے نہیں دیکھتی ہوگی۔ پھر ایک اور مصیبت اُن کو یہ پیش آئی ہے کہ اس مصلوب کی علت غائی عند التحقیق کچھ ثابت نہیں ہوتی اور اس کے صلیب پر کھینچے جانے کا کوئی ثمرہ بپایہ ثبوت نہیں پہنچتا کیونکہ صورتیں صرف دو ہیں۔

(۱) **اوّل** یہ کہ اس مرحوم بیٹے کی مصلوب ہونے کی علت غائی یہ قرار دیں کہ تا اپنے ماننے والوں کو گناہ کرنے میں دلیر کرے اور اپنے کفارہ کے سہارے سے خوب زور شور سے فسق و فجور اور ہر یک قسم کی بدکاری پھیلاوے سو یہ صورت تو ببداہت نامعقول اور شیطانی طریق ہے اور میرے خیال میں دنیا میں کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا کہ اس فاسقانہ طریق کو پسند کرے اور ایسے کسی مذہب کے بانی کو نیک قرار دے جس نے اس طرح پر عام آدمیوں کو گناہ کرنے کی ترغیب دی ہو بلکہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس طرح کا فتویٰ وہی لوگ دیتے ہیں جو درحقیقت ایمان اور نیک چلنی سے محروم رہ کر اپنے اغراض نفسانی کیوجہ سے دوسروں کو بھی بدکاریوں کے جہنم میں ڈالنا چاہتے تھے اور یہ لوگ درحقیقت ان نجومیوں کے مشابہ ہیں جو ایک

بقیہ حاشیہ: فرمایا کہ میرا شیطان مسلمان ہو گیا ہے غرض ہر ایک انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے اور مطہر اور مقرب انسان کا شیطان ایمان لے آتا ہے مگر افسوس کہ یسوع کا شیطان ایمان نہیں لا سکا بلکہ اُلٹا اس کو گمراہ کرنے کی فکر میں ہوا۔ اور ایک پہاڑی پر لے گیا اور دنیا کی دولتیں دکھلائیں اور وعدہ کیا کہ سجدہ کرنے پر یہ تمام دولتیں دے دوں گا اور شیطان کا یہ مقولہ حقیقت میں ایک بڑی پیشگوئی تھی اور اس بات کی طرف اشارہ بھی تھا کہ جب عیسائی قوم اس کو سجدہ کریگی تو دنیا کی تمام دولتیں ان کو دی جاویں گی سو ایسا ہی ظہور میں آیا جن کے پیشوا نے خدا کہلا کر پھر شیطان کی پیروی کی یعنی اس کے پیچھے ہو لیا ان کا شیطان کو سجدہ کرنا کیا بعید تھا غرض عیسائیوں کی دولتیں درحقیقت اسی سجدہ کیوجہ سے ہیں جو انہوں نے شیطان کو کیا اور ظاہر ہے کہ شیطانی وعدہ کیموافق سجدہ کے بعد عیسائیوں کو دنیا کی دولتیں دی گئیں۔ منہ

شارع عام میں بیٹھ کر راہ چلتے لوگوں کو پھسلاتے اور فریب دیتے ہیں اور ایک ایک پیسہ لیکر بیچارے حمقاء کو بڑے تسلی بخش الفاظ میں خوشخبری دیتے ہیں کہ عنقریب ان کی ایسی ایسی نیک قسمت کھلنے والی ہے اور ایک سچے محقق کی صورت بنا کر اُن کے ہاتھ کے نقوش اور چہرہ کے خط وخال کو بہت توجہ سے دیکھتے بھالتے ہیں گویا وہ بعض نشانوں کا پتہ لگا رہے ہیں۔ اور پھر ایک نمایشی کتاب کے ورقوں کو جو صرف اسی فریب دہی کے لئے آگے دھری ہوتی ہے اُلٹ پلٹ کر یقین دلاتے ہیں کہ درحقیقت پوچھنے والے کا ایک بڑا ہی ستارہ قسمت چمکنے والا ہے غالباً کسی ملک کا بادشاہ ہو جائے گا ورنہ وزارت تو کہیں نہیں گئی اور یا یہ لوگ جو کسی کو باوجود اس کی دائمی ناپاکیوں کے خدا کا مورد فضل بنانا چاہتے ہیں ان کیمیاگروں کی مانند ہیں جو ایک سادہ لوح مگر دولتمند کو دیکھ کر طرح طرح کی لاف زنیوں سے شکار کرنا چاہتے ہیں اور ادھر ادھر کی باتیں کرتے کرتے پہلے آنیوالے کیمیاگروں کی مذمت کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ جھوٹے بدذات ناحق اچکوں کے طور پر لوگوں کا مال فریب سے کھسکا کر لے جاتے ہیں اور پھر آخر بات کو کشاں کشاں اس حد تک پہنچاتے ہیں کہ صاحبو میں نے اپنے پچاس یا ساٹھ برس کی عمر میں جس کو کیمیاگری کا مدعی دیکھا۔ جھوٹا ہی پایا۔ ہاں میرے گورو بیکنٹھ باشی سچے رسائنی تھے کروڑہا روپیہ کا دان کر گئے مجھے خوش نصیبی سے باراں برس تک اُن کی خدمت کا شرف حاصل ہوا اور پھل پایا۔ پھل پانے کا نام سن کر ایک جاہل بول اٹھتا ہے کہ باباجی تب تو آپ نے ضرور رسائن کا نسخہ گوروجی سے سیکھ لیا ہوگا۔ یہ بات سُن کر باباجی کچھ ناراض ہو کر تیوڑی چڑھا کر بولتے ہیں کہ میاں اس بات کا نام نہ لو۔ ہزاروں لوگ جمع ہو جائیں گے۔ ہم تو لوگوں سے چھپ کر بھاگتے پھرتے ہیں۔ غرض ان چند فقروں سے ہی جاہل دام میں آجاتے ہیں پھر تو شکار دام افتادہ کو ذبح کرنے کے لئے کوئی بھی دقت باقی نہیں رہتی خلوت میں راز کے طور پر سمجھاتے ہیں کہ درحقیقت تمہاری ہی خوش قسمتی ہمیں ہزاروں کوسوں سے کھینچ لائی ہے اور اس بات سے ہمیں خود بھی حیرانی ہے کہ کیونکر یہ سخت دل تمہارے لئے نرم ہو گیا اب جلدی کرو اور گھر سے یا مانگ کر دس ہزار کا طلائی زیور لے آؤ ایک ہی رات میں وہ چند ہو جائیگا مگر خبردار کسی کو

میری اطلاع نہ دینا کسی اور بہانہ سے مانگ لینا قصہ کوتاہ یہ کہ آخر زیور لے کر اپنی راہ لیتے ہیں۔ اور وہ دیوانے وہ چند کی خواہش کرنے والے اپنی جان کو روتے رہ جاتے ہیں۔ یہ اس طمع کی شامت ہوتی ہے جو قانون قدرت سے غفلت کر کے انتہا تک پہنچائی جاتی ہے مگر میں نے سُنا ہے۔ کہ ایسے ٹھگوں کو یہ ضرور ہی کہنا پڑتا ہے کہ جس قدر ہم سے پہلے آئے یا بعد میں آویں گے یقیناً سمجھو کہ وہ سب فریبی اور بٹ مار اور ناپاک اور جھوٹے اور اس نسخہ سے بیخبر ہیں۔ ایسا ہی عیسائیوں کی پٹری بھی جم نہیں سکتی جب تک کہ حضرت آدم سے لے کر اخیر تک تمام مقدس نبیوں کو پاپی اور بدکار نہ بنالیں۔*

(۲) دوسری صورت اس قابل رحم بیٹے کے مصلوب ہونے کی یہ ہے کہ اس کے سولی ملنے کی یہ علت غائی قرار دی جائے کہ اس کی سولی پر ایمان لانے والے ہر یک قسم کے گناہ اور بدکاریوں سے بچ جائیں گے اور اُن کے نفسانی جذبات ظہور میں نہ آنے پائیں گے مگر افسوس کہ جیسا کہ پہلی صورت خلاف تہذیب اور بدیہی البطلان ثابت ہوئی تھی ایسا ہی یہ صورت بھی کھُلے کھُلے طور پر باطل ہی ثابت ہوئی ہے کیونکہ اگر فرض کیا جائے کہ یسوع کا کفارہ ماننے میں ایک ایسی خاصیت ہے کہ اس پر سچا ایمان لانے والا فرشتہ سیرت بن جاتا ہے اور پھر بعد ازاں اس کے دل میں گناہ کا خیال ہی نہیں آتا تو تمام گذشتہ نبیوں کی نسبت کہنا پڑیگا کہ وہ یسوع کی سولی اور کفارہ پر سچا ایمان نہیں لائے تھے کیونکہ انہوں نے تو بقول عیسائیاں بدکاریوں میں حد ہی کر دی۔ کسی نے اُن میں سے بُت پرستی کی اور کسی نے ناحق کا خون کیا اور کسی نے اپنی بیٹیوں سے بدکاری کی۔ اور بالخصوص یسوع کے دادا صاحب داؤد نے تو سارے بُرے کام کئے ایک بیگناہ کو اپنی شہوت رانی کے لئے فریب سے قتل کرایا اور دلالہ عورتوں کو بھیج کر اس کی جورو کو منگوایا اور اُس کو شراب پلائی اور اس سے زنا کیا اور بہت سا مال حرامکاری میں ضائع کیا اور تمام عمر سَو تک بیوی رکھی۔ اور یہ حرکت بھی بقول عیسائیاں زنا میں داخل تھی اور عجیب تر یہ کہ روح القدس بھی ہر روز اُس پر نازل ہوتا تھا اور زبور بڑی سرگرمی سے اُتر رہی تھی مگر افسوس کہ نہ تو رُوح القدس نے اور

* نوٹ عیسائیوں کی عقل اور سمجھ پر افسوس ہے کہ اُنہوں نے اپنے یسوع کو خدا بنا کر اس کی ذات کو کچھ فائدہ نہیں پہنچایا بلکہ راستبازوں کے سامنے اس کو شرمندہ کیا بہتر تھا کہ اس کی رُوح کو ثواب پہنچانے کے لئے صدقہ دیتے اس کیلئے دعائیں کرتے تا اس کی عاقبت کیلئے بھلائی ہوتی [illegible] منہ

نہ یسوع کے کفارہ پر ایمان لانے نے بدکاریوں سے اس کو روکا آخر انہی بدعملیوں میں جان دی اور اس سے عجیب تر یہ کہ یہ کفارہ یسوع کی دادیوں اور نانیوں کو بھی بدکاری سے نہ بچا سکا حالانکہ اُن کی بدکاریوں سے یسوع کے گوہر فطرت پر داغ لگتا تھا۔ اور یہ دادیاں نانیاں صرف ایک دو نہیں بلکہ تین ہیں چنانچہ یسوع کی ایک بزرگ نانی جو ایک طور سے دادی بھی تھی یعنی راحاب کسبی یعنی کنجری تھی دیکھو یشوع ۲-۱) اور دوسری نانی جو ایک طور سے دادی بھی تھی اس کا نام تمر ہے یہ خانگی بدکار عورتوں کی طرح حرامکار تھی دیکھو پیدائش ۳۸۔ ۱۶ سے ۳۰۔ اور ایک نانی یسوع صاحب کی جو ایک رشتہ سے دادی بھی تھی بنت سبع کے نام سے موسوم ہے یہ وہی پاکدامن تھی جس نے داؤد کے ساتھ زنا کیا تھا * دیکھو ۲ سموئیل ۱۱: ۲۔

اب ظاہر ہے کہ ان دادیوں اور نانیوں کو یسوع کے کفارہ کی ضرور اطلاع دیگئی ہوگی اور اس پر ایمان لائی ہونگی کیونکہ یہ تو عیسائیوں کا اصول ہے کہ پہلے نبیوں اور اُن کی امت کو بھی یہی تعلیم کفارہ کی دی گئی تھی اور اسی پر ایمان لاکر اُن کی نجات ہوئی پس اگر یسوع کے مصلوب ہونے کا یہ اثر سمجھا جائے کہ اس کی مصلوبیت پر ایمان لاکر گناہ سے انسان بچ جاتا ہے تو چاہیئے تھا کہ یسوع کی دادیاں اور نانیاں زناکاریوں اور حرامکاریوں سے بچائی جاتیں مگر جس حالت تمام پیغمبر باوجودیکہ بقول عیسائیاں یسوع کی خودکشی پر ایمان لاتے تھے۔ بدکاریوں سے نہ بچ سکے اور نہ یسوع کی دادیاں نانیاں بچ سکیں تو اس سے صاف طور پر ثابت ہوگیا کہ یہ جھوٹا کفارہ کسی کو نفسانی جذبات سے بچا نہیں سکتا اور خود مسیح کو بھی بچا نہ سکا۔

نوٹ * ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری والدہ سے لیکر حوّا تک میری ماؤں کے سلسلہ میں کوئی عورت بدکار اور زانیہ نہیں اور نہ مرد زانی اور بدکار ہے لیکن بقول عیسائیوں کے اُن کے خدا صاحب کی پیدائش میں تین زناکار عورتوں کا خون ملا ہوا ہے حالانکہ توریت میں جو کچھ زانیہ عورتوں کی اولاد کی نسبت لکھا ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں۔ منہ

دیکھو وہ کیسے شیطان کے پیچھے پیچھے✝ چلا گیا حالانکہ اس کو جانا مناسب نہ تھا اور غالباً یہی حرکت تھی جس کی وجہ سے وہ ایسا نادم ہوا کہ جب ایک شخص نے **نیک** کہا تو اُس نے روکا کہ مجھے کیوں نیک کہتا ہے حقیقت میں ایسا شخص جو شیطان کے پیچھے پیچھے چلا گیا۔ کیونکر جرأت کرسکتا ہے کہ اپنے تئیں نیک کہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ یسوع نے اپنے خیال سے اور بعض اور باتوں کی وجہ سے

✝ **نوٹ** آجکل کے یورپین فلاسفر باوجود عیسائی ہونے کے اس بات کو نہیں مانتے کہ درحقیقت یسوع کو شیطان پھسلا کر ایک پہاڑی پر لے گیا تھا کیونکہ وہ لوگ شیطان کے تجسم کے قایل نہیں بلکہ خود شیطان کے وجود سے ہی منکر ہیں لیکن درحقیقت علاوہ خیالات ان فلاسفروں کے ایک اعتراض تو ضرور ہوتا ہے کہ اگر یہ واقعہ شیطان کی رفاقت کا یہودیوں کے پہاڑوں اور گذرگاہوں میں ہوتا تو ضرور تھا کہ نہ صرف یسوع بلکہ کئی یہودی بھی اس شیطان کو دیکھتے اور کچھ شک نہیں کہ شیطان معمولی انسانوں کی طرح نہیں ہوگا۔ بلکہ ایک عجیب وغریب صورت کا جاندار ہوگا جو دیکھنے والوں کو تعجب میں ڈالتا ہوگا۔ پس اگر درحقیقت شیطان یسوع کو بیداری میں دکھائی دیا تھا تو چاہیئے تھا کہ اس کو دیکھ کر ہزارہا یہودی وغیرہ اس جگہ جمع ہو جاتے اور ایک مجمع اکٹھا ہو جاتا۔ لیکن ایسا وقوع میں نہیں آیا۔ اس لئے یورپین محقق اس کو کوئی خارجی واقع قبول نہیں کرسکتے بلکہ وہ ایسے ہی بیہودہ تخیلات کی وجہ سے جن میں سے خدائی کا دعویٰ بھی ہے انجیل کو دُور سے سلام کرتے ہیں چنانچہ حال میں ایک یورپین عالم نے عیسائیوں کی انجیل مقدس کی نسبت یہ رائے ظاہر کی ہے کہ میری رائے میں کسی دانشمند آدمی کو اس بات کے یقین دلانے کو کہ انجیل انسان کی بناوٹ بلکہ وحشیانہ ایجاد ہے صرف اسی قدر ضرورت ہے کہ وہ انجیل کو پڑھے پھر صاحب بہادر یہ فرماتے ہیں کہ تم انجیل کو اس طرح پڑھو جیسے کہ تم کسی اور کتاب کو پڑھتے ہو۔ اور اس کی نسبت ایسے خیالات کرو جیسے کہ اور کتابوں کی نسبت کرتے ہو اپنی آنکھوں سے تعظیم کی پٹی نکال دو اور اپنے دل سے خوف کے بھوت کو بھگا دو اور دماغ؛ اوہام سے خالی کرو تب انجیل مقدس کو پڑھو تو تم کو تعجب ہوگا کہ تم نے ایک لحظہ کے لئے بھی کیونکر اس جہالت اور ظلم کے مصنف کو عقلمند اور نیک اور پاک خیال کیا تھا۔ ایسا ہی اور بہت سے فلاسفر سائنس کے جاننے والے جو انجیل کو نہایت ہی کراہت سے دیکھتے ہیں وہ انہیں ناپاک تعلیموں کی وجہ سے متنفر ہو گئے۔ جن کو ماننا ایک عقلمند کے لئے درحقیقت نہایت درجہ جائے عار ہے۔ مثلاً یہ ایک جھوٹا قصہ کہ ایک باپ ہے جو سخت مغلوب الغضب اور سب کو ہلاک کرنا چاہتا ہے اور ایک بیٹا ہے جو نہایت رحیم ہے جس نے باپ کے مجنونانہ

+ نوٹ عیسائیوں میں جس قدر کوئی فلسفہ کے مینار پر پہنچتا ہے اسی قدر انجیل اور عیسائی مذہب سے بیزار ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ان دنوں میں ایک میم صاحبہ نے بھی عیسائی عقیدہ کے رد میں ایک رسالہ شائع کیا ہے مگر اسلامی فلاسفروں کا اس کے برعکس حال ہے بوعلی سینا جو رئیس فلاسفہ اور بد مذہب اور ملحد کرکے مشہور ہے وہ اپنی کتاب اشارات کے اخیر میں لکھتا ہے کہ اگرچہ حشر جسمانی پر دلائل فلسفیہ قایم نہیں بلکہ اس کے عکس پر قایم ہوتے ہیں مگر چونکہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس لئے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ منہ

بھی اپنے تئیں نیک کہلانے سے کنارہ کشی ظاہر کی مگر افسوس کہ اب عیسائیوں نے نہ صرف نیک قرار دے دیا بلکہ خدا بنا رکھا ہے غرض کفارہ مسیح کی ذات کو بھی کچھ فائدہ نہ پہنچا سکا اور تکبر اور خود بینی جو تمام بدیوں کی جڑ ہے وہ تو یسوع صاحب کے ہی حصہ میں آئی ہوئی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اُس نے آپ خدا بن کر سب نبیوں کو رہزن اور بٹمار اور ناپاک حالت کے آدمی قرار دیا ہے حالانکہ یہ اقرار بھی اس کی کلام سے نکلتا ہے۔

بقیہ حاشیہ غضب کو اس طرح لوگوں سے ٹال دیا ہے کہ آپ سولی پر چڑھ گیا۔ اب بیچارے محقق یورپ میں ایسی بے ہودہ باتوں کو کیونکر مان لیں ایسا ہی عیسائیوں کی یہ سادہ لوحی کے خیال کہ خدا کو تین جسم پر منقسم کر دیا۔ ایک وہ جسم جو آدمی کی شکل میں ہمیشہ رہے گا جس کا نام ابن اللہ ہے دوسرے وہ جسم جو کبوتر کی طرح ہمیشہ رہیگا جس کا نام روح القدس ہے تیسرے وہ جسم جس کے دہنے ہاتھ بیٹا جا بیٹھا ہے۔ اب کوئی عقلمند ان اجسام ثلٰثہ کو کیونکر قبول کرے لیکن شیطان کی ہمراہی کا الزام یوروپین فلاسفروں کے نزدیک کچھ کم ہنسی کا باعث نہیں۔ بہت کوششوں کے بعد یہ تاویلیں پیش ہوتی ہیں کہ یہ حالات یسوع کے دماغی قویٰ کے اپنے ہی تخیلات تھے اور اس بات کو بھی مانتے ہیں کہ تندرستی اور صحت کی حالت میں ایسے مکروہ تخیلات پیدا نہیں ہو سکتے بہتوں کو اس بات کی ذاتی تحقیقات ہے کہ مرگی کی بیماری کے مبتلا اکثر شیاطین کو اسی طرح دیکھا کرتے ہیں وہ بعینہٖ ایسا ہی بیان کیا کرتے ہیں کہ ہمیں شیطان فلاں فلاں جگہ لے گیا اور یہ یہ عجائبات دکھلائے اور مجھے یاد ہے کہ شاید چوبیس برس کا عرصہ گذرا ہوگا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک جگہ شیطان سیاہ رنگ اور بدصورت کھڑا ہے اول اس نے میری طرف توجہ کی اور میں نے اس کو مُنہ پر طمانچہ مار کر کہا کہ دُور ہو اے شیطان تیرا مجھ میں حصہ نہیں اور پھر وہ ایک دوسرے کی طرف گیا اور اس کو اپنے ساتھ کر لیا اور جس کو ساتھ کر لیا اُس کو میں جانتا تھا اتنے میں آنکھ کھُل گئی اسی دن یا اس کے بعد اس شخص کو مرگی پڑی جس کو میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ شیطان نے اس کو ساتھ کر لیا تھا اور صرع کی بیماری میں گرفتار ہو گیا اس سے مجھے یقین ہوا کہ شیطان کی ہمراہی کی تعبیر مرگی ہے پس یہ نہایت لطیف نکتہ اور بہت صاف اور عاقلانہ رائے ہے کہ یسوع دراصل مرگی کی بیماری میں مبتلا تھا اور اسی وجہ سے ایسی خوابیں بھی دیکھا کرتا تھا۔ اور یہودیوں کا یہ الزام کہ تو بعل زبول کی مدد سے ایسے کام کرتا ہے اس رائے کا موید اور بہت تسکین بخش ہے۔ کیونکہ بعل زبول بھی شیطان کا نام ہے اور یہودیوں کی بات اس وجہ سے بھی درست اور قرین قیاس معلوم ہوتی ہے

کہ وہ خود بھی نیک نہیں ہے مگر افسوس کہ تکبر کا سیلاب اس کی تمام حالت کو برباد کر گیا ہے کوئی بھلا آدمی
گذشتہ بزرگوں کی مذمت نہیں کرتا لیکن اس نے پاک نبیوں کو رہزنوں اور بٹماروں کے نام سے
موسوم کیا ہے اس کی زبان پر دوسروں کیلئے ہر وقت بے ایمان حرامکار کا لفظ چڑھا ہوا ہے کسی کی نسبت
ادب کا لفظ استعمال نہیں کیا کیوں نہ ہو **خدا کا فرزند جو ہوا**۔ اور پھر جب دیکھتے ہیں کہ یسوع کے کفارہ
نے حواریوں کے دلوں پر کیا اثر کیا۔ کیا وہ اس پر ایمان لا کر گناہ سے باز آ گئے تو اس جگہ بھی سچی پاکیزگی کا
خانہ خالی ہی معلوم ہوتا ہے یہ تو ظاہر ہے کہ وہ لوگ سولی ملنے کی خبر کو سن کر ایمان لا چکے تھے لیکن پھر بھی
نتیجہ یہ ہوا کہ یسوع کی گرفتاری پر پطرس نے سامنے کھڑے ہو کر **اس پر لعنت** بھیجی باقی سب بھاگ گئے
اور کسی کے دل میں اعتقاد کا نور باقی نہ رہا۔ پھر بعد اس کے گناہ سے رکنے کا اب تک یہ حال ہے کہ خاص
یورپ کے محققین کے اقراروں سے یہ بات ثابت ہے کہ یورپ میں حرام کاری کا اس قدر زور ہے۔ کہ
خاص لنڈن میں ہر سال ہزاروں حرامی بچے پیدا ہوتے ہیں اور اس قدر گندے واقعات یورپ کے شائع
ہوئے ہیں کہ کہنے اور سننے کے لائق نہیں **شراب خواری** کا اس قدر زور ہے۔ کہ اگر ان دوکانوں

بقیہ حاشیہ کہ جن لوگوں کو شیطان کا سخت آسیب ہو جاتا ہے اور شیطان اُن سے محبت کرنے لگتا ہے تو گو اُن کی اپنی مرگی وغیرہ اچھی نہیں ہوتی مگر دوسروں کو اچھا کر سکتے ہیں کیونکہ شیطان اُن سے محبت کرتا ہے اور ان سے جدا ہونا نہیں چاہتا مگر نہایت محبت کی وجہ سے اُن کی باتیں مان لیتا ہے اور دوسروں کو اُن کی خاطر سے شیطانی مرضوں سے نجات دیتا ہے اور ایسے عامل ہمیشہ شراب اور پلید چیزیں استعمال کرتے رہتے ہیں اور اول درجہ کے شرابی اور کھاؤ پیؤ ہوتے ہیں چنانچہ تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ ایک شخص اسی طرح مرض بیہوشی میں گرفتار تھا اور کہتے ہیں کہ وہ دوسرے لوگوں کے جنات کو نکال دیا کرتا تھا غرض یسوع کا یہ واقعہ شیطان کے ہمراہ کا مرض صرع پر صاف دلیل ہے اور ہمارے پاس کئی وجوہ ہیں جن کے مفصل لکھنے کی ابھی ضرورت نہیں اور یقین ہے کہ محقق عیسائی جو پہلے ہی ہماری اس رائے سے اتفاق رکھتے ہیں انکار نہیں کرینگے اور جو نادان پادری انکار کریں تو اُن کو اس بات کا ثبوت دینا چاہیئے کہ یسوع کا شیطان کے ہمراہ جانا درحقیقت بیداری کا ایک واقعہ ہے[*] اور صرع وغیرہ کے لاحق کا نتیجہ نہیں مگر ثبوت میں معتبر گواہ پیش کرنے چاہئیں جو رویت کی گواہی دیتے ہوں[†] اور معلوم ہوتا ہے کہ کبوتر کا اُترنا اور یہ کہنا کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے درحقیقت یہ بھی مرگی کا ایک دورہ تھا جس کے ساتھ ایسے تخیلات پیدا ہوئے بات یہ ہے کہ کبوتر کا رنگ سفید ہوتا ہے اور بلغم کا رنگ بھی سفید ہوتا ہے اور مرگی کا مادہ بلغم ہی ہوتا ہے سو وہ بلغم کبوتر کی شکل پر نظر آ گئی اور یہ جو کہا کہ تو میرا بیٹا ہے اس میں بھید یہ ہے کہ درحقیقت مصروع مرگی کا بیٹا ہی ہوتا ہے اسی لئے مرگی کو فن طبابت میں ام الصبیان کہتے ہیں یعنی بچوں کی ماں۔ اور ایک مرتبہ یسوع کے چاروں حقیقی بھائیوں نے اس وقت کی گورنمنٹ میں درخواست بھی دی تھی کہ یہ شخص دیوانہ ہو گیا ہے اس کا کوئی بندوبست کیا جاوے یعنی عدالت کے جیلخانہ میں داخل کیا جاوے تاکہ وہاں کے دستور کے موافق اس کا علاج ہو تو یہ درخواست بھی صریح اس بات پر دلیل ہے کہ یسوع درحقیقت بوجہ بیماری مرگی کے دیوانہ ہو گیا تھا۔ منہ

[*] سوال یہ ہے کہ شیطان کو کس کس نے یسوع کے ساتھ دیکھا۔

کو ایک خط مستقیم میں باہم رکھدیا جاوے تو شاید ایک مسافر کی دو منزل طے کرنے تک بھی وہ دوکانیں ختم نہ ہوں۔ عبادات سے فراغت ہے اور دن رات مے نوشی عیاشی اور دنیا پرستی کے کام نہیں پس اس تمام تحقیقات سے ثابت ہوا کہ یسوع کے مصلوب ہونے سے اس پر ایمان لانیوالے گناہ سے رک نہیں سکے* بلکہ جیسا کہ بند ٹوٹنے سے ایک تیز دھار دریا کا پانی اردگرد کے دیہات کو تباہ کر جاتا ہے ایسا ہی کفارہ پر ایمان لانے والوں کا حال ہو رہا ہے اور میں جانتا ہوں کہ عیسائی لوگ اس پر زیادہ بحث نہیں کریں گے کیونکہ جس حالت میں ان نبیوں کو جن کے پاس خدا کا فرشتہ آتا تھا۔ یسوع کا کفارہ بدکاریوں سے روک نہ سکا تو پھر کیونکر تاجروں اور پیشہ وروں اور خشک پادریوں کو ناپاک کاموں سے روک سکتا ہے۔ غرض عیسائیوں کے خدا کی کیفیت یہ ہے جو ہم بیان کر چکے۔

تیسرا مذہب ان دو مذہبوں کے مقابل پر جن کا ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں **اسلام** ہے اس مذہب کی خداشناسی نہایت صاف صاف اور انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ اگر تمام مذہبوں کی کتابیں نابود ہو کر اُن کے سارے تعلیمی خیالات اور تصورات بھی محو ہو جائیں تب بھی وہ خدا جس کی طرف قرآن رہنمائی کرتا ہے۔ آئینہ **قانون قدرت** میں صاف صاف نظر آئیگا اور اس کی قدرت اور حکمت سے بھری ہوئی صورت ہر یک **ذرہ** میں چمکتی ہوئی دکھائی دے گی غرض وہ خدا جس کا پتہ **قرآن شریف** بتلاتا ہے اپنی موجودات پر فقط قہری حکومت نہیں رکھتا بلکہ موافق آیۃ کریمہ **الست بربکم قالوا بلیٰ** کے ہر یک ذرہ ذرہ اپنی طبیعت اور روحانیت سے اس کا حکم بردار ہے۔ اس کی طرف جھکنے کے لئے ہر یک طبیعت میں ایک کشش پائی جاتی ہے۔ اس کشش سے ایک ذرہ بھی خالی نہیں اور یہ ایک بڑی دلیل اس بات پر ہے کہ وہ ہر یک چیز کا خالق ہے کیونکہ نور قلب اس بات کو مانتا ہے کہ وہ کشش جو اس کی طرف جھکنے کیلئے تمام چیزوں میں پائی جاتی ہے وہ بلاشبہ اسی کی طرف سے ہے جیسا کہ قرآن شریف نے اس آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان من شیئٍ الا یسبح بحمدہٖ یعنی ہر یک چیز اس کی پاکی اور اس کے محامد بیان کر رہی ہے اگر خدا ان چیزوں کا خالق نہیں تھا تو اُن چیزوں میں خدا کی طرف کشش کیوں پائی جاتی ہے۔

* نوٹ۔ یسوع کا مصلوب ہونا اگر اپنی مرضی سے ہوتا تو خودکشی اور حرام کی موت تھی اور خلاف مرضی کی حالت میں کفارہ نہیں ہو سکتا اور یسوع اس لئے اپنے تئیں نیک نہیں کہہ سکا کہ لوگ جانتے تھے کہ یہ شخص شرابی کبابی ہے اور یہ خراب چال چلن نہ خدائی کے بعد بلکہ ابتدا ہی سے ایسا معلوم ہوتا ہے چنانچہ خدائی کا دعویٰ شراب خواری کا ایک بد نتیجہ ہے۔ منہ

ایک غور کرنے والا انسان ضرور اس بات کو قبول کر لیگا کہ کسی مخفی تعلق کی وجہ سے یہ کشش ہے پس اگر وہ تعلق خدا کا خالق ہونا نہیں تو کوئی آریہ وغیرہ اس بات کا جواب دیں کہ اس تعلق کی وید وغیرہ میں کیا ماہیت لکھی ہے اور اس کا کیا نام ہے کیا یہی سچ ہے کہ خدا صرف زبردستی ہر یک چیز پر حکومت کر رہا ہے اور ان چیزوں میں کوئی طبعی قوت اور شوق خدا تعالٰے کی طرف جھکنے کا نہیں ہے معاذاللہ ہرگز ایسا نہیں بلکہ ایسا خیال کرنا نہ صرف حماقت بلکہ پرلے درجہ کی خباثت بھی ہے مگر افسوس کہ آریوں کے وید نے خدا تعالٰے کی خالقیت سے انکار کر کے اس روحانی تعلق کو قبول نہیں کیا جس پر طبعی اطاعت ہر یک چیز کی موقوف ہے اور چونکہ دقیق معرفت اور دقیق گیان سے وہ ہزاروں کوس دور تھے لہذا یہ سچا فلسفہ اُن سے پوشیدہ رہا ہے کہ ضرور تمام اجسام اور ارواح کو ایک فطرتی تعلق اس ذات قدیم سے پڑا ہوا ہے اور خدا کی حکومت صرف بناوٹ اور زبردستی کی حکومت نہیں بلکہ ہر یک چیز اپنی روح سے اس کو سجدہ کر رہی ہے کیونکہ ذرہ ذرہ اس کے بے انتہا احسانوں میں مستغرق اور اس کے ہاتھ سے نکلا ہوا ہے مگر افسوس کہ تمام مخالف مذہب والوں نے خدا تعالیٰ کے وسیع دریائے قدرت اور رحمت اور **تقدس** کو اپنی تنگ دلی کی وجہ سے زبردستی روکنا چاہا ہے اور انہیں وجوہ سے اُن کے **فرضی خداؤں** پر کمزوری اور ناپاکی اور بناوٹ اور بیجا غضب اور بے جا حکومت کے طرح طرح کے داغ لگ گئے ہیں لیکن اسلام نے خدا تعالٰے کی صفات **کاملہ** کی **تیز رو دھاروں** کو کہیں نہیں روکا وہ **آریوں** کی طرح اس عقیدہ کی تعلیم نہیں دیتا کہ زمین و آسمان کی روحیں اور **ذرات** اجسام اپنے وجود کے آپ ہی **خدا** ہیں اور جس کا پرمیشر نام ہے وہ کسی نامعلوم سبب سے محض ایک راجہ کے طور پر اُن پر حکمران ہے اور نہ عیسائی مذہب کی طرح یہ سکھلاتا ہے کہ خدا نے انسان کی طرح ایک **عورت کے پیٹ** سے جنم لیا اور نہ صرف نو مہینہ تک **خون حیض** کھا کر ایک گنہگار جسم سے جو بنت **سبع** اور **تمر** اور **راحاب** جیسی حرامکار عورتوں کے خمیر سے اپنی فطرت میں **ابنیّت** کا حصہ رکھتا تھا خون اور ہڈی اور گوشت کو حاصل کیا بلکہ بچپن کے زمانہ میں جو جو بیماریوں کی صعوبتیں ہیں جیسے خسرہ چیچک دانتوں کی تکالیف وغیرہ تکلیفیں وہ سب

اٹھائیں اور بہت سا حصہ عمر کا معمولی انسانوں کی طرح کھو کر آخر موت کے قریب پہنچ کر خدائی یاد آ گئی مگر چونکہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ تھا اور خدائی طاقتیں ساتھ نہیں تھیں اس لئے دعوے کے ساتھ ہی پکڑا گیا۔ بلکہ اسلام ان سب نقصانوں اور ناپاک حالتوں سے خدائے حقیقی ذوالجلال کو منزہ اور پاک سمجھتا ہے اور اس وحشیانہ غضب سے بھی اس کی ذات کو برتر قرار دیتا ہے کہ جبتک کسی کے گلے میں پھانسی کا رسہ نہ ڈالے تب تک اپنے بندوں کے بخشنے کیلئے کوئی سبیل اس کو یاد نہ آوے اور خدا تعالےٰ کے وجود اور صفات کے بارے میں قرآن کریم یہ سچی اور پاک اور کامل معرفت سکھاتا ہے کہ اس کی قدرت اور رحمت اور عظمت اور تقدس بے انتہا ہے اور یہ کہنا قرآنی تعلیم کے رو سے سخت مکروہ گناہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی قدرتیں اور عظمتیں اور رحمتیں ایک حد پر جا کر ٹھہر جاتی ہیں یا کسی موقعہ پر پہنچکر اُس کا ضعف اُسے مانع آجاتا ہے بلکہ اس کی تمام قدرتیں اس مستحکم قاعدہ پر چل رہی ہیں کہ باستثناء اُن امور کے جو اُس کے تقدس اور کمال اور صفات کاملہ کے مخالف ہیں یا اس کے مواعید غیر متبدلہ کے منافی ہیں باقی جو چاہتا ہے کر سکتا ہے مثلاً یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اپنی قدرت کاملہ سے اپنے تئیں ہلاک کر سکتا ہے کیونکہ یہ بات اُس کی صفت قدیم حی و قیوم ہونے کے مخالف ہے وجہ یہ کہ وہ پہلے ہی اپنے فعل اور قول میں ظاہر کر چکا ہے کہ وہ ازلی ابدی اور غیر فانی ہے اور موت اُس پر جائز نہیں ایسا ہی یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ کسی عورت کے رحم میں داخل ہوتا اور خون حیض کھاتا اور قریباً نو ماہ پورے کر کے سیر ڈیڑھ سیر کے وزن پر عورتوں کی پیشاب گاہ سے روتا چلاتا پیدا ہو جاتا ہے اور پھر روٹی کھاتا اور پاخانہ جاتا اور پیشاب کرتا اور تمام دُکھ اس فانی زندگی کے اُٹھاتا ہے اور آخر چند ساعت جان کندنی کا عذاب اُٹھا کر اس جہان فانی سے رخصت ہو جاتا ہے کیونکہ یہ تمام امور نقصان اور منقصت میں داخل ہیں اور اس کے جلال قدیم اور کمال تام کے برخلاف ہیں۔

پھر یہ بھی جاننا چاہیئے کہ چونکہ اسلامی عقیدہ میں درحقیقت خدا تعالےٰ تمام مخلوقات کا پیدا کرنیوالا ہی ہے اور کیا ارواح اور کیا اجسام سب اُسی کے پیدا کردہ ہیں اور اسی کی قدرت سے ظہور پذیر ہوئے ہیں

لہٰذا قرآنی عقیدہ یہ بھی ہے کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ ہر ایک چیز کا خالق اور پیدا کنندہ ہے اسی طرح وہ ہر ایک چیز کا واقعی اور حقیقی طور پر **قیوم** بھی ہے یعنی ہر ایک چیز کا اسی کے وجود کے ساتھ بقا ہے اور اُس کا وجود ہر یک چیز کے لئے بمنزلہ جان ہے اور اگر اُس کا عدم فرض کرلیں تو ساتھ ہی ہر یک چیز کا عدم ہوگا۔ غرض ہر یک وجود کے بقا اور قیام کے لئے اس کی معیت لازم ہے لیکن آریوں اور عیسائیوں کا یہ اعتقاد نہیں ہے آریوں کا اس لئے کہ وہ خدا تعالیٰ کو ارواح اور اجسام کا خالق نہیں جانتے اور ہر یک چیز سے ایسا تعلق اس کا نہیں مانتے جس سے ثابت ہو کہ ہر یک چیز اسی کی قدرت اور ارادہ کا نتیجہ ہے اور اس کی مشیت کے لئے بطور سایہ کے ہے بلکہ ہر یک چیز کا وجود ایسے طور سے مستقل خیال کرتے ہیں جس سے سمجھا جاتا ہے کہ اُن کے زعم میں تمام چیزیں اپنے وجود میں مستقل طور پر قدیم اور انادی ہیں پس جبکہ یہ تمام موجود چیزیں ان کے خیال میں خدا تعالیٰ کی قدرت سے نکل کر قدرت کیساتھ قائم نہیں تو بلاشبہ یہ سب چیزیں ہندوؤں کے پرمیشر سے ایسی بے تعلق ہیں کہ اگر اُن کے پرمیشر کا مرنا بھی فرض کرلیں تب بھی روحوں اور جسموں کا کچھ بھی حرج نہیں۔ کیونکہ اُن کا پرمیشر صرف معمار کی طرح ہے اور جس طرح اینٹ اور گارا معمار کی ذاتی قدرت کیساتھ قائم نہیں تا ہر یک حال میں اس کے وجود کا تابع ہو۔ یہی حال ہندوؤں کے پرمیشر کی چیزوں کا ہے سو جیسا کہ معمار کے مرجانے سے ضروری نہیں ہوتا کہ جس قدر اُس نے اپنی عمر میں عمارتیں بنائی ہوں وہ ساتھ ہی گر جائیں ایسا ہی یہ بھی ضرور نہیں کہ ہندوؤں کے پرمیشر کے مرجانے سے کچھ بھی صدمہ دوسری چیزوں کو پہنچے۔ کیونکہ وہ اُن کا قیوم نہیں* اگر قیوم ہوتا تو ضرور اُن کا خالق بھی ہوتا۔ کیونکہ جو چیزیں پیدا ہونے میں خدا کی قوت کی محتاج نہیں وہ قایم رہنے میں بھی اس کی قوت کے سہارے کی حاجت نہیں رکھتیں اور عیسائیوں کے اعتقاد کی رو سے بھی اُن کا مجسم خدا قیوم الاشیاء نہیں ہو سکتا کیونکہ قیوم ہونے کیلئے معیت ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ عیسائیوں کا خدا یسوع اب زمین پر نہیں کیونکہ اگر زمین پر ہوتا تو ضرور لوگوں کو نظر آتا جیسا کہ اس زمانہ میں نظر آتا تھا جبکہ پلاطوس کے عہد میں اس کے ملک میں موجود تھا۔ پس جبکہ وہ زمین پر موجود نہیں تو زمین کے لوگوں کا

* جو چیز قدرت کے سہارے سے پیدا نہیں ہوئی وہ اپنے بقا میں بھی قدرت کے سہارے کی محتاج نہیں۔

قیوم کیونکر ہو۔ رہا آسمان سو وہ آسمانوں کا بھی قیوم نہیں کیونکہ اُس کا جسم تو صرف چھ سات بالشت کے قریب ہوگا پھر وہ سارے آسمانوں پر کیونکر موجود ہو سکتا ہے تا اُن کا قیوم ہو لیکن ہم لوگ جو خدا تعالیٰ کو ربّ العرش کہتے ہیں تو اس سے یہ مطلب نہیں کہ وہ جسمانی اور جسم ہے اور عرش کا محتاج ہے بلکہ عرش سے مراد وہ مقدس بلندی کی جگہ ہے جو اس جہان اور آنے والے جہان سے برابر نسبت رکھتی ہے اور خدا تعالیٰ کو عرش پر کہنا درحقیقت ان معنوں سے مترادف ہے کہ وہ مالک الکونین ہے اور جیسا کہ ایک شخص اونچی جگہ بیٹھ کر یا کسی نہایت اونچے محل پر چڑھ کر یمین و یسار پر نظر رکھتا ہے۔ ایسا ہی استعارہ کے طور پر خدا تعالیٰ بلند سے بلند تخت پر تسلیم کیا گیا ہے جس کی نظر سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں نہ اِس عالم کی اور نہ اُس دوسرے عالم کی ہاں اس مقام کو عام سمجھوں کے لئے اوپر کی طرف بیان کیا جاتا ہے کیونکہ جبکہ خدا تعالیٰ درحقیقت میں سب سے اوپر ہے اور ہر یک چیز اس کے پیروں پر گری ہوئی ہے تو اوپر کی طرف سے اس کی ذات کو مناسبت ہے مگر اوپر کی طرف وہی ہے جس کے نیچے دونوں عالم واقع ہیں اور وہ ایک انتہائی نقطہ کی طرح ہے جس کے نیچے سے دو عظیم الشان عالم کی دو شاخیں نکلتی ہیں اور ہر یک شاخ ہزارہا عالم پر مشتمل ہے جن کا علم بجز اُس ذات کے کسی کو نہیں جو اس نقطہ انتہائی پر مستوی ہے جس کا نام عرش ہے اس لئے ظاہری طور پر بھی وہ اعلیٰ سے اعلیٰ بلندی جو اوپر کی سمت میں اس انتہائی نقطہ میں متصور ہو۔ جو دونوں عالم کے اُوپر ہے وہی عرش کے نام سے عند الشرع موسوم ہے اور یہ بلندی باعتبار جامعیت ذاتی باری کی ہے تا اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ وہ مبدء ہے ہر یک فیض کا اور مرجع ہے ہر یک چیز کا اور مسجود ہے ہر یک مخلوق کا اور سب سے اونچا ہے اپنی ذات میں اور صفات میں اور کمالات میں ورنہ قرآن فرماتا ہے کہ وہ ہر یک جگہ ہے جیسا کہ فرمایا اینما تولوا فثم وجہ اللہ[1] جدھر منہ پھیرو اُدھر ہی خدا کا منہ ہے اور فرماتا ہے ھو معکم اینما کنتم[2] یعنی جہاں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور فرماتا ہے نحن اقرب الیہ من حبل الورید یعنی ہم انسان سے اس کی رگ جان سے بھی زیادہ نزدیک ہیں یہ تینوں تعلیموں کا نمونہ ہے

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

تمت

یکم دسمبر ۱۸۹۵ء بروز یکشنبہ

[1] البقرۃ: ۱۱۶ [2] الحدید: ۵ [3] ق: ۱۷

حاشیہ متعلقہ
صفحہ ۱۶۴

مرہم حواریین جس کا دوسرا نام مرہم عیسیٰ بھی ہے

یہ مرہم نہایت مبارک مرہم ہے جو زخموں اور جراحتوں اور نیز زخموں کے نشان معدوم کرنے کے لئے نہایت نافع ہے۔ طبیبوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ مرہم حواریوں نے حضرت عیسیٰ کے لئے تیار کی تھی یعنی جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہود علیہم اللعنت کے پنجہ میں گرفتار ہوگئے اور یہودیوں نے چاہا کہ حضرت مسیح کو صلیب پر کھینچ کر قتل کریں تو انہوں نے گرفتار کرکے صلیب پر کھینچنے کی کارروائی شروع کی مگر خدا تعالیٰ نے یہود کے بدارادہ سے حضرت عیسیٰ کو بچا لیا۔ کچھ خفیف سے زخم بدن پر لگ گئے٭ سو وہ اس عجیب وغریب مرہم کے چند روز استعمال کرنے سے بالکل دور ہوگئے یہاں تک کہ نشان بھی جو دوبارہ گرفتاری کیلئے کھلی کھلی علامتیں تھیں بالکل مٹ گئے۔ یہ بات انجیلوں سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ جب حضرت مسیح نے صلیب سے نجات پائی کہ جو درحقیقت دوبارہ زندگی کے حکم میں تھی تو وہ اپنے حواریوں کو ملے اور اپنے زندہ سلامت ہونے کی خبر دی۔ حواریوں نے تعجب سے دیکھا کہ صلیب پر سے کیونکر بچ گئے اور گمان کیا کہ شاید ہمارے سامنے ان کی رُوح متمثل ہوگئی ہے تو انہوں نے اپنے زخم دکھلائے جو صلیب پر باندھنے کے وقت پڑ گئے تھے تب حواریوں کو یقین آیا کہ خدا تعالیٰ نے یہودیوں کے ہاتھ سے اُن کو نجات دی۔ حال کے عیسائیوں کی یہ نہایت **سادہ لوحی** ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ یسوع مسیح مر کر نئے سرے زندہ ہوا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ خدا جو محض قدرت سے اس کو زندہ کرتا اس کے زخموں کو بھی اچھا کر دیتا۔ بالخصوص جبکہ کہا جاتا ہے کہ دوسرا جسم جلالی ہے جو آسمان پر اُٹھایا گیا اور خدا کی داہنی طرف جا بیٹھا۔ تو کیا قبول کرسکتے ہیں کہ جلالی جسم پر بھی یہ زخموں کا کلنک باقی رہا اور مسیح

٭حاشیہ۔ قرآن شریف میں جو وارد ہے وما قتلوہ وما صلبوہ[1] یعنی عیسیٰ نہ مصلوب ہوا نہ مقتول ہوا اس بیان سے یہ بات منافی نہیں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر زخمی ہوگئے۔ کیونکہ مصلوبیت سے مراد وہ امر ہے جو صلیب پر چڑھانے کی علت غائی ہے اور وہ قتل ہے اور کچھ شک نہیں کہ خدا تعالیٰ نے دشمنوں کے اس اصل مقصود سے ان کو محفوظ رکھا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا ہے واللہ یعصمک من الناس[2] یعنی خدا تجھ کو لوگوں سے بچائے گا حالانکہ لوگوں نے طرح طرح کے دکھ دیئے وطن سے نکالا۔ دانت شہید کیا انگلی کو زخمی کیا اور کئی زخم تلوار کے پیشانی پر لگائے سو درحقیقت اس پیشگوئی میں بھی اعتراض کا محل نہیں کیونکہ کفار کے حملوں کی علت غائی اور اصل مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زخمی کرنا یا دانت کا شہید کرنا نہ تھا بلکہ قتل کرنا مقصود بالذات تھا سو کفار کے اصل ارادے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے محفوظ رکھا اسی طرح جن لوگوں نے حضرت مسیح کو سولی پر چڑھایا تھا اُن کی اس کارروائی کی علت غائی حضرت مسیح کا زخمی ہونا نہ تھا بلکہ ان کا اصل ارادہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی کے ذریعہ سے قتل کر دینا تھا سو خدا نے اُن کو اس بد ارادہ سے محفوظ رکھا اور کچھ شک نہیں کہ وہ مصلوب نہیں ہوئے پس قول ما صلبوہ اُن پر صادق آیا۔ منہ

[1] النساء: ۱۵۸ [2] المائدۃ: ۶۸

نے خود اپنے اس قصہ کی مثال یونس کے قصہ سے دی اور ظاہر ہے کہ یونس مچھلی کے پیٹ میں مرا
نہیں تھا پس اگر مسیح مر گیا تھا تو یہ مثال صحیح نہیں ہو سکتی بلکہ ایسی مثال دینے والا ایک سادہ لوح
آدمی ٹھیرتا ہے جس کو یہ بھی خبر نہیں کہ مشبّہ اور مشبّہ بہ میں مشابہت تامہ ضروری ہے۔
غرض اس مرہم کی تعریف میں اس قدر لکھنا کافی ہے کہ مسیح تو بیماروں کو اچھا کرتا تھا۔ مگر اس مرہم نے
مسیح کو اچھا کیا۔ انجیلوں سے یہ پتہ بھی بخوبی ملتا ہے کہ انہیں زخموں کی وجہ سے حضرت مسیح پلاطوس کی
بستی میں چالیس دن تک برابر ٹھیرے اور پوشیدہ طور پر یہی مرہم اُن کے زخموں پر لگتی رہی آخر اللہ
تعالٰے نے اسی سے اُن کو شفا بخشی۔ اس مدت میں زیرک طبع حواریوں نے یہی مصلحت دیکھی کہ جاہل
یہودیوں کو تلاشی اور جستجو سے باز رکھنے کے لئے اور نیز اُن کا پُر کینہ جوش فرو کرنے کی غرض سے پلاطوس
کی بستیوں میں یہ مشہور کر دیں کہ یسوع مسیح آسمان پر معہ جسم اُٹھایا گیا اور فی الواقعہ انہوں نے یہ بڑی دانائی
کی کہ یہودیوں کے خیالات کو اور طرف لگا دیا اور اس طرف پہلے سے یہ انتظام ہو چکا تھا اور بات پختہ ہو
چکی تھی کہ فلاں تاریخ پلاطوس کی عملداری سے یسوع مسیح باہر نکل جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور حواری اُن کو
کچھ دُور تک سڑک پر چھوڑ آئے اور حدیث صحیح سے جو طبرانی میں ہے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ
علیہ السلام اس واقعہ کے بعد ستاسی برس زندہ رہے اور ان برسوں میں انہوں نے بہت
سے ملکوں کی سیاحت کی اسی لئے اُن کا نام مسیح ہوا۔ اور کچھ تعجب نہیں کہ وہ اس سیاحت کے زمانہ
میں تبت میں بھی آئے ہوں جیسا کہ آجکل بعض انگریزوں کی تحریروں سے سمجھا جاتا ہے ڈاکٹر برنیر اور بعض
دوسرے یوروپین عالموں کی یہ رائے ہے کہ کچھ تعجب نہیں کہ کشمیر کے مسلمان باشندہ دراصل یہود ہوں۔
پس یہ رائے بھی کچھ بعید نہیں کہ حضرت مسیح انہیں لوگوں کی طرف آئے ہوں اور پھر تبت کی طرف رُخ
کر لیا ہو اور کیا تعجب کہ حضرت مسیح کی قبر کشمیر٭ یا اس کے نواح میں ہو۔ یہودیوں کے ملکوں سے ان کا نکلنا
اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ نبوت ان کے خاندان سے خارج ہو گئی۔ جو لوگ اپنی قوت عقلیہ سے کام
لینا نہیں چاہتے اُن کا منہ بند کرنا مشکل ہے مگر مرہم حواریین نے اس بات کا صفائی سے فیصلہ کر دیا کہ

٭حاشیہ در حاشیہ ڈاکٹر برنیر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ "کشمیر میں یہودیت کی بہت سی علامتیں پائی جاتی ہیں
چنانچہ پیر پنجال سے گذر کر جب میں اس ملک میں داخل ہوا تو دیہات کے باشندوں کی صورتیں یہود
کی سی دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ ان کی صورتیں اور ان کے طور طریق اور وہ ناقابل بیان خصوصیتیں جن سے ایک
سیاح مختلف اقوام کے لوگوں کی خود بخود شناخت اور تمیز کر سکتا ہے۔ سب یہودیوں

حضرت مسیح کے جسم عنصری کا آسمان پر جانا سب جھوٹے قصے اور بیہودہ کہانیاں ہیں اور بلاشبہ اب تمام شکوک و شبہات کے زخم اس مرہم سے مندمل ہوگئے ہیں۔ عیسائیوں اور نیم عیسائیوں کو معلوم ہو کہ یہ مرہم معہ اس کے وجہ تسمیہ کے طب کی ہزارہا کتابوں میں موجود ہے۔ اور اس مرہم کا ذکر کرنے والے نہ صرف مسلمان طبیب ہیں بلکہ مسلمان ۔ مجوسی ۔ عیسائی سب اس میں شامل ہیں۔ اگر چاہیں تو ہم ہزار کتاب سے زیادہ اس کا حوالہ دے سکتے ہیں اور کئی کتابیں حضرت مسیح کے زمانہ کے قریب قریب کی ہیں۔ اور سب اس پر اتفاق رکھتی ہیں کہ یہ مرہم حواریوں نے حضرت مسیح کے لئے یعنی اُن کے زخموں کے لئے طیار کی تھی ورا صل یہ نسخہ عیسائیوں کی پرانی قرابادینوں میں تھا جو یونانی میں تالیف ہوئی تھیں پھر ہارون اور مامون کے وقت میں وہ کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں اور یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کا ایک عظیم الشان نشان ہے کہ یہ کتابیں باوجود امتداد زمانہ کے تلف نہیں ہو سکیں یہانتک کہ خدا تعالیٰ کے فضل نے ہمیں ان پر مطلع کیا۔ اب ایسے یقینی واقعہ سے انکار کرنا خدا تعالیٰ سے لڑائی ہے۔ ہمیں امید نہیں کہ کوئی عقلمند عیسائیوں اور مسلمانوں میں سے اس سے انکار کرے۔ کیونکہ اعلیٰ درجہ کے تواتر کا انکار کرنا حماقت بلکہ دیوانہ پن ہے۔

اور وہ کتابیں جن میں یہ مرہم مذکور ہے درحقیقت ہزارہا ہیں جن میں سے ڈاکٹر حنین کی بھی ایک کتاب ہے جو ایک پرانا عیسائی طبیب ہے ایسا ہی اور بہت سے عیسائیوں اور مجوسیوں کی کتابیں ہیں جو اُن پرانی یونانی اور رومی کتابوں سے ترجمہ ہوئی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد کے قریب ہی تالیف ہوئی تھیں اور یہ خوب یاد رکھنا چاہئیے کہ اسلامی طبیبوں نے یہ نسخہ عیسائی کتابوں سے ہی نقل کیا ہے۔ مگر چونکہ ہر ایک کو وہ سب کتابیں میسر نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا ہم چند ایسی کتابوں کا حوالہ ذیل میں لکھتے ہیں جو

بقیہ حاشیہ در حاشیہ کے پرانی قوم کیسی معلوم ہوتی تھیں۔ میری بات کو آپ محض خیالی ہی تصور نہ فرمائیں گا ان دیہاتوں کے یہودی نما ہونے کی نسبت ہمارے پادری صاحبان اور اور بہت سے فرنگستانیوں نے بھی میرے کشمیر جانے سے بہت عرصہ پہلے ایسا ہی لکھا ہے۔ دوسری علامت یہ ہے کہ اس شہر کے باشندے باوجودیکہ تمام مسلمان ہیں مگر پھر بھی ان میں سے اکثر کا نام موسیٰ ہے۔ تیسرے یہاں یہ عام روایت ہے کہ حضرت سلیمان اس ملک میں آئے تھے۔ چوتھے یہاں کے لوگوں کا یہ بھی گمان ہے کہ حضرت موسیٰ نے شہر کشمیر ہی میں وفات پائی تھی اور ان کا مزار شہر سے قریب تین میل کے ہے۔ پانچویں عموماً یہاں سب لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ایک اونچے پہاڑ پر جو ایک مختصر اور نہایت پرانا مکان نظر آتا ہے اس کو حضرت سلیمان نے تعمیر کرایا تھا۔ اور اسی سبب سے اس کو آجتک تخت سلیمان کہتے ہیں۔ سو میں اس بات سے انکار کرنا نہیں چاہتا کہ یہودی لوگ کشمیر میں

اس ملک میں یا مصر میں چھپ کر شائع ہوگئی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

بو علی سینا کا قانون مطبوعہ مصر صفحہ ۴۰۵ + علامہ شارح قانون قلمی + قرشی شارح قانون قلمی + شفاء الاسقام جلد دوم قلمی ورق ۶۴ و ۶۵

کامل الصناعہ مطبوعہ مصر تصنیف علی ابن العباس المجوسی صفحہ ۶۰۲ + تذکرہ داؤد انطاکی مطبوعہ مصر صفحہ ۳۰۳، ۳۳۳ باب حرف المیم

اکسیر اعظم جلد رابع صفحہ ۳۳ + میزان الطب صفحہ ۱۵۲ + قرابادین قادری باب ہیم در امراض جلد صفحہ ۵۰۸ + ذخیرہ خوارزم شاہ

ریاض الفوائد + منہاج البیان + قرابادین کبیر جلد ۲ صفحہ ۵۷۵ + قرابادین بقائی جلد دوم صفحہ ۴۹۷

لوامع شبریہ تصنیف سید حسین شبر کاظمی + قرابادین حنین بن اسحاق عیسائی + قرابادین رومی

اور اگر بڑی بڑی کتابیں کسی کو میسر نہ آویں تو قرابادین قادری تو ہر جگہ اور ہر شہر میں مل سکتی ہے اور اکثر دیہات کے نیم حکیم بھی اس کو اپنے پاس رکھا کرتے ہیں سو اگر ذرہ تکلیف اٹھا کر اس کے صفحہ ۵۰۸ باب بستم امراض جلد میں نظر ڈالیں تو یہ عبارت اس میں لکھی ہوئی پائیں گے۔ "مرہم حوارین کہ مسمی ست بمرہم سلیخا* و مرہم رسل و آنرا مرہم عیسیٰ نیز نامند و اجزائے ایں نسخہ دوازدہ عدد است کہ حواریین جہتہ **عیسیٰ** علیہ السلام ترکیب کردہ برائے تحلیل اورام دخنازیر و طواعین و تنقیہ **جراحات** از گوشت فاسد و اوساخ وجہت رویانیدن گوشت تازہ سودمند" اور اس جگہ نسخہ کے اجزا لکھنے کی حاجت نہیں کیونکہ ہر ایک شخص قرابادین وغیرہ کتابوں میں دیکھ سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ شبہ پیش ہو کہ ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ کو نبوت سے پہلے کہیں سے چوٹیں لگی ہوں یا گر گئے ہوں یا کسی نے مارا ہو اور حواریوں نے اُن کے زخموں کے اورام اور قروح

بقیہ حاشیہ در حاشیہ اگر ایسے ہوں پہلے رفتہ رفتہ تنزل کرتے کرتے بت پرست بن گئے ہوں گے اور پھر آخر اور بُت پرستوں کی طرح مذہب اسلام کی طرف مائل ہوگئے ہوں گے" یہ رائے ڈاکٹر برنیر کی ہے جو انہوں نے اپنی کتاب سیر و سیاحت میں لکھی ہے مگر اُسی بحث میں اُنہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ "غالباً اسی قوم کے لوگ پیکن میں موجود ہیں جو مذہب موسوی کے پابند ہیں اور اُن کے پاس توریت اور دوسری کتابیں بھی ہیں۔ مگر حضرت عیسیٰ کی وفات یعنی مصلوب ہونے کا حال ان لوگوں کو بالکل معلوم نہیں" ڈاکٹر صاحب کا یہ فقرہ یاد رکھنے کے لائق ہے کیونکہ آج تک بعض نادان عیسائیوں کا یہ گمان ہے کہ حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہونے پر یہود اور نصاریٰ کا اتفاق ہے اور اب ڈاکٹر صاحب کے قول سے معلوم ہوا کہ چین کے یہودی اس قول سے اتفاق نہیں رکھتے اور ان کا یہ مذہب نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ سولی پر مر گئے۔ اور ڈاکٹر صاحب نے جو کشمیریوں کے یہودی الاصل ہونے پر دلائل لکھے ہیں۔ یہی دلائل ایک غور کرنے والی

* نوٹ۔ قرابادین قادری میں سلیخا کا لفظ ہے مگر شیخ بو علی سینا کے قانون میں بجائے سلیخا کے شلیخا لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبرانی یا یونانی لفظ ہے جس کے معنی بارہ۱۲ کے ہیں۔ منہ

کی تکالیف کے لئے یہ نسخہ طیار کیا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبوت سے پہلے حواریوں سے اُن کا کچھ
تعلق نہ تھا بلکہ حواریوں کو حواری کا لقب اسی وقت سے ملا کہ جب وہ لوگ حضرت عیسیٰ کی نبوت کے بعد اُن
پر ایمان لائے اور ان کا ساتھ اختیار کیا اور پہلے تو ان کا نام مچھیے یا ماہی گیر تھا۔ سو اس سے صاف تر اور کیا
قرینہ ہوگا کہ یہ مرہم اس نام کی طرف منسوب ہے جو حواریوں کو حضرت مسیح کی نبوت کے بعد ملا اور پھر

بقیہ حاشیہ در حاشیہ۔ لگاؤ میں ہمارے متذکرہ بالا بیان پر شواہد بیّنہ ہیں۔ یہ واقعہ مذکورہ جو حضرت موسیٰ
کشمیر میں آئے تھے چنانچہ ان کی قبر بھی شہر سے قریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ صاف دلالت کرتا ہے کہ
موسیٰ سے مراد عیسیٰ ہی ہے کیونکہ یہ بات قریب قیاس ہے کہ جب کشمیر کے یہودیوں میں اس قدر تغیر
واقع ہوئے کہ وہ بت پرست ہو گئے اور پھر مدت کے بعد مسلمان ہو گئے تو کم علمی اور لاپروائی کی وجہ
سے عیسیٰ کی جگہ موسیٰ انہیں یاد رہ گیا ورنہ حضرت موسیٰ تو موافق تصریح توریت کے حورب کی سرزمین
میں اُس سفر میں فوت ہو گئے تھے جو مصر سے کنعان کی طرف بنی اسرائیل نے کیا تھا اور حورب کی ایک
وادی میں بیت فغفور کے مقابل دفن کئے گئے۔ دیکھو استثنا ۳۴ باب درس ۵۔ ایسا ہی معلوم ہوتا
ہے کہ سلیمان کا لفظ بھی رفتہ رفتہ بجائے عیسیٰ کے لفظ کے مستعمل ہو گیا۔ ممکن ہے کہ حضرت
عیسیٰ نے پہاڑ پر عبادت کے لئے کوئی مکان بنایا ہو کیونکہ یہ شاذ و نادر ہے کہ کوئی بات بغیر کسی اصل
صحیح کے محض بے بنیاد افترا کے طور پر مشہور ہو جائے۔ ہاں یہ غلطی قریب قیاس ہے کہ بجائے
عیسیٰ کے عوام کو جو پچھلی قومیں تھیں سلیمان یاد رہ گیا ہو اور اس قدر غلطی تعجب کی جگہ نہیں چونکہ یہ
تینوں نبی ایک ہی خاندان میں سے ہیں۔ اس لئے یہ غلطیاں کسی اتفاقی مسامحت سے ظہور میں آگئیں
تبت سے کوئی نسخہ انجیل یا بعض عیسوی وصایا کا دستیاب ہونا جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کوئی عجیب
بات نہیں ہے کیونکہ جب قرائن قویہ قائم ہیں کہ بعض نبی بنی اسرائیل کے کشمیر میں ضرور آئے گو اُن کی
تعین نام میں غلطی ہوئی اور ان کی قبر اور مقام بھی اب تک موجود ہے تو کیوں یہ یقین نہ کیا جائے کہ
وہ نبی درحقیقت عیسیٰ ہی تھا جو اوّل کشمیر میں آیا اور پھر تبت کا بھی سیر کیا اور کچھ بعید نہیں کہ اس
ملک کے لوگوں کے لئے کچھ وصیتیں بھی لکھی ہوں اور آخر کشمیر میں واپس آکر فوت ہو گئے ہوں۔ چونکہ سرد
ملک کا آدمی سرد ملک کو ہی پسند کرتا ہے اس لئے فراست صحیحہ قبول کرتی ہے کہ حضرت عیسیٰ
کنعان کے ملک کو چھوڑ کر ضرور کشمیر میں پہنچے ہوں گے۔ میرے خیال میں کسی کو اس میں
کلام نہ ہوگا کہ خطہ کشمیر کو خطہ شام سے بہت مشابہت ہے۔ پھر جبکہ ملکی مشابہت کے علاوہ

ایک اور قرینہ یہ ہے کہ اس مرہم کو مرہم رسل بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ حواری حضرت عیسٰی کے رسول تھے۔ اور اگر یہ گمان ہو کہ ممکن ہے کہ یہ چوٹیں حضرت مسیح کو نبوت کے بعد کسی اور حادثہ سے لگ گئی ہوں اور صلیب پر مر گئے ہوں۔ جیسا کہ نصاریٰ کا زعم ہے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ۔ قوم بنی اسرائیل بھی اس جگہ موجود تھی تو حضرت مسیح اس ملک کو چھوڑنے کے بعد ضرور کشمیر میں آئے ہوں گے مگر جاہلوں نے دور دراز زمانہ کے واقعہ کو یاد نہ رکھا اور بجائے عیسٰی کے موسٰی یا سلیمان یاد رہ گیا۔ اخویم حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب فرماتے ہیں کہ میں قریباً چودہ۱۴ برس تک جموں اور کشمیر کی ریاست میں نوکر رہا ہوں اور اکثر کشمیر میں ہر ایک عجیب مکان وغیرہ کے دیکھنے کا موقعہ ملتا تھا۔ لہٰذا اس مدت دراز کے تجربہ کے رو سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ ڈاکٹر برنیر صاحب نے اس بات کے بیان کرنے میں کہ اہل کشمیر یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ کشمیر میں موسٰی کی قبر ہے غلطی کی ہے۔ جو لوگ کچھ مدت کشمیر میں رہے ہیں وہ اس بات سے بے خبر نہیں ہوں گے کہ کشمیر میں موسٰی نبی کے نام سے کوئی قبر مشہور نہیں ڈاکٹر صاحب کو بوجہ اجنبیت زبان کے ٹھیک ٹھیک نام کے لکھنے میں غلطی ہو گئی ہے۔ یا ممکن ہے کہ سہو کاتب سے یہ غلطی ظہور میں آئی ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ کشمیر میں ایک مشہور و معروف قبر ہے جس کو **یوز آسف نبی** کی قبر کہتے ہیں۔ اس نام پر ایک سرسری نظر کر کے ہر ایک شخص کا ذہن ضرور اس طرف منتقل ہوگا کہ یہ قبر کسی اسرائیلی نبی کی ہے۔ کیونکہ یہ لفظ عبرانی زبان سے مشابہ ہیں مگر ایک عمیق نظر کے بعد نہایت تسلی بخش طریق کے ساتھ کھل جائیگا کہ در اصل یہ لفظ **یسوع آسف** ہے یعنی یسوع غمگین۔ اسف اندوہ اور غم کو کہتے ہیں چونکہ حضرت مسیح نہایت غمگین ہو کر اپنے وطن سے نکلے تھے اس لئے اپنے نام کے ساتھ آسف ملا لیا۔ مگر بعض کا بیان ہے کہ در اصل یہ لفظ **یسوع صاحب** ہے۔ پھر اجنبی زبان میں بکثرت مستعمل ہو کر یوز آسف بن گیا۔ لیکن میرے نزدیک یسوع آسف اسم بامسمّٰی ہے اور ایسے نام جو واقعات پر دلالت کریں اکثر عبرانی نبیوں اور دوسرے اسرائیلی راست بازوں میں پائی جاتی ہیں چنانچہ یوسف جو حضرت یعقوب کا بیٹا تھا اس کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کہ اس کی جدائی پر اندوہ اور غم کیا گیا۔ جیسا کہ اللہ جلشانہ نے اس بات کی طرف اشارہ فرما کر کہا ہے۔ یا اسفا علی یوسف۔ پس اس سے صاف نکلتا ہے کہ یوسف پر اسف یعنی اندوہ

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو ثابت ہو چکا ہے کہ یہ چوٹیں نبوت کے بعد لگی ہیں اور ظاہر ہے کہ اس ملک میں نبوت کا زمانہ صرف تین برس بلکہ اس سے بھی کم ہے۔ پس اگر اس مختصر زمانہ میں بجز صلیب کے چوٹوں کے کسی اور حادثہ سے بھی یسوع کو چوٹیں لگی تھیں اور ان چوٹوں کے لئے یہ مرہم طیار ہوئی تھی۔ تو اس دعویٰ کا بار ثبوت عیسائیوں کی گردن پر ہے جو حضرت عیسیٰ کو جسم سمیت آسمان پر چڑھا رہے ہیں۔ یہ مرہم حواریین متواترات میں سے ہے اور متواترات علوم حسیہ بدیہیہ کی طرح ہوتے ہیں جن سے انکار کرنا حماقت ہے۔

بقیہ حاشیہ در حاشیہ۔ کیا گیا اس لئے اس کا نام یوسف ہوا۔ ایسا ہی مریم کا نام بھی ایک واقعہ پر دلالت کرتا ہے۔ اور وہ یہ کہ جب مریم کا لڑکا عیسیٰ پیدا ہوا تو وہ اپنے اہل و عیال سے دور تھی۔ اور مریم وطن سے دور ہونے کو کہتے ہیں۔ اسی کی طرف اللہ جلشانہٗ اشارہ فرما کر کہتا ہے وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا۔ یعنی مریم کو کتاب میں یاد کر جبکہ وہ اپنے اہل سے ایک شرقی مکان میں دور پڑی ہوئی تھی۔ سو خدا نے مریم کے لفظ کی وجہ تسمیہ یہ قرار دی کہ مریم حضرت عیسیٰ کے پیدا ہونے کے وقت اپنے لوگوں سے دور و مہجور تھی یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اس کا لڑکا عیسیٰ قوم سے قطع کیا جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت مسیح اپنے ملک سے نکل گئے اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کشمیر میں جا کر وفات پائی اور اب تک کشمیر میں اُن کی قبر موجود ہے يُزَارُ وَيُتَبَرَّكُ بِهٖ۔ ہاں ہم نے کسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مسیح کی بلاد شام میں قبر ہے مگر اب صحیح تحقیق ہمیں اس بات کے لکھنے کیلئے مجبور کرتی ہے کہ واقعی قبر وہی ہے جو کشمیر میں ہے اور ملک شام کی قبر زندہ در گور کا نمونہ تھا جس سے وہ نکل آئے اور جب تک وہ کشمیر میں زندہ رہے ایک اونچے پہاڑ کی چوٹی پر مقام کیا گویا آسمان پر چڑھ گئے حضرت مولوی نور دین صاحب فرماتے ہیں کہ یسوع صاحب کی قبر جو یوز آسف کی قبر کر کے مشہور ہے وہ جامع مسجد سے آتے ہوئے بائیں طرف واقع ہوتی ہے جب ہم جامع مسجد سے اس مکان میں جائیں جہاں شیخ عبد القادر رضی اللہ عنہ کے تبرکات ہیں تو یہ قبر تھوڑی شمال کی جانب عین کوچہ میں ملیگی اس کوچہ کا نام خانیار ہے اور یہ اصل قدیم شہر سے قریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے جیسا کہ ڈاکٹر برنیر نے لکھا ہے پس اس بات کو بھی خیانت پیشہ عیسائیوں کی طرح ہنسی میں نہیں اُڑانا چاہیئے کہ حال میں ایک انجیل تبت سے دفن کی ہوئی نکلی ہے جیسا کہ وہ شائع بھی ہو چکی ہے۔ بلکہ حضرت مسیح کے کشمیر میں آنے کا یہ ایک دوسرا قرینہ ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اس انجیل کا لکھنے والا بھی بعض واقعات کے لکھنے میں غلطی کرتا ہو جیسا کہ پہلی چار انجیلیں بھی غلطیوں سے بھری ہوئی ہیں۔ مگر ہمیں اس نادر اور عجیب ثبوت سے بکلی منہ نہیں پھیرنا چاہیئے جو بہت سی غلطیوں کو صاف کر کے دنیا کو صحیح سوانح کا چہرہ دکھلاتا ہے۔

واللّٰہ اعلم بالصواب۔ منہ

اگر یہ سوال پیش ہو کہ ممکن ہے کہ چوٹوں کے اچھا ہونے کے بعد حضرت عیسٰی آسمان پر چڑھائے گئے ہوں تو اس کا جواب یہی ہے کہ اگر خدا تعالےٰ کو آسمان پر چڑھانا ان کا منظور ہوتا تو زمین پر اُن کیلئے مرہم طیار نہ ہوتی آسمان پر لیجانے والا فرشتہ اُن کے زخم بھی اچھے کر دیتا اور انجیل میں دیکھنے والوں کی شہادت رویت صرف اس قدر ہے کہ اُن کو سڑک پر جاتے دیکھا اور تحقیقات سے ان کی قبر کشمیر میں ثابت ہوتی ہے اور اگر کوئی خوش فہم مولوی یہ کہے کہ قرآن میں ان کی رفع کا ذکر ہے تو اس کے جواب میں یہ التماس ہے کہ قرآن میں رفع الی اللہ کا ذکر ہے نہ رفع الی السماء کا پھر جبکہ اللہ جلشانہ نے یہ فرمایا ہے کہ یا عیسٰی انی متوفیك و رافعك اليّ تو اس سے قطعی طور پر سمجھا جاتا ہے کہ رفع موت کے بعد ہے کیونکہ آیت کے یہ معنی ہیں کہ میں تجھے وفات دوں گا اور اپنی طرف اُٹھاؤں گا سو اس میں کیا کلام ہے کہ خدا کے نیک بندے وفات کے بعد خدا کی طرف اُٹھائے جاتے ہیں سو وفات کے بعد نیک بندوں کا رفع ہونا سنت اللہ میں داخل ہے مگر وفات کے بعد جسم کا اٹھایا جانا سنت اللہ میں داخل نہیں اور یہ کہنا کہ توفی کے معنی اس جگہ سونا ہے سراسر الحاد ہے کیونکہ صحیح بخاری میں ابن عباس سے روایت ہے کہ متوفیک ممیتک اور اس کی تائید میں صاحب بخاری اسی محل میں ایک حدیث بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے لایا ہے پس جو معنی توفی کے ابن عباس اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقام متنازعہ فیہ میں ثابت ہو چکے اس کے برخلاف کوئی اور معنی کرنا یہی ملحدانہ طریق ہے مسلمان کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت نہیں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام متنازعہ فیہ میں یہی معنی کئے پس بڑی بے ایمانی ہے جو نبی کریم کے معنوں کو ترک کر دیا جائے اور جبکہ اس جگہ توفی کے معنی قطعی طور پر وفات دینا ہی ہوا تو پھر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وفات آیندہ کے زمانہ میں ہوگی کیونکہ آیت فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم صاف صاف بتلا رہی ہے کہ وفات ہو چکی وجہ یہ ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسٰی جناب الٰہی میں عرض کرتے ہیں کہ عیسائی میری وفات کے بعد بگڑے ہیں پھر اگر فرض کر لیں کہ اب تک حضرت عیسٰی فوت نہیں ہوئے تو ساتھ ہی ماننا پڑے گا کہ ابتک عیسائی بھی نہیں بگڑے حالانکہ ان کمبختوں نے عاجز انسان کو خدا بنا دیا۔ اور نہ صرف شرک کی نجاست کھائی بلکہ سور کھانا شراب پینا زنا کرنا سب انہی لوگوں کے حصہ میں آگیا کیا کوئی دنیا میں بدی ہے جو ان میں پائی نہیں جاتی کیا کوئی ایسا بدکاری کا کام ہے جس میں یہ لوگ نمبر اول پر نہیں۔ پس صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ بگڑ گئے اور شرک اور ناپاکیوں کا جذام ان کو کھا گیا۔ اور اسلام کی عداوت نے ان کو تحت الثریٰ میں پہنچا دیا۔ اور نہ صرف آپ ہی ہلاک ہوئے بلکہ اُن کی ناپاک زندگی نے ہزاروں کو ہلاک کیا۔ یورپ میں کتوں اور کتیوں کی طرح زنا کاری ہو رہی ہے۔ شراب کی کثرت شہوتوں کو ایک خطرناک جوش دے رہی ہے اور حرامی بچے لاکھوں تک پہونچ گئے ہیں یہ کس بات کا نتیجہ ہے اسی مخلوق پرستی اور کفارہ کے پرفریب مسئلہ کا۔ منہ *

حاشیہ در حاشیہ متعلقہ حاشیہ صفحہ ۱۶۴

ہمارے متعصب مولوی ابتک یہی سمجھ بیٹھے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام معہ جسم عنصری آسمان پر
چڑھ گئے ہیں اور دوسرے نبیوں کی تو فقط روحیں آسمان پر ہیں مگر حضرت عیسیٰ جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر
موجود ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ صلیب پر چڑھائے بھی نہیں گئے بلکہ کوئی اور شخص صلیب پر چڑھایا گیا۔ لیکن
ان بیہودہ خیالات کے رد میں علاوہ اُن ثبوتوں کے جو ہم ازالہ اوہام اور حمامۃ البشریٰ
وغیرہ کتابوں میں دے چکے ہیں ایک اور قوی ثبوت یہ ہے کہ صحیح البخاری
صفحہ ۳۳۹ میں یہ حدیث موجود ہے لعنۃ اللہ علی الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور
انبیاءھم مساجد یعنی یہود اور نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد
بنالیا یعنی ان کو سجدہ گاہ مقرر کر دیا اور ان کی پرستش شروع کی اب ظاہر ہے کہ نصاریٰ بنی اسرائیل کے
دوسرے نبیوں کی قبروں کی ہرگز پرستش نہیں کرتے بلکہ تمام انبیاء کو گنہگار اور مرتکب صغائر و کبائر خیال کرتے ہیں۔
ان بلاد شام میں حضرت عیسیٰؑ کی قبر کی پرستش ہوتی ہے اور مقررہ تاریخوں پر ہزارہا عیسائی سال بسال
اس قبر پر جمع ہوتے ہیں سو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ درحقیقت وہ قبر عیسیٰ علیہ السلام کی ہی قبر ہے
جس میں مجروح ہونے کی حالت میں وہ رکھے گئے تھے اور اگر اس قبر کو حضرت عیسیٰؑ کی قبر سے کچھ تعلق نہیں
تو پھر نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول صادق نہیں ٹھیرے گا اور یہ ہرگز ممکن نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم ایسی مصنوعی قبر کو قبر نبی قرار دیں جو محض جعلسازی کے طور پر بنائی گئی ہو کیونکہ انبیاء علیہم السلام
کی شان سے بعید ہے کہ جھوٹ کو واقعات صحیحہ کے محل پر استعمال کریں پس اگر حدیث میں نصاریٰ
کی قبر پرستی کے ذکر میں اس قبر کی طرف اشارہ نہیں تو اب واجب ہے کہ شیخ بطالوی اور دوسرے مخالف
مولوی کسی اور ایسے نبی کی قبر کا ہمیں نشان دیں جس کی عیسائی پرستش کرتے ہوں یا کبھی کسی زمانہ میں کی ہو
نبوت کا قول باطل نہیں ہو سکتا چاہیئے کہ اس کو سرسری طور پر نہ ٹال دیں اور ردی چیز کی طرح نہ پھینک
دیں کہ یہ سخت بے ایمانی ہے بلکہ دو باتوں سے ایک بات اختیار کریں (۱) یا تو اس قبر کا ہمیں پتا دیں
جو کسی اور نبی کی کوئی قبر ہے اور اس کی عیسائی پرستش کرتے ہیں۔ (۲) اور یا اس بات کو قبول کریں کہ
بلاد شام میں جو حضرت عیسیٰ کی قبر ہے جس کی نسبت سلطنت انگریزی کی طرف سے پچھلے دنوں میں خریداری کی
بھی تجویز ہوئی تھی جس پر ہر سال بہت سا ہجوم عیسائیوں کا ہوتا ہے اور سجدے کئے جاتے ہیں وہ درحقیقت

وہی قبر ہے جس میں حضرت مسیح مجروح ہونے کی حالت میں داخل کئے گئے تھے پس اگر یہ وہی قبر ہے تو خود سوچ لیں کہ اس کے مقابل پر وہ عقیدہ کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں چڑھائے گئے بلکہ چھت کی راہ سے آسمان پر پہنچائے گئے کس قدر لغو اور خلاف واقعہ عقیدہ ٹھیرے گا لیکن یہ واقعہ جو حدیث کی رو سے ثابت یعنی یہ کہ ضرور حضرت عیسےٰ قبر میں داخل کئے گئے۔ یہ اس قصہ کو جو مرہم حواریین کی نسبت ہم لکھ چکے ہیں بہت قوت دیتا ہے کیونکہ اس سے اس بات کے لئے قرائن قویہ پیدا ہوتے ہیں کہ ضرور حضرت مسیح کو یہودیوں کے ہاتھ سے ایک جسمانی صدمہ پہنچا تھا مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ صلیب پر مر گئے تھے کیونکہ توریت سے ثابت ہے کہ جو مصلوب ہو وہ لعنتی ہے اور مصلوب وہی ہوتا ہے جو صلیب پر مر جاوے وجہ یہ کہ صلیب کی علت غائی قتل کرنا ہے سو ہرگز ممکن نہیں کہ وہ صلیب پر مرے ہوں کیونکہ ایک نبی مقرب اللہ لعنتی نہیں ہو سکتا اور خود حضرت عیسیٰ نے آپ بھی فرمادیا کہ میں قبر میں ایسا ہی داخل ہوں گا جیساکہ یونس مچھلی کے پیٹ میں داخل ہوا تھا۔ یہ اُن کے کلام کا ماحصل ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ قبر میں زندہ داخل ہو گئے اور زندہ ہی نکلے جیساکہ یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں زندہ ہی داخل ہوا اور زندہ ہی نکلا۔ کیونکہ نبی کی مثال غیر مطابق نہیں ہوسکتی سو وہ بلاشبہ قبر میں زندہ ہی داخل کئے گئے اور یہ مکر اللہ تھا۔ تا یہود اُن کو مُردہ سمجھ لیں اور اس طرح وہ اُن کے ہاتھ سے نجات پاویں۔ یہ واقعہ غار ثور کے واقعہ سے بھی بالکل مشابہ ہے اور وہ غار بھی قبر کی طرح ہے جو ابتک موجود ہے اور غار میں توقف کرنا بھی تین دن ہی لکھا ہے جیساکہ مسیح کی قبر میں رہنے کی مدت تین دن ہی بیان کی گئی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ ثور کی یہ مشابہت جو مسیح کی قبر سے ہے اس کا اشارہ بھی حدیثوں میں پایا جاتا ہے اسی طرح ہمارے سید مولٰے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے یونس نبی سے مشابہت کا بھی ایک اشارہ کیا ہے۔ پس گویا یہ تین نبی یعنی محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور مسیح اور یونس علیہما السلام قبر میں زندہ ہی داخل ہوئے اور زندہ ہی اس میں رہے اور زندہ ہی نکلے ✣ اور خدا تعالےٰ جانتا ہے کہ یہی بات صحیح ہے جو لوگ مرہم حواریین کے مضمون پر غور کریں گے وہ بالضرور اس نکتہ تک پہنچ جائیں گے کہ ضرور حضرت مسیح مجروح ہونے کی حالت میں قبر میں داخل کئے گئے تھے۔ پلاطوس کی بیوی کی خواب بھی اسی کے مؤید ہے کیونکہ فرشتہ نے اس کی بیوی کو یہی بتلایا تھا کہ عیسیٰ اگر صلیب پر مر گیا تو اُس پر اور اُس کے خاوند پر تباہی آئے گی مگر کوئی تباہی نہیں آئی جس کا یہ نتیجہ ضروری ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ منہ

✣ نوٹ۔ یوسف علیہ السلام کا کنوئیں میں سے زندہ نکلنا بھی اسی سے مشابہ ہے۔ منہ

mankind, in facts the word here ascribed to Nanak contain a full confession of Islam.

TRANSLATION BY Dr. ERNEST TRUMP JANAM SAKHI OF BABA NANAK.

INTRODUCTION PAGE 41, XLI AND XLII.

His Worship (the prophet) has said in his decision and the book :

Dogs who watch well at night-time are better than not praying men.

The watches, who do not wake and, remain asleep after the call (to prayer),

In their bone is uncleanness ; though men, they are like women,

Who do not obey Sunnat and divine commandment nor the order of book :

They are burnt in hell, like roasted meat put on a spit.

Great misery befall them, who are drinking Bhang and Wine,

A pig is interdicted from liquor and beer, nor is it Bhang drinking.

Who walk according to the advice of their lust they will suffer great pain :

At the day of the resurrection there will be a clamour of noise.

At that day the mountains will fly about as when cotton is corded,

O Kazi, none other will sit (there), God himself will stand.

According to justice all will be decided, the tablet is handed over at the gate.

Just inquiries are made there ; by whome sins were committedeu,

They are bound thrown into hell, with a layer (of earth) on their neck and with a black face.

The doors of good works will be unconcerned at that day.

Those will be rescued. O,Nanak whose shelter his worship (the prophet) is.

companion of Nanak, and if all other traditions had failed this alone would have been enough to establish the eclectic character of early Sikhism. The first greeting of these famous men is significant enough. Sheikh Farid exclamed "Allah, Allah O, Darwesh," to which Nanak replied "Allah is object of my efforts O Farid i come, Sheikh Farid ! Allah Allah (only) is ever my object.

An intimacy at once sprang up between these two remarkable men, and Sheikh Farid accompanied Nank in all his wanderings for the next twelve years.

As soon as Nanak and his friend Sheik Farid began to travel in company, it is related that they reached a place called Bisiar where the people applied cow-dung to every spot on which they had stood, as soon as they departed, the obvious meaning of this is, that orthodox Hindu considered every spot polluted which Nanak and his companion had visited. This could never had been related of Nanak had he remained a Hindu religion. In this next journey Nanak is said to have visited Patan, and there he met with Sheikh Ibrahim who saluted him as a Muslim, and had a conversation with him on the unity of God.

In precise confirmity with this deduction is the tradition of Nanak's pilgrimage to Makka. The particulars of his visit to that holy place are fully given in all accounts of Nanak's life, and although, as Dr. Trumpp reasonably concludes the whole story is a fabrication yet the mere invention of the tale is enough to prove that those who intimately knew Nanak considered his relationship to Muhammadanism sufficiently close to warrant the belief in such a pilgrimage In the course of his teachings in Mukkah Nanak is made to say : "Though men they are like woman who do not obey the Sunnat, and divine commandment, nor the order of the book (the Quran) I.C M.S. No· 1728 for 212.) He also admitted the intercession of Muhammad, denounced the drinking of bhang, wine & c., acknowleged the existence of hell, the punishment of the wicked and the ressurrection of

which extracts have been given, and the numerous confirmatory evidences contained in the religion itself.

It will, also, be noticed that Muhammadans are affectcd by the logic and piety of Nanak and to them he shows himself so partial that he openly accompanies them to the Mosque, and thereby causes his Hindu neighbours and friends to believe that he is actually converted to the faith of Islam.

After this, Nanak undertook a missionary tour; and it is noticeable that the first person he went to and converted was Sheik Sajan who showed himself to be a pious Muhammadan. Nanak then peoceeded to Panipat and was met by a certain Sheikh Tatihar who accosted with the Muhammadan greeting, "peace be on thee, O Darwesh!" to which Nanak immediately replied "and upon you be peace" O'servant of the Pir.

Here we find Nanak both receiving and giving the Muhammadan salutation and also the acknowleegment that he was recognised as a Darwesh.

The disciple then called his master, the Pir Sheikh Sharaf who repeated the salutation of peace, and after a long conversation acknowledged the Divine Mission of Nanak kissed his hands and feet and left him (fol. 52).

After the departure of this Pir, the Guru Nanak wandered on to Dehli where he was introduced to Sultan Ibrahim, Lodhi who also called him a Darwesh.

The most significant associate which Nanak found was undoubtedly, Sheikh Farid. He was a famous Muhammadan Pir, and strict Sufi who attracted much attention by his piety and formed a school of devoties of his own. Sheikh Farid must have gained considerable notoriety in his day; for his special disciples are still to be found in the Panjab who go by the name of Sheikh Farid's Fakirs. This strict Mohommadan became confidential friend and

2

EXTRACTS FROM REVD, HUGHE'S

DICTIONARY OF ISLAM,

PAGES 583–591

The *Janam sakhis* or biographical sketches of Nanak and his associates contain a profusion of curious traditions, which throw considerable light on the origin and development of the Sikh religion. From these old books, we learn that in early life Nanak, although a Hindu by birth, came under Sufi influence, and was strangely attracted by the saintly demeanour of the Fakirs who were thickly scattered over Northern India and swarmed in the Panjab.

It is, therefore, only reasonable to suppose that any Hindu affected by Muhammadanism would show some traces of Sufi influence. As a fact we find that the doctrines preached by the Sikh Gurus were distinctly sufiastic, and indeed, the early Gurus openly assumed the manners and dress of faqirs, thus plainly announcing their connection with the Sufiastic side of Muhammadanism. In pictures they are represented with small rosaries in their hands, quite in Muhammadan fashion, as though ready to perform *zikr*.

The traditions of Nanak preserved in the *Janam Sakhi* are full of evidence of his alliance with Muhammadanism.

(In answer to a Qazi) Nanak replied. To be called a Mussalman is difficult, when one (becomes it) then he may be called Mussalman.

From the foregoing it is perfectly clear that the immediate successors of Nanak beleived that he went very close to Muhammadanism ; and we can scarcely doubt the accuracy of their view of the matter, when we consider the almost contemporaneous character of the record, ırom